گلوبلائزیشن اور اسلام
www.kitabosunnat.com
مولانا یاسر ندیم
دار الاشاعت کراچی

گلوبلائزیشن اور اسلام

نیو ورلڈ آرڈر اور عالمگیریت کے نام پر اسلام اور مسلم اُمہ کے
خلاف عالمی سازشوں اور منصوبوں کا تاریخی اور تحقیقی جائزہ
اپنے موضوع پر ایک اہم اور منفرد کتاب

مولانا یاسر ندیم

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی

ضخامت : 456 صفحات

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 437-B دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
ادارہ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K

فہرست عنوان

عنوان	صفحہ
حرف آغاز	۱۳
مقدمہ	۲۱
پہلا باب	۴۱
موجودہ دور کا سب سے اہم سوال	۴۱
ایک خوش آیند پہلو	۴۲
لیکن یہ فتنہ نہیں	۴۴
استعمار کا نیا ایڈیشن	۴۷
اسلام عنصریت وعصبیت سے پاک ہے	۵۳
گلوبلائزیشن ایک تلخ حقیقت	۵۵
عالم گیریت کیا ہے؟	۵۷
گلوبائزیشن کی مثبت تعریفات	۵۹
گلوبلائزیشن کی منفی تعریفات	۶۶
گلوبلائزیشن تاریخ کے آئینے میں	۶۹
دوسری جنگ عظیم کے بعد	۷۳
گلوبلائزیشن کی راہ کس نے ہموار کی؟	۷۸
عالم گیریت کی تمہیدات	۸۱
جدید عالمی نظام کے مرکزی عناصر	۸۵
پس پردہ ادارے اور تنظیمیں	۸۷
بلڈربرج	۸۷
راکفلر فاؤنڈیشن	۹۰
امریکی کلیسا کی تنظیم	۹۱
تعلقات خارجہ کمیٹی C.F.R	۹۱
عالم گیریت کیا چاہتی ہے؟	۹۳
عالم گیریت کے مختلف میدان ہائے عمل	۹۶
دوسرا باب	۱۰۱
سیاسی عالم گیریت کا مطلب	۱۰۱
عالمی حکومت کی طرف بڑھتے قدم	۱۰۴
سیاسی عالم گیریت کے مقاصد واثرات	۱۰۶
امریکہ اور عالمی حکومت	۱۱۳
امریکی جارحیت	۱۱۶
مقبوضہ میکسیکو	۱۱۸
خارجی سطح پر امریکی جارحیت	۱۱۹
امریکیوں کی تفوق پرستی	۱۲۲
امریکہ اور صہیونیت	۱۲۴
صہیونی پروٹوکولز	۱۲۵
امریکہ پر صہیونیوں کی بالادستی	۱۳۳
شکنجۂ یہود...... ایک امریکی کانگریس مین کی روداد	۱۳۵
لیگ آف نیشنز...... عالمی حکومت کی تشکیل کا آغاز	۱۳۸
اقوام متحدہ اور عالمی حکومت	۱۴۲

عنوان	صفحہ
عالم اسلام اور یہودی مسیحی اتحاد	۱۴۹
یہودی مسیحی یونین کا اجلاس اور جارج بش کی تقریر	۱۵۱
عالم گیریت بش کی تقریر کے تناظر میں	۱۶۱
تیسرا باب	۱۶۷
مادیت پرستی اور عالم گیریت	۱۶۷
اقتصادی عالم گیریت کا طریقہ کار	۱۷۰
سرمایہ دارانہ نظام	۱۷۲
سرمایہ دارانہ نظام نے ان مسائل کو کیسے حل کیا؟	۱۷۴
سرمایہ دارانہ نظام کے اصول	۱۷۷
سرمایہ دارانہ نظام پر ایک نظر	۱۷۸
سرمایہ دارانہ نظام قدیم مغربی فلسفہ	۱۸۰
اقتصادی عالم گیریت کو فروغ کیسے ملا؟	۱۸۲
اقتصادی گلوبلائزیشن کے مقاصد	۱۸۷
گاٹ معاہدہ... اقتصادی گلوبلائزیشن کے لئے عملی کوشش	۱۹۷
گاٹ معاہدے کا مقصد	۱۹۹
گاٹ معاہدے کے اہم اصول	۲۰۱
گاٹ معاہدے کے نتائج	۲۰۴
عالمی نقدی نظام	۲۰۷
بریٹن ووڈز کا نیا نظام زر	۲۰۹
عالمی مالیاتی فنڈ	۲۱۲
عالمی بینک	۲۱۴
اقتصادی عالم گیریت کا سب سے بڑا نقیب	۲۱۷
تنظیم کے مقاصد	۲۱۹
عالمی تجارتی تنظیم کا پالیسی سازی میں کردار	۲۲۱
تنظیم کا انتظامی ڈھانچہ	۲۲۲
ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن ایک تنقیدی جائزہ	۲۲۳
ملٹی نیشنل کمپنیاں عالمی دولت کی اصل مالک	۲۲۷
کرۂ ارضی پر آزادانہ تجارت	۲۳۰
ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وسعت	۲۳۴
توسع کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیوں کا طریقۂ عمل	۲۳۸
اقتصادی گلوبلائزیشن اور خطرات ومفاسد	۲۴۷
چوتھا باب	۲۵۹
دین اور ثقافت	۲۵۹
تہذیبوں کے درمیان مذاکرات	۲۶۱
ثقافت کیا ہے؟	۲۶۳
ثقافت کی عالم کاری اور اس کا مقصد	۲۶۴
ثقافتی بالادستی ایک قدیم روش	۲۶۷
مواصلات مغربی ثقافت ایک ہتھیار	۲۶۹

عنوان	صفحہ
امریکی میڈیا	۲۷۱
مواصلاتی دنیا پر امریکی سایہ	۲۷۵
پروپیگنڈہ ایک مؤثر ہتھیار	۲۷۷
امریکی ثقافت کا نقیب ''ہالی وڈ''	۲۷۹
عالمی لباس	۲۸۳
ماکولات ومشروبات میں اندھی تقلید	۲۸۵
ثقافتی عالم گیریت اور اس کے اثرات	۲۸۷
خرید وفروخت اور مغرب پرستی	۲۹۰
نام نہاد جنسی ادب اور تشدد کی ثقافت کو فروغ	۲۹۱
مغرب پرستی	۲۹۴
عالم اسلام میں فیشن...... ایک دردناک صورت حال	۲۹۵
مغرب زدہ مسلمانوں کا اعتراض	۲۹۶
لسانی عالم گیریت کی طرف بڑھتے قدم	۲۹۸
زبان اتحاد کا ذریعہ	۳۰۱
لسانی عالم گیریت کا مطلب	۳۰۵
انگلش زبان کی عالم کاری: طریقۂ کار	۳۰۷
امریکن انگلش ہی دراصل عالمی زبان	۳۱۰
انگلش زبان کے اثرات	۳۱۳
انگلش کا عربی زبان پر اثر	۳۱۶
دیگر زبانوں کا وجود خطرے میں	۳۲۰
مختلف قوموں کو لاحق فکر	۳۲۳
لسانی گلوبلائزیشن کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟	۳۳۰
ثقافتی حملے کا اصل نشانہ مسلمان	۳۳۶
امریکی ثقافت میں اتنی قوت کیسے؟	۳۳۸
ثقافتی عالمی گیریت کے بارے میں مفکرین کی رائے	۳۴۲
اسلامی دنیا سبق لے	۳۴۴
پانچواں باب	۳۴۹
خاندان اور معاشرہ	۳۴۹
معاشرتی گلوبلائزیشن کا واحد ذریعہ	۳۵۱
خواتین سے متعلق اقوام متحدہ کے ادارے	۳۵۶
خواتین سے متعلق کانفرنسوں کی مختصر تاریخ	۳۵۹
دیگر موضوعات پر منعقد ہونے والی چند کانفرنسیں	۳۷۳
کانفرنسوں کے کچھ منفی پہلوؤں پر ایک تنقیدی نظر	۳۸۲
تعلیم اور کانفرنسوں کے مضر اثرات	۳۸۵
صحت پر پڑنے والے برے اثرات	۳۸۹
اقتصادی امور پر مرتب ہونے والے برے اثرات	۳۹۳
کانفرنسوں کے کچھ مثبت پہلو	۳۹۶
عالم اسلام میں کانفرنسوں کے کچھ منفی ومثبت اثرات	۳۹۸

ان اجتماعات کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟	۴۰۱
نظریاتی موقف	۴۰۲
عملی موقف	۴۰۴
معاشرتی گلوبلائزیشن کے کچھ اثرات	۴۰۷
چھٹا باب	۴۱۵
اسلام کی عالمیت اور عالم گیریت	۴۱۵
اسلام ابتدائے آفرینش سے عالمی مذہب	۴۲۱
گلوبلائزیشن اسلام مخالف	۴۲۳
اسلام کا اقتصادی نظام	۴۲۶
اسلامی اقتصادیات کی خصوصیات	۴۲۸
اسلامی وغیر اسلامی اقتصادی نظاموں کے درمیان فرق	۴۳۱
گلوبلائزیشن زمانہ جاہلیت کا نمونہ	۴۳۲
اشاریہ	۴۳۶
فہرست مآخذ و مراجع	۴۵۲

انتساب

☆ سرور کائنات، سرکار دو عالم، خاتم النبیین والمرسلین، حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے نام، جن کے لائے ہوئے آفاقی دین کے خلاف کی جانے والی پیہم سازشوں نے دفاع کرنے کے جذبے کو تحریک دی۔

☆ اپنے مشفق والدین کے نام جن کی بے پناہ محبتوں اور بے انتہا شفقتوں کا میں تنہا حق دار ہوں اور جن کی شب و روز کی مسلسل دعاؤں کے طفیل میں اس علمی خدمت کے لائق ہوا۔

☆ برصغیر کے مسلمانوں کی آبرو، از ہر ہند، مادر علمی، ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام جس کی روحانی اور علمی فضاؤں نے قلم پکڑنے کا سلیقہ عطا کیا۔

یاسر ندیم

دعا

بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعت صحرا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

علامہ اقبالؒ

پیش لفظ

الحمدللّٰہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

یہ ایک ناقابلِ تردید تاریخی اور ابدی حقیقت ہے کہ اسلام نے انسانیت کو ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب عطا کی، ایک مثالی اور ابدی ضابطۂ حیات عطا فرمایا، ایک ایسا فلسفۂ حیات عطا فرمایا جس نے انسانی تہذیب وتمدن پر گہرے اور انمٹ نقوش مرتب کیے، مشرق ومغرب غرض دنیا کے ہر خطے اور ہر قوم پر اس کے مثالی اثرات مرتب ہوئے، جس کے نتیجے میں دنیا ایک ایسے ضابطۂ حیات سے متعارف ہوئی، جس نے زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں ان کی راہنمائی کی۔ چنانچہ اسلام نے مذہب، معاشرت، سیاست، معیشت، تہذیب وتمدن، اخلاق اور انسانی زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کی قیادت اور راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

اسلام نے دیانت وامانت کے اصولوں پر مبنی ایک ایسا نظام معیشت متعارف فرمایا جس نے جبرو استبداد اور معاشی استحصال کی تمام راہیں مسدود کردیں۔ تجارت ومعیشت کا ایسا نظام عطا کیا جس سے متاثر ہوکر ہر دور اور ہر عہد کے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ رسول اکرم ﷺ جن کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو امتِ مسلمہ کے لیے لائقِ تقلید اور اسوۂ حسنہ ہے، آپؐ نے اپنی معاشی زندگی کا آغاز تجارت سے کیا اور دیانت وامانت کے راہنما اصول وضع کیے، معاشی استحصال کا خاتمہ فرمایا۔

رسول اکرم ﷺ پوری اُمّت کے ہادی اور رہبر بنا کر بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین، سیّدالمرسلین اور خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا، آپ کو جو دین عطا کیا گیا، وہ عالمگیر اہمیت کا حامل اور ابدی ضابطۂ حیات ہے، رہتی دنیا تک انسانیت کی فلاح اور بقا کا ضامن ہے، اس دین کی پیروی ہی فلاح کی یقینی ضمانت اور نجات کی کلید ہے۔

اسلام ایک آفاقی دین اور ابدی ضابطۂ زندگی ہے، جبکہ مسلم اُمّہ بلاتفریق رنگ ونسل اور قوم وملت ایک امت ہے، رسول اکرم ﷺ نے غیر اسلامی اور غیر انسانی امتیازات کا خاتمہ فرما کر پوری انسانیت اور مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا۔ مسلم امہ کا تصور عالمگیر حیثیت کا حامل اور بین الاقوامیت کے اصولوں پر مبنی ہے، آپؐ نے عرب وعجم، کالے اور گورے ہر انسان کو آدم کی اولاد قرار دے کر پوری انسانیت کو ایک برادری اور مسلم اُمہ کو جسدِ واحد، ایک امت قرار دیا، مساوات اور اخوت واجتماعیت کا یہ رنگ دینی

مساوات اور ملّی یگانگت کا مظہر ہے، اس طرح اسلام نے اخوت، اجتماعیت اور فلاحِ انسانیت کا وہ تصور عطا کیا۔ جس کی مثال پوری انسانیت اور مذاہب کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، تاہم امت اور ملّت کا یہ تصور صرف اور صرف اسلامی اخوت و اجتماعیت اور دینی و ملّی یگانگت پر مبنی ہے، اس نظریے نے وحدتِ امت کے تصور کو اجاگر کیا اور قومِ رسول ہاشمیؐ ایک عالمگیر امت اور ملّت قرار پائی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اس طرح گویا اسلامی عالمگیریت کا وہ اصول وضع ہوا جس نے پوری امہ کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا، خدمت اور فلاح انسانیت اس کی بنیاد قرار پائے۔ یہ ایک عالمگیر مذہب ''دینِ اسلام'' اور عالمگیر امت ''مسلم امہ'' کی خصوصیت ہے۔ جبکہ عہد حاضر میں اکیسویں صدی کے آغاز پر جبر و استبداد، ظلم واستحصال، استعماریت پسندی اور معاشی استحصال پر مبنی جو دو اصول صلیب کے علمبرداروں اور صیہونیت کے ترجمانوں یورپ اور امریکا نے انسانیت کے سامنے پیش کیے، وہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' اور ''گلوبلائزیشن'' ہیں۔ عالمی استعمار اور صیہونیت کے یہ دو ہتھیار وہ ہیں جن کے ذریعے وہ عالمگیریت کے نام پر پوری دنیا کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں، یہ عالمگیر سطح پر اسلام اور مسلم امہ کے خلاف بالخصوص اور پورے مظلوم انسانیت کے خلاف بالعموم ایک عالمی سازش ہے، جس کا مقصد عالمگیر سطح پر معاشی استحصال کے سوا کچھ نہیں۔ یہ اقتصادی اور معاشی طور پر انسانیت کو مفلوج کردینے کی عالمی کوششوں کا حصہ ہے۔

"The Internationl Encyclopedia of Business Management" کے مطابق یہ ایک عالمی تہذیب کے پھیلاؤ اور اسے وسعت دینے کے لئے نقش راہ ہے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء کو روس نے جنیوا معاہدے پر دستخط کیے جس کے بعد طویل عرصے سے جاری سرد جنگ کا خاتمہ ہوا، روس نے جنیوا معاہدے پر دستخط کر کے گویا امریکہ کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ اور افغانستان سے شدید پسپائی اور ذلت آمیز شکست کے بعد اپنی فوجوں کی واپسی کے لئے رضامند ہو گیا، جس کے بعد امریکہ ورلڈ پاور، عالمی طاقت کے طور پر دنیا کے سامنے آیا، چنانچہ امریکہ کے تمام پالیسی ساز ادارے متحرک ہو گئے اور انہوں نے ایک نئے سامراجی دور کے لئے سفارشات مرتب کرنا شروع کر دیں۔ بعد ازاں امریکہ نے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی شکل میں دنیا پر بلاشرکت غیرے اپنی حکمرانی اور سربراہی کے تصور کو عملاً ایک نظام بنانے کی کوششیں شروع کر دیں، گویا نیو ورلڈ آرڈر سے مراد امریکہ کی وہ خارجہ پالیسی ہے

جس کے تحت وہ پوری دنیا کے نظام کو اپنے عسکری، سیاسی اور اقتصادی مفادات وترجیحات کے تابع بنانا چاہتا ہے، تاکہ وہ عرصۂ دراز تک اپنی عالمی یکتائی کے زور پر بین الاقوامی سرمایہ داریت اور استحصالیت کو تحفظ دے سکے۔ اس عالمی نظام کے پس پردہ محرکات اور ترجیحات میں اہم ترین احیائے اسلام کی تحریکوں کو کچلنا، اسلام اور مسلم امہ کے خلاف کی فضا قائم کرنا اور مسلم دنیا بالخصوص اور پوری دنیا کی اقتصادی اور معاشی حالت کو کنٹرول کرنا اور اس پر اجارہ داری قائم کرنا اس کے بنیادی اہداف ہیں۔ جبکہ ''گلوبلائزیشن'' کی عالمگیر تحریک گو کہ عہد حاضر میں متعارف کرائی گئی ہے، تاہم یہ تحریک ایک منظم، مربوط اور طے شدہ سازش کا حصہ ہے، چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں گلوبلائزیشن کے معنی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے منظم طور پر کوششوں کا آغاز ہوا، اگرچہ لفظ گلوبلائزیشن کا وجود اس وقت نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے مشہور شہر باسل میں صہیونیوں کی پہلی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں ۵۰ عالمی یہودی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے ۳۰۰ یہودیوں نے شرکت کی، انہوں نے اس کانفرنس میں عالمی صہیونی حکومت کے قیام اور پوری دنیا کو غلام بنانے کا منصوبہ بنایا، اور نہایت خفیہ طریقے سے چند ایسی تجاویز پاس کیں، جنکو صہیونیت کے علمبرداروں کی زبان میں ''پروٹوکولز'' کہا جاتا ہے۔ یہ پروٹوکولز ایک کتاب کی صورت میں مرتب ہیں، جو ۱۱۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے گیارہویں اور انیسویں باب میں عالمی حکومت کا تخیل ملتا ہے۔

ان پروٹوکولز میں یہودی مفکرین نے آنے والی نسلوں کو یہ وصیت کی کہ وہ عظیم تر اسرائیل، بہ الفاظ دیگر عالمی صہیونی حکومت کے قیام کے لئے تمام مادی وسائل پر قبضہ کرلیں، تاکہ ان کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت مستقبل کی مملکت کی راہیں ہموار کردے۔ ذرائع ابلاغ کو اپنے کنٹرول میں لے لیں تاکہ رائے عامہ ہموار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ ''گلوبلائزیشن'' آج اقتصادی، (معیشت) اور میڈیا کی راہ سے ایک مؤثر طاقت بنتا جارہا ہے۔

بیسویں صدی سے اکیسویں صدی تک کے سفر میں ''گلوبلائزیشن'' کے لئے راہیں ہموار کی گئیں اور آج یہ ایک عالمی حقیقت کا روپ دھار چکی ہے۔ چند سیاسی اور اقتصادی حالات نے ''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا اور عہدِ حاضر میں اسے نظریے سے حقیقت اور فکر وخیال سے ایک زندہ اور عالمگیر حقیقت کا روپ دے دیا ہے۔

آج ''گلوبلائزیشن'' کی اس منظم تحریک کے سبب مغرب عربوں کے مال کو ہتھیا کر خود اس کو سرمایہ کاری میں لگا رہا ہے۔ وسائل سے مالا مال عرب دنیا قرضوں کے بوجھ تلے دبی جارہی ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق عالمِ عرب ہر منٹ میں تقریباً ۵۰ ہزار ڈالر قرض لیتا ہے، جبکہ اتنی ہی مقدار

یورپ ہر منٹ میں سرمایہ کاری پر لگا رہا ہے۔

''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت کا ایک مقصد اقتصادی میدان میں مقامی حکومتوں کی قوت اور اقتدار کا خاتمہ کر کے عالمی معیشت پر اسرائیلی اور امریکی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ آزاد تجارت و معیشت کے نام نہاد نعرے کے ذریعے پوری دنیا کی دولت سمیٹ کر چند ہاتھوں میں لے جانا چاہتی ہے۔ یہ اقتصادی اور معاشی استحصال کا وہ عالمگیر ہتھکنڈا ہے جس کے ذریعے چند بالادست با اختیار عالمی طاقتیں دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہیں۔ یہ معاشی استحصال کا عالمگیر ہتھیار اور ظلم و استبداد کا استعماری پیمانہ ہے۔

یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ ''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت محض سیاسی یا اقتصادی تحریک ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ براہ راست اسلام اور مسلم امہ پر حملہ بھی ہے کیونکہ اسلام ہی وہ آفاقی عالمگیر اور ابدی ضابطۂ حیات ہے جو معاشی استحصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور معاشی میدان میں دیانت و امانت کے اصول کو متعارف کرا کر خدمت اور فلاح انسانیت کا ابدی اور عالمگیر اصول عطا کرتا ہے یہ ہر دور کے معاشی استحصال پر مبنی باطل اور ظالمانہ نظام کے سامنے جہاد کا علم بلند کرتا ہے۔

''گلوبلائزیشن'' اسلام اور مسلم امہ کے خلاف عالمی سازشوں کے جن منصوبوں پر گامزن ہے اور جو تانے بانے بُن رہا ہے، جو سازشیں کر رہا ہے، اس پر ایک نظر ڈالیے:

(۱) عالمگیریت (گلوبلائزیشن) کی یہ کوشش ہے کہ مسلمانوں کے دینی عقائد میں شبہات پیدا کر دیے جائیں۔ تاکہ مسلمان اپنے دین و مذہب سے دور ہو کر اپنے مذہب کا سہارا نہ لے سکیں، جو دراصل ان کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

(۲) مغربی مادہ پرست اور ملحدانہ افکار و خیالات کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کے مقصد سے، مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کو مغربی طاقتوں کے زیر اثر کر دیا جائے، تاکہ مسلمانوں کے پاس کوئی مرکز نہ رہ سکے۔

(۳) ہر ملک میں اسلامی عقیدے کی جگہ مادّی فلسفہ کو مسلّط کر دیا جائے، تاکہ مسلمان اسلامی عقائد سے روشنی نہ پا سکیں۔

(۴) اسلام کو حکومت اور سیاست سے بے دخل کر دیا جائے اور مغربی اقدار پر مبنی ''سیکولر'' فلسفے کی بنیاد پر حکومتوں کی تشکیل دی جائے۔

چنانچہ آج ہر مسلم ملک میں ایسی تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں، جو آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام پر اسلامی شریعت کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف ہیں۔ ان اداروں کو فکری اور مادّی طور پر مغرب کی حمایت حاصل ہے۔ ان کا مقصد اسلامی تہذیب و ثقافت کی مخالفت کرنا اور اسلامی قوانین کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ عالمگیریت کے قائدین براہ راست اسلامی شعائر، اصول واقدار پر حملے کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششیں اس پر صرف ہو رہی ہے کہ کسی طرح اسلام کے مُسلّمہ عقائد کا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ حتیٰ کے روئے زمین اسلام کے ماننے والوں اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں سے خالی ہو جائے۔

یہ وہ تاریخی اور چشم کشا حقائق ہیں جو پیش نظر کتاب ''گلوبلائزیشن اور اسلام'' میں علمی اور تاریخی حوالوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کے مصنف، فاضل نوجوان، عالم دین اور دینی فراست کے حامل مولانا یاسر ندیم دیوبند کے ایک دینی اور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے آباؤ اجداد دین کی ترویج واشاعت اور علمی و دینی خدمات کے حوالے سے قابلِ ذکر شہرت کے حامل ہیں۔ مولانا یاسر ندیم خود بھی علمی و تصنیفی ذوق کے حامل ہیں، ان کی یہ کتاب ایک منفرد اسلوب اور اپنے موضوع کے لحاظ سے حددرجہ اہمیت کی حامل ہے۔ آج کا دور مسلم امۃ کے لئے کرب اور آزمائش کا ہے، ایسے دور میں بالخصوص دینی حکمت اور ایمانی فراست سے کام لیتے ہوئے باطل فتنوں سے آگاہی اور ان کی سرکوبی جہاد سے کم نہیں۔ ''گلوبلائزیشن اور اسلام'' اسلام اور مسلم امۃ کے دروازے پر خطرات اور خدشات سے محفوظ رہنے کی ایک دستک ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلم امۃ کو دین پر استقامت نصیب فرمائے اور فاضل مصنف کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔

''دارالاشاعت'' کے مدیر و منتظم جناب خلیل اشرف عثمانی بھی لائق مبارکباد ہیں کہ وہ اس اہم موضوع پر اس کتاب کو شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو تادیر جاری رکھے۔ آمین

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
صدر شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ ڈگری سائنس/کامرس کالج
بفرزون، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

گزشتہ صدی کے آغاز میں خلافت عثمانیہ کے سقوط اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ اکیسویں صدی میں بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کے بہت سے اسباب ہیں، جن کا اسلامی مفکرین اپنی تحریروں میں جائزہ لیتے رہتے ہیں؛ لیکن اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی بھی، ایک طویل داستان ہے، اس کے خلاف چلائی جانے والی تحریکوں سے، تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، البتہ ان سازشوں اور خفیہ تحریکوں نے اپنا اصلی رنگ اس دن دکھلایا، جس دن اسلام اور مسلمانوں کی رفعت و عظمت کی علامت اور عالم اسلام کی پاسبان خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا اور دنیا کا وہ طویل و عریض علاقہ، جو خلافت راشدہ کے زمانے سے، خلافت عثمانیہ کے دور تک مسلمانوں کے زیر نگیں رہا، ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر، مغربی سامراجیوں کی کالونی بن گیا، سالہا سال کے بعد آج بھی مسلم ممالک، اگر چہ عملی طور پر مغرب کی کالونی نہیں رہے؛ لیکن وہ اب بھی فکری، عملی اور عقلی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اگر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چلائی جانے والی خفیہ تحریکوں کا اگر جائزہ لیا جائے، تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا ''سلسلۂ نسب'' عبداللہ بن سبا (یہودی) تک جا پہنچتا ہے، جس نے خلافت راشدہ ہی کے زمانے میں، اسلام کے

مضبوط قلعے کو کم زور کرنے؛ بل کہ اس کو منہدم کر دینے کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور ''چین'' میں بیٹھے ہوئے اپنے آقاؤں کی مدد سے، وہ مسلسل کام یابی کی طرف بڑھ رہا تھا، اس نے جہاں سیاسی سطح پر اسلامی حکومت کی بنیادیں ہلانے کی کوشش کی، وہیں فکری اور عملی سطح پر بھی مسلمانوں کو بے راہ کرنے اور جادۂ مستقیم سے ہٹانے کے منصوبے بنائے اور اپنے کارندوں کے ذریعے ان کو عمل کا ملبوس پہنایا۔ سبائی تحریک کا مطالعہ کرنے والا یہ بات بہ خوبی جان سکتا ہے کہ یہودیوں نے، ہمیشہ ہی سے سازشوں کے جال بُنے ہیں، جن کے ذریعے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر، جو ذلت و مسکنت مسلّط کر دی ہے، اس کو وہ زائل کر سکیں اور جس عرشِ اقتدار سے، وہ صدیوں سے محروم رہے ہیں، اس کو وہ دوبارہ حاصل کر لیں۔

بعثت نبوی سے قریبی زمانے میں عیسائی دنیا جس انحطاط اور پستی کا شکار تھی، اس نے یہودیوں میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی آرزو پیدا کر دی؛ بل کہ انھیں منزل سے بہت قریب لا کھڑا کر دیا، اس لیے کہ جو مسیحیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے نازل کی گئی، وہ ناخلف پیروکاروں اور گہری یہودی سازشوں کی وجہ سے، یکسر تبدیل ہو چکی تھی اور اس میں بہ حیثیت ایک مذہب کے، اتنا دم خم باقی نہ تھا کہ وہ عالمی قیادت کی باگ ڈور سنبھال سکے، چناں چہ یہودیوں کو اپنی صدیوں پرانی خواہش پوری ہوتی ہوئی نظر آئی؛ لیکن انھیں ایک ایک ایسے نبی کا انتظار تھا، جو ان کی قیادت کر سکے اور ان کو، اس پستی و ذلت سے ہمیشہ ہمیش کے لیے نکال سکے۔

آخر کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، یہودیوں کی امیدوں کے برخلاف عربوں کی قسمت جاگ اٹھی، جاہلیت میں گھرے ہوئے ان عربوں میں، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہورِ مسعود ہوا، یہ آفتابِ نبوت جب مکّے سے مدینے

منتقل ہوا، تو یہودیوں کو اپنی امیدوں اور تمناؤں پر اوس پڑتی نظر آئی اور انھیں یقین ہو گیا، کہ ان کی تباہی و بربادی اور ذلّت و مسکنت کی تاریک رات، کبھی روشن صبح میں تبدیل نہیں ہو سکتی؛ کیوں کہ وہ جان چکے تھے کہ مسیحیوں کے بعد، اب مسلمانوں ہی کو دُنیا کی قیادت سپرد کی جائے گی، لہٰذا یہودی سازشوں کی سمت میں تبدیلی آئی، خفیہ تحریکوں نے اپنا رخ بدلا اور اب مسیحیت کے بعد، ان کا نشانہ اسلام تھا۔

طویل عرصے تک اسلام کے خلاف بنائے جانے والے منصوبے، کام یابی و ناکامی کے مختلف مراحل طے کرتے رہے، کبھی ایسا لگتا کہ یہودی اپنی منزل سے بہت قریب ہیں اور ان کا مقصد ان کے سامنے ہے؛ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ناکام و نامراد کھڑے نظر آتے، اس لیے صدیوں تک جدّ وجہد کرنے کے بعد، یہودی حکمتِ عملی میں تبدیلی آئی، انھیں اندازا ہو گیا تھا، کہ تنِ تنہا اسلام کا مقابلہ کرنا اور اسے شکست دے دینا ناممکن ہے، لہٰذا انھوں نے عیسائیوں کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کی اور جس مذہب کو انھوں نے، تضادات کا پلندہ اور اوہام وخیالات کا مجموعہ بنا دیا تھا، اس کے ماننے والوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا، اپنی فطرت میں داخل خفیہ سازشوں کے ذریعے، وہ اس میں کام یاب بھی ہو گئے، چناں چہ عیسائیوں کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اسی وقت ہوگا، جب یہودی اپنا مقصد پالیں گے، اس لیے پوری مسیحی دنیا، یہودی مفادات کے تحفظ اور ان کے بنائے ہوئے منصوبوں کو، عملی جامہ پہنانے میں لگ گئی۔

سالہا سال تک چلی خفیہ تحریکوں کی وجہ سے، اسلامی سلطنت کا سورج غروب ہو گیا، خلافت کے قلعے کو تہ و بالا کر دیا گیا اور پوری دنیا پر مغربی بالادستی قائم ہو گئی؛ لیکن یہ یہودیوں کی منزل نہ تھی، ان کے خوابوں کی تعبیر نہ تھی، وہ اپنے مقصد کے

لیے راہ یاب ہونے میں ضرور کام یاب ہوے تھے؛ لیکن مقصد تک پہنچ نہیں سکے تھے، وہ محض اسرائیل کے قیام پر قناعت کرنے والے نہ تھے: بل کہ پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے، انھیں عالمی عرشِ اقتدار ہی نہیں چاہیے تھا؛ بل کہ وہ اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور فکری اعتبار سے بھی، اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے انھیں ایک ایسی عالم گیر تحریک کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کے زیر سایہ، وہ اپنے دیرینہ خواب کو تعبیر کی سرحد پار کرا سکیں؛ چناں چہ یہودی مفکرین نے ایک ایسی ہی عالمی تحریک اور تاریخِ صہیونیت کی منظم ترین سازش کی بنیاد ڈالی، جس کو بعد میں چل کر، ''گلوبلائزیشن'' کہا جانے لگا۔

مسلمان اگرچہ سیاسی سطح پر مغلوب ہو چکے تھے، اقتصادی میدان میں بھی ان کو زیر نگیں کر لینا کچھ مشکل نہ تھا؛ لیکن تہذیبی وثقافتی سطح پر، پوری امت مسلمہ کو مغلوب کر دینا نہایت مشکل تھا، یہ منصوبہ اسی وقت کام یابی سے ہم کنار ہو سکتا تھا، جب اسلام کو نیست و نابود کر دیا جاتا اور اس کی پیش کردہ تہذیب و ثقافت کو کلی طور پر ختم کر دیا جاتا، اس لیے گلوبلائزیشن کے دور میں سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں، کام یاب ہونے کے باوجود، اسلام پر تیز و تند حملے جاری رہے، مسلمانوں کی عقل و خرد کو قابو میں کر لینے کے طریقوں پر عمل کیا جاتا رہا اور اسلامی تہذیب و تمدن سے ان کا رابطہ منقطع کرنے کی کوشش چلتی رہی، یہ سلسلہ زمانے کی تبدیلی اور وسائل میں تغیر کے باوجود، آج بھی جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک گلوبلائزیشن کے ذریعے مغربی اور امریکی تہذیب، اس دنیا کے چپے چپے پر فتح و نصرت کا پرچم نہ لہرا دے اور دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کا، خصوصاً اسلامی تہذیب و تمدن کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

لہٰذا مسلمانوں کو (جو گلوبلائزیشن کا اصل نشانہ ہیں) اس تحریک سے واقفیت حاصل کرنا اور اپنے خلاف چلائی جانے والی منظم ترین سازش پر مطلع ہونا، از حد ضروری ہے، تاکہ وہ مغرب کی جانب سے چلنے والی تیز آندھیوں کے تھپیڑوں سے، اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں اور انھیں ادراک ہو سکے، کہ جس نام نہاد 'روشن خیالی' اور ''وسعت پسندی'' کی رَو میں بہہ کر وہ اپنی زندگی کے بہت سے معاملات انجام دیتے ہیں، اس سے وہ درحقیقت ''گلوبلائزیشن'' کی راہ ہموار کرتے ہیں اور غیر ارادی طور پر، عالم گیریت کے مذموم اثرات ان کی زندگیوں میں در آتے ہیں۔

علماے کرام (جو اس امت کے قائد اور فکری راہ نما ہیں) کے لیے تو، اس عالمی اور اسلام مخالف تحریک کے تمام گوشوں سے واقفیت حاصل کرنا، نہایت ضروری ہو جاتا ہے، کیوں کہ انھیں کے کاندھوں پر، اس نازک ترین دور میں، امّت مسلمہ کی دست گیری کرنے کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے، ان کا فرضِ منصبی اس بات کا متقاضی ہے، کہ وہ امت کو گہری دلدل سے نکالیں اور مغربی ثقافتی طوفان کی بلاخیزی سے بچا کر، اس کو صحیح سلامت ساحل پر لے آئیں؛ لہٰذا علماے امت کے لیے آج یہ ضروری ہے کہ وہ عالم گیریت کے تمام پہلوؤں سے مکمل واقف ہوں اور علمی وفکری اعتبار سے، اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

+++++

گزشتہ سال (۱۴۲۳ھ) رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیرِ اہتمام، ''عالم گیریت اور امت مسلمہ'' کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا، عربی میڈیا نے اس کی جانب کافی توجہ دی، اس میں پاس ہونے والی تجاویز کو مختلف اخبارات ورسائل نے نقل کیا، راقم (جو کہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد،

شعبۂ عربی ادب میں زیرِ تعلیم تھا) کو بارہا یہ احساس ہوا کہ عربی اور انگلش میں، اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مستقل لکھا جارہا ہے؛ لیکن اردو کے وسیع حلقے میں، اس موضوع پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ چند مضامین کا استثنا کیا جاسکتا ہے؛ لیکن ان سے بھی، ایک عام قاری کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اکثر وبیش تر قلم کاران نے "گلوبلائزیشن" کے اقتصادی پہلو پر ہی روشنی ڈالی تھی، جب کہ اس کا میدانِ عمل بہت وسیع ہے، اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کی مشہور اور تاریخی انجمن "النادی الادبی" کے مشرف عام (نگران اعلی) حضرت الاستاذ مولانا شوکت علی صاحب بستوی نے، راقم کو انجمن کے سالانہ اجلاس کے لیے، "عالم گیریت" کے موضوع پر، ایک مکالمہ لکھنے کا حکم دیا، میں نے مختصر انداز میں "گلوبلائزیشن استعمار کا نیا چہرہ" کے عنوان سے، مکالمہ ترتیب دیا، جو مذکورہ انجمن کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا گیا؛ یہ مکالمہ مختصر ہونے کی بنا پر ایسے شخص کے لیے غیر مفید تھا، جو گلوبلائزیشن کے تمام گوشوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہو؛ اس لیے مؤلف کا ارادہ ہوا کہ "عالم گیریت" کے موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ لکھا جائے، جس میں اس موضوع پر، جملہ پہلوؤں سمیت روشنی ڈالی گئی ہو اور اس کے ہر گوشے کا احاطہ کیا گیا ہو، بفضلہٖ تعالیٰ یہ مقالہ سرزمین دیوبند سے نکلنے والے مشہور اردو ماہ نامے "ترجمان دیوبند" میں پانچ قسطوں میں، شائع ہوا، موضوع نیا بھی تھا اور دل چسپ بھی، اس بنا پر، قارئین نے اس مقالے کو بہ نظر استحسان دیکھا اور اس کو تمغۂ قبولیت سے نوازا، جس سے مؤلف کو حوصلہ ملا اور اس نے "گلوبلائزیشن" کے موضوع پر، ایک تفصیلی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا، خدا کے فضل سے راقم کی یہ پہلی کاوش آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ مغربی، امریکی اور صہیونی سازشوں کو بے

نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہودی منصوبوں کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ کن ذرائع اور وسائل کو، بہ روے کار لا کر صہیونی، ''گلوبلائزیشن'' کو نافذ کر رہے ہیں؛ اس کتاب میں جہاں ''گلوبلائزیشن'' پر علمی اور تحقیقی تبصرہ کیا گیا ہے، وہیں صدیوں پر محیط امریکی سرکاری جارحیت کو بھی واشگاف کیا گیا ہے، ہر بات کو حوالے کے ساتھ پیش کر کے، اس سے نتیجہ اخذ کرنے اور اس کا تجزیہ کرنے کی بنا پر یہ ایک جداگانہ نوعیت کی کتاب ہے، امید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں اس موضوع پر، خاص طور سے اردو زبان میں جو کچھ لکھا جائے گا، یہ کتاب اس کے لیے ایک اہم مأخذ ثابت ہوگی۔

گلوبلائزیشن ابھی تک دنیا میں صرف ۴۰ فی صد نافذ ہوا ہے، اس موضوع پر آئے دن کوئی نہ کوئی تصنیف، منظر عام پر آتی رہتی ہے، ہر مصنف اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے اس تحریک کا تحلیل و تجزیہ کرتا ہے اور اس کے مثبت و منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے، کچھ ایسے بھی ہیں جو ''عالم گیریت'' کی مدح سرائی کرتے نہیں تھکتے، کچھ اس کو سہل پسندی سے لیتے ہیں، اور کچھ اس کو نہایت سنجیدگی اور اہمیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ان کی نظر مثبت پہلوؤں سے زیادہ منفی پہلوؤں پر رہتی ہے، اس لیے یہ دعوی ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب، اپنے موضوع پر حرفِ آخر ہے؛ البتہ اپنی معلومات کی حد تک اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں یہ کتاب اپنے موضوع پر ''حرفِ اوّل'' ہے، ابھی بہت کچھ لکھے جانے کی ضرورت ہے، جس کو امت کے حساس اور باشعور قلم کار پورا کرتے رہیں گے۔

کتاب کی افادیت کو اس کے گراں قدر مقدمے نے دوبالا کر دیا ہے، یہ مقدمہ عربی و اردو کے ممتاز ادیب حضرت الاستاذ مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ (استاذ ادب

عربی ورئیس تحریر ماہ نامہ ''الداعی'' عربی، دارالعلوم دیوبند) کے گہر بار قلم سے نکلا ہے، راقم حضرت والا کا تہِ دل سے شکر گزار ہے کہ انھوں نے، کثرتِ مشاغل اور مختلف اعذار وامراض کے باوجود، اس کی درخواست پر ایک مبسوط اور قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا ہے، ناچیز مؤلف کی کتاب پر، حضرت والا کا مقدمہ تحریر فرمانا، اس کے لیے کسی شرف اور اعزاز سے کم نہیں ہے۔ (فجزاھم اللہ احسن الجزاء)

راقم کو اپنے رفقا: مولوی محمد اسعد گورکھپوری، (متعلم دارالافتا دارالعلوم دیوبند) مولوی محمد اسجد سہارنپوری (متخصص شعبۂ عربی ادب وسابق امام مسجد رشید دارالعلوم دیوبند) اور مولوی فیضان اللہ گونڈوی (متعلم شعبۂ افتا دارالعلوم دیوبند) کا تعاون حاصل رہا، اوّل الذکر نے قدم قدم پر تعاون کیا، جب کہ ثانی الذکر نے، اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے، نوجوانانِ امت کو اسلام کی طرف لوٹنے اور اسلامی تہذیب وتمدن پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یاسر ندیم
۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
مطابق ۲۳/ اگست ۲۰۰۳ء
بہ روز سنیچر، پونے دس بجے شب

مؤلف سے رابطے کے لیے
Yasirnadeem123@hotmail.com
Yasirnadeem123@yahoo.co.in

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدّمہ

از قلم: حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی

استاذ ادب عربی وایڈیٹر "الداعی" عربی دار العلوم دیوبند

جب سے امت مسلمہ دنیا کی اس درجہ دل دادہ ہوگئ کہ موت اُس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوگئ اور وہ بدقسمتی سے، کم زوری وناطاقتی کی اُس خاص کیفیت سے دوچار ہوگئ، جس کو نبیِ خاتم رسولِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے "وَھْن" سے تعبیر فرمایا ہے، تو اُس کی وجہ سے دنیا کی قوموں اور ملتوں کے سامنے، حضورﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق، وہ بے حیثیت بن گئ۔ اَغیار کے دلوں سے، اُس کا رعب ودبدبہ یکسر ختم ہوگیا اور وہ "سیلاب کے جھاگ" کی طرح بن گئ۔ نتیجتاً دشمنوں نے اُسے لقمۂ تر بنالیا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ ہر طرف سے، اُس پر ہلّا بولا جارہا ہے، سبھوں نے مل کر اُس کو دوڑانے، گھیرنے، دبادینے؛ بل کہ چبا لینے کی سوچ لی ہے۔ اس کے لیے اسکیمیں بنالی ہیں، نقشے تیار کرلیے ہیں اور ان میں رنگ بھرا جارہا ہے۔

یہ سب کچھ، ہماری دینی بدحالی، اُصول سے انحراف، عقیدے سے لاپرواہی، خدائی احکام سے بے نیازی، اور آپﷺ کی تعلیمات سے روگردانی کے نتیجے میں، ہماری

موجودہ حرماں نصیبی کے حوالے سے، آپؐ کی معجزانہ پیشگی اطلاع کے عین مطابق ہے۔ سچے نبیؐ نے فرمادیا تھا کہ "دینی صحت اور تندرستی" کے تعلق سے، جب ہم "بدپرہیزی" کا شکار ہوں گے، تو اُس کے نتیجے میں، ہم اِس درجہ "دینی ضعف" سے دوچار ہوجائیں گے کہ آسانی سے اور ہر سطح پر ہمیں شکار کیا جاسکے گا۔

آپؐ کے الفاظ حدیثوں میں اس طرح آئے ہیں:

يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَىٰ قَصْعَتِهَا. فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوتِ" (۱)

(ترجمہ: قریب ہے کہ قومیں تمھارے اوپر باہم مل کر ہلا بول دیں، جیسے کھانے والے مل کر اپنے بڑے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا ایسا اس لیے ہوگا کہ ہم اُن دنوں تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، اُن دنوں تمھاری تعداد بہت ہوگی؛ لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح (بے حیثیت) ہوگے، اللہ (تعالیٰ) تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھارا رعب ختم کردے گا اور تمھارے دلوں میں "وَھن" یعنی کم زوری اور ناطاقتی ڈال دے گا۔ ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول! "وَھن" کیا ہے؟

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الملاحم، باب في تداعي الأمم على الإسلام بروایت حضرت ثوبان رضی الله عنه، ج:۲،ص:۲۴۲، ط: کراچی، پاکستان۔ حدیث کے متن میں ذکر کردہ الفاظ امام ابوداؤد ہی کے ہیں۔ نیز مسند احمد، ج:۵،ص۲۷۸، حدیث نمبر ۲۲۴۵۹، ط: دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان۔

آپؐ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی)۔

ہم زندگی کے تمام شعبوں میں افسوس ناک صورتِ حال کا عبرت خیز مجسمہ بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، عسکری اور اجتماعی: ہر سطح پر، پس ماندگی، ذلّت اور انتشار، ہمارا مقدّر بن گیا ہے۔ عالمی معاشرے میں ہم اپنی شناخت کھو چکے ہیں۔ ہمارا کوئی وزن ہے نہ پہچان۔ ہم زندگی کے حاشیے پر جی رہے ہیں۔ اَغیار کے مکر وفریب کی موجیں ہمیں تھپیڑے مار رہی ہیں اور اَن گنت تضادات واختلافات کے باوجود، ہمارے قتل کے لیے دشمنوں کا اتحاد اور اُن کے ٹوٹ پڑنے کا انداز دیدنی ہے۔

○ ○ ○

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد دشمنوں نے اپنے دور رس منصوبے کے مطابق، ہمارے ملکوں کا اِس طرح تیاپانچہ کیا کہ وہ ہمیشہ لاشۂ بے جان رہیں۔ چناں چہ وہ ہنوز نہ صرف سابقہ اِستعمار کے دست نگر ہیں؛ بل کہ نوآبادیاتی نظام کے دور سے زیادہ شدّت کے ساتھ اُس کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے سارے ''اسلامی'' کہے جانے والے ممالک، درحقیقت مغرب، بالخصوص امریکہ کی نوآبادیات ہیں۔ ہمارے سارے حکم راں اُسی کے غلامانِ وفاکیش ہیں۔ مغرب اور امریکہ کے مفادات کی پاس داری، اُس کی پالیسیوں اور احکامات کا نفاذ اور ہمارے خلاف اُس کے منصوبوں کی تکمیل ہی، درحقیقت اُن کا اصل کام ہے۔ ہمارے اسلامی اور عربی ملکوں کے جتنے ''لاعلاج امراض'' ہیں وہ فی الواقع مغرب اور بہ طورِ خاص امریکہ کے پیدا کردہ ہیں؛ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے تمام حکم راں بہ قول میر تقی میر (۱۱۳۶-۱۲۲۵ھ=۱۷۲۳-۱۸۱۰ء) اُسی ''عطار'' سے دوا لیتے

ہیں، جس کی وجہ سے یہ ناقابلِ علاج بیماریاں اُنھیں اور اُن کے ملکوں کو تباہ کیے دے رہی ہیں!۔

سیاسی، نظریاتی، اقتصادی اور عسکری سطح پر غلام بنا لینے کے ساتھ ساتھ، مغربی اور امریکی سامراج نے ہمیں مادّی طور پر بالکلیہ دیوالیہ بنا دینے کے لیے، ہمیں کبھی ''لیگ آف نیشنس''، کبھی ''اَقوامِ متحدہ''، کبھی ''عالمی بینک''، کبھی ''عالمی زرفنڈ'' جیسے تماشوں میں حصہ لینے کا نہ صرف بجھاؤ دیا؛ بل کہ طاقت اور دباؤ کے ذریعے، ہمیں مجبور کیا کہ اُن کے پھندوں میں ہم اپنی گردنیں ضرور ڈال دیں۔ اِسی کے ساتھ ساتھ، ہمارے آپسی اختلاف کو ہوا دی، ہمیں ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کیا۔ بالآخر ہم نے قاتل اور صیّاد سے ہی مدد مانگی، اُسی سے اسلحہ اور سامانِ حرب خریدنے پر مجبور ہوے، ہم نے اُسی کو اپنی فوجی ٹریننگ کی دعوت دی۔ اُس نے ہم سے اِن تمام ''سودوں'' کی بڑی بھاری قیمت وصول کی۔ ہمیں قرضوں در قرضوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا، ہم تمام مادّی وسائل اور بھرپور اقتصادی ذرائع رکھنے کے باوجود، ماتحتی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑتے چلے گئے۔ نیز اُن دشمنوں نے اپنی مصنوعات کے لیے، ہمارے ملکوں کو اپنی اصل مارکیٹ اور سب سے بڑے بازار میں تبدیل کرلیا۔ اب ہم اُن کی مصنوعات اور اسلحہ کی کھپت کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، جب کہ اُن کے افکار و خیالات کے پہلے ہی سب سے بڑے سوداگر بن گئے تھے۔ آخرش ہم نے سب کچھ کھو دیا؛ لیکن بدقسمتی سے یہ سمجھتے رہے کہ ہم سب کچھ پا رہے ہیں۔ ہم اُس منزل پر پہنچ گئے ہیں، جس کے بعد زندگی کی آخری رمق بھی ختم ہو جاتی ہے؛ لیکن خود فریبی اور خود فراموشی کی وجہ سے یہ باور کیے رہے کہ ہمیں زندگی کی ساری قسطیں وصول ہو رہی ہیں۔ کبھی کبھی ہمیں لب

گور ہونے کا احساس تو ہوا؛ لیکن ہم نے درگور ہونے سے بچنے کے لیے، جس دوا کا سہارا لیا، وہ ہماری اسلامی زندگی کے لیے مزید سمِ قاتل ثابت ہوئی۔

چناں چہ قومیت، وطنیت، اشتراکیت، اشتمالیت اور سرمایہ داری وغیرہ کا وہ پرشور نعرہ، جس سے ہمارے حلق چھل گئے، ہمارے لیے دردِ لا دوا تو ثابت ہوا؛ لیکن اصل درد کی دوا نہ بنتا تھا نہ بن سکا۔ مغربی طاقتوں، جن کا اِس وقت سب سے بڑا ترجمان اور واحد نمایندہ، امریکہ بنا ہوا ہے، نے کوشش کی کہ ہم ہمیشہ دردر کی ٹھوکریں کھاتے رہیں اور اپنے مرض کے صحیح علاج کی نہ سوچ سکیں؛ بل کہ امریکہ اور فرنگ سے ہی نَفَسِ حیات مانگتے رہیں اور جنیوا اور لندن کی دریوزہ گری کرتے رہیں؛ تاکہ بے سمتی، ضیاع، پامالی اور ذلت کے ''میدانِ تیہ'' میں تادیر بھٹکتے رہیں؛ کیوں کہ دشمنوں کو اِس کا بہ خوبی احساس تھا کہ اگر یہ اُمت اپنی ''اصل شاہ راہ'' پر خدانہ خواستہ لوٹ گئی، تو اُس کی سازشوں کے سارے تانے بانے بکھر جائیں گے اور اُن کا سارا کیا دھرا خاک میں مل جائے گا۔

○ ○ ○

مغربی دشمنوں نے —— جس کی قیادت، جیسا کہ ابھی کہا گیا، اس وقت امریکہ کے ہاتھ میں ہے —— عالمِ اسلام اور عالمِ عرب کو اِسی حد تک مجبور و مغلوب بنانے پر بس نہیں کیا؛ بل کہ اُنھوں نے، اُمتِ مسلمہ کو، اُس کے نہ صرف مادّی واقتصادی وسائل: بل کہ فکری، اجتماعی، ثقافتی اور تہذیبی میراث اور عربی و اسلامی روایات واقدار اور طرزِ زندگی کے اثاثے سے یکسر تہی مایہ کردینے کے لیے، استعمار کی ایک نئی، ہمہ گیر، زود اثر اور پہلے سے زیادہ ظالمانہ، جابرانہ اور جارحانہ قسم کی خاکہ سازی کرکے، ہمارے اوپر لادنے کی سوچی۔ اس کے لیے اپنی دیرینہ

"سازشی دوررسی" کو کام میں لاتے ہوئے، پہلے اُنھوں نے ہماری تیل کی دولت اور تمام قدرتی ذرائع پر قبضہ کیا، پھر ہماری عسکری طاقت کو ایران وعراق جنگ، عراق کویت جنگ، کویت کی نام نہاد آزادی کی جنگ؛ افغانستان کی خانہ جنگیوں کو ہوا دے کر، پھر افغانستان پر حملے وقبضے، اس کے بعد عراق پر حملے اور قبضے کے ذریعے؛ یکسر تباہ کر دیا؛ تاکہ ہم اُن کے سرمایہ دارنہ معاشی وسیاسی وثقافتی وتہذیبی واجتماعی ونظریاتی جبر وجارحیت کا کسی طور مقابلہ نہ کرسکیں۔ استعمار کی یہ نئی قسم، اُنھوں نے عَوْلَمَۃ (عالم گیریت) کے نام سے ہمارے اوپر تھوپنے کی کوشش کی، جس کو اُنھوں نے اپنی زبان میں GLOBALIZATION یعنی "گلوبلائزیشن" کا نام دیا۔ یہ منصوبہ درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام، صہیونیت، صلیبیّت، مغربیّت اور امریکیّت کا بھرپور اور جامع منصوبہ ہے، جس کا مقصد پوری دنیا، بالخصوص اِسلامی دنیا اور بالأخص عربی دنیا کو مکمل طور پر صہیونیت اور امریکہ کے زیرنگیں لانا ہے۔ سابقہ عسکری سامراج کا مقصد کسی ملک کو سیاسی، اقتصادی اور عسکری طور پر، طاقت ور ملک کے زیرِ قبضہ کرنا تھا؛ لیکن اِس نئے سامراج کا مقصد زیادہ ہمہ گیر اور خطرناک ہے کہ پوری اِسلامی وعربی دنیا کو سیاسی، اقتصادی، عسکری سطح پر غلام بنانے کے ساتھ ساتھ، اُس پر امریکی صہیونی کلچر، تہذیب، طرزِ زندگی، طرزِ معیشت کو اِس طرح مسلط کر دیا جائے کہ اُس کو اِس کا اِحساس بھی نہ ہو کہ کوئی بیرونی چیز ہمارے اوپر لادی جارہی ہے، یا ہمیں کسی غیر مانوس اور مخالف رویے کو اپنانے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

اوّلیں مرحلے میں یہی انداز اختیار کیا گیا کہ "میراث خلیل" کے پاسبانوں کو یہ محسوس ہو کہ یہ نیا امریکی صہیونی "منصوبہ" یا "صورت حال" ایک خوش گوار،

مثبت، انتہائی ناگزیر، سعادت مندانہ اور ہمہ گیر خوش حالی کا ضامن منصوبہ ہے، جو انسانوں کو ریاست (اسٹیٹ State) کے جبر اور حکم رانوں کے ظلم واستبداد سے آزادی دلا کر، تعلیم، کلچر، روزی روٹی کے میدان میں مکمل آزادی اور خود مختاری سے ہم کنار کرتا ہے۔ یہ بھی باور کرایا گیا کہ انسانوں کی یہ ''عالم گیریت'' ایسی قدرتی ضرورت ہے، جس سے انھیں مفر نہیں؛ لہٰذا اُس کی مزاحمت اور اُس کی راہ روکنے کی کوشش نہ صرف طفلانہ حرکت ہوگی؛ بل کہ انسانوں کی ایک حتمی ضرورت اور تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت سے سر ٹکرانے کے مترادف ہوگی۔

○ ○ ○

''عالم گیریت'' یا گلوبلائزیشن کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ عرصۂ دراز سے صلیبیّت اور صہیونیت نہ صرف ایک دوسرے کی رفیق بن گئی ہے؛ بل کہ دونوں ایک دوسرے کا تکملہ ہوگئی ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کو لا بسانے کی تحریک درحقیقت مسیحیت کی دین ہے۔ محققین نے (جن میں خود مغربی مصنفین پیش پیش ہیں) ثابت کردیا ہے کہ ''مسیحی صہیونیت'' ہی ''یہودی صہیونیت'' کی پیش رو ہے اور ''مسیحی صہیونیت'' نے ہی ''یہودی صہیونیت'' اور اسرائیل کا خمیر تیار کیا تھا۔ حال ہی میں اس موضوع پر امریکہ کی خاتون محقق ''گریس ہالس'' Grase Halsee نے اپنی گراں قدر کتاب ''نبوت اور سیاست'' Prophecy and Politics میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اُس خاتون نے، جو خود بھی دین دار مسیحی خاتون ہے، اپنی تحقیق میں دلائل کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ ''مسیحی صہیونیت'' کی جڑیں سولھویں صدی عیسوی تک جاتی ہیں، جب مسیحیوں نے ''بائبل'' یعنی عہد قدیم اور عہد جدید میں تاویلیں شروع کردی تھیں اور بہ الفاظ کو مسلمانوں کے باطنی

فرقے کی طرح مجازی معنی کا لباس پہنانا شروع کر دیا تھا۔

یہ بھی معلوم ہے کہ فلسطین میں اسرائیلی اسٹیٹ کے قیام کا انجینیر کوئی یہودی نہیں؛ بل کہ مسیحی اسٹیٹ برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک ہی اس کے منصوبہ ساز اور اس کو عملی جامہ پہنانے والے تھے۔ یہ بھی عیاں ہے کہ عرصہ دراز سے امریکہ کی اقتصادی کلید کی حیثیت رکھنے والے سود خور صہیونی یہودی ہی امریکہ کی سیاست پر حاوی ہیں؛ بل کہ اُنھی کی وہاں پر حکم رانی ہے۔ امریکہ کا جو صدر یہودیوں کے مفادات کی پاسداری نہ کرے، اُس کو تختِ حکومت سے بہ جلد اُتار دیا جاتا ہے؛ بل کہ اُس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح امریکہ میں ''مسیحی صہیونیت'' ''یہودی صہیونیت'' کی سیاسی طور پر بھی غلام بن گئی ہے اور خواہی نہ خواہی، وہ وہی کچھ کرتی ہے جو عالمی یہودی صہیونیت چاہتی ہے۔

امریکہ کا حالیہ صدر جونیر بش جو سابق صدر سینیر بش کا بیٹا ہے اور اپنے باپ کی انانیت اور شر پسندی کا مکمل طور پر وارث؛ بل کہ اُس سے دو قدم آگے ہے، کے متعلق پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ میں بار بار آ چکا ہے کہ وہ کٹر مسیحی ہے اور ''مسیحی صہیونیت'' کے نظریے کا حامی اور اُس پر عامل ہے کہ فلسطین کی وسیع تر اور عظیم تر اسرائیلی اسٹیٹ ہی عالم کی ایٹمی تباہی کا سبب ہوگی اور نتیجتاً مسیح علیہ السلام کے نزول کی راہ ہم وار ہوگی اور مسیحیوں کا خواب وخیال اپنی تعبیر سے ہم کنار ہوگا، اسی لیے جونیر بش، صہیونی امریکی مسیحی قربت اور یکی دوستی کا سب سے بڑا حامی اور اس کو برپا کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا پر بالخصوص عالم اسلام پر امریکی صہیونی صلیبی غلبہ بہ جلد روبہ عمل آ جائے۔

○ ○ ○

''عالم گیریت'' کے اِس جن کو، جس کو موجودہ صلیبی اور دہشت گرد بش ساری دنیا پر بہ عجلت تمام مسلّط کر دینا چاہتا ہے، اُسی کے شر پسند باپ سینیر بش نے، کویت کی آزادی کے بہانے، خلیجی ملکوں پر باقاعدہ عسکری قبضے کے ارادے سے، خلیج کے خطّے میں امریکی افواج کی ترسیل کے وقت، اگست ۱۹۹۰ء میں ''عہدِ نو'' ''عہدِ آزادی'' ''عہدِ امن برائے جملہ اقوامِ عالم'' نیز اُس کے ایک ماہ بعد، ستمبر ۱۹۹۰ء میں ''عالمی نظامِ نو'' یا ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے نام سے، بوتل سے نکالا تھا؛ لیکن اِس نظام کا باقاعدہ آغاز، نیز اس لفظ ''عالم گیریت'' یا ''گلوبلائزیشن'' کا باقاعدہ استعمال، اپریل ۱۹۹۵ء میں شہر ''مراکش'' میں منعقدہ ''عالمی تجارتی کانفرنس'' کے بطن سے پیدا شدہ تنظیم ''عالمی تنظیم برائے تجارت'' کے قیام کے اِعلان سے ہوا۔ اُس وقت سے یہ لفظ باقاعدہ اور کثرت سے اِستعمال ہونے لگا۔

بہ ہر صورت اِس منصوبے کا بانی اور اس کی تشہیر و ترویج کرنے والا، نیز اِس کے ذریعے، عالمِ اسلام کو اپنے آہنی قفص میں بند کر دینے کے اِرادے کو عملی جامہ پہنانے والا، وقت کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک صہیونی صلیبی امریکہ ہے، جس کو اپنی طاقت، سائنسی ترقی، ٹکنالوجی میں برتری، عسکری پیش قدمی اور انفارمیشن ٹکنالوجی میں بہ طور خاص پوری دنیا پر فوقیت کے اِحساس نے، مغرور، خودسر، بدمست اور فرعونیت کے تمام معایب کا حامل بنا دیا ہے اور وہ شرّ و فساد کے سامانِ صد ہزار کے ذریعے، عالمِ اسلام و عالمِ عرب پر ٹوٹ پڑا ہے اور اُس کی اینٹ سے اینٹ بجائے دے رہا ہے۔ رہی سہی کسر اُس کی یہودی لابی نے پوری کر دی ہے، جو اسلام و صلیبیت اور صہیونیت کے مابین، عالمی خوں ریز تصادم کے لیے مسلسل تحریف اور خاکہ سازی میں لگی ہوئی ہے۔

○ ○ ○

چوں کہ ''عالم گیریت'' کا اصل نشانہ اُمّتِ مسلمہ اور عالمِ اسلام و عالمِ عرب ہے(۱) اسی لیے علما نے اِس صہیونی امریکی ''عالم گیریت'' کے اچھا اور صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنے کو ''کفر اور ارتداد'' قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اِس کا مقصد، عقیدے، دین، تہذیب، روایات، ثقافت، طرزِ حیات، اخلاقیات، اَقدار: سَاری چیزوں کی تبدیلی اور اُنھیں امریکی صہیونی رنگ میں، رنگ دینا ہے۔ خدا کی توحید، رسول کی تعلیمات، ''ولاء و براء'' کے عقیدے، اُصولِ اسلام اور اُس کی سوچ کے دھارے سے برگشتگی، ''عالم گیریت'' کے خمیر کا جزو ہے؛ لہٰذا یہ منصوبہ مکمل طور پر، اِسلام کے خلاف اور اِسلام سے متصادم ہے۔

جب سے یہ منصوبہ سامنے آیا ہے اور اس کے خطرناک خدوخال سے پردہ اٹھا ہے اور اِسلام و مسلمانوں کے حوالے سے اُس کے بھیانک اور مکروہ چہرے

---

(۱) کیوں کہ دنیا میں درحقیقت تین ہی بڑی اور مرکزی طاقتیں ہیں، جن کے اثر و رسوخ کے دائرے کی وسعت میں خاصا فرق ہے:

۱۔ سرمایہ داری بہ شکل امریکہ، جو امریکی عہد اور سرمایہ دارانہ عالم گیریت کے لیے کوشاں ہے۔

۲۔ صہیونیت، جو یہودیوں کی پاور فل لابی کی شکل میں اسرائیلی عہد کے قیام اور صہیونی عالم گیریت کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔

۳۔ اسلام، جو عالمِ اسلام، بالخصوص اسلامی دائرۂ عمل اور میدانِ کار کی شکل میں، اسلام کی سربلندی کے لیے، پیہم رواں ہے۔

نیز یہ کہ دنیا کے تمام مذاہب اپنی خمیر میں مضمر خرابی کی صورتوں اور کمزوریوں کی وجہ سے، سارے باطل نظریات، تحریکوں اور منصوبوں سے صلح اور اُن کے ساتھ ''منافع کی تقسیم'' پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر عمل کر لیتے ہیں، بالآخر وہ باطل نظریات کا حصہ اور اُن کے ہم نوا بن جاتے ہیں؛ لیکن اللہ کا دنیا والوں کے لیے پسندیدہ دائمی مذہب یعنی اِسلام، کسی سے صلح پر آمادہ نہیں ہوتا؛ لہٰذا دنیا کی تمام تحریکوں اور اہلِ باطل سے، صرف اُسی کا مقابلہ ہوتا ہے۔ اور سارے پاسدارانِ باطل، صرف اُسی سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔

سے نقاب ہٹا ہے؛ مسلمانوں کے علما و دانش ور بے حد متفکر رہے ہیں کہ اِس چیلنج کا یا استعمار کے اِس نئے طرز کا کس طرح مقابلہ کیا جائے؟۔ اِس پر غور وخوض کے لیے متعدد کانفرنسیں اور سیمینار ہو چکے ہیں، جن میں دو کانفرنسیں اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوئیں: ایک کانفرنس کویت یونیورسٹی کی اسلامی شریعت واسلامک اسٹڈیز کالج اور کویت کی وزارتِ اوقاف وامور مذہبی کی طرف سے ۱۲-۱۶/شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰-۲۴/نومبر ۱۹۹۹ء، کو کویت میں ''عالم گیریت کا مقابلہ'' کے عنوان سے ہوئی۔ جب کہ دوسری کانفرنس مکۂ مکرمہ میں ''رابطۂ عالمِ اسلامی'' نے ۲۳-۲۷/محرم ۱۴۲۳ھ مطابق ۶-۱۰/اپریل ۲۰۰۲ء، کو ''اُمّتِ اسلامیہ اور عالم گیریت'' کے عنوان سے کی، جس میں ہندوستان سے بھی متعدد عُلما شریک ہوے، کانفرنس کے ذمّے داروں بالخصوص اس کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی، کی دعوت پر، دارالعلوم دیوبند کے، خوب سیرت ونیک طینت مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہ، نے بھی شرکت کی تھی۔

دونوں کانفرنسوں کی قرار دادوں اور سفارشوں میں جو کچھ کہا گیا، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''عالم گیریت'' کے مقابلے کے لیے تین طرح کے رویّے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

(الف) ''عالم گیریت'' کو من وعن تسلیم کرلیا جائے اور امریکہ اور صہیونیت کے دعووں کے مطابق اُس کو انسانوں کے لیے، سرچشمۂ خیر مان لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ حقائق کی روشنی میں یہ بالکل غلط بات ہوگی اور مسلمانوں کا ایسا عقیدہ رکھنا ''کفر وارتداد'' ہوگا۔

(ب) ''عالم گیریت'' کو مکمل طور پر رد کرتے ہوے، اُس کی ہر سطح پر

مزاحمت کی جائے؛ لیکن عملی طور پر یہ مندرجۂ ذیل وجوہات کی وجہ سے ممکن نہیں:

۱۔ ''عالم گیریت'' کا طوفان، پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے یا لیا چاہتا ہے؛ ساری دنیا ایک گاؤں؛ بل کہ آنگن کی شکل اختیار کر چکی ہے؛ لہٰذا کسی خول میں بند نہیں رہا جا سکتا اور سبھوں سے کٹ کر، گوشہ نشینی اختیار نہیں کی جا سکتی۔

۲۔ ''عالم گیریت'' لاتعداد چینلوں کے ذریعے، لوگوں کو اپنا شکار کر رہی ہے، خواہ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں۔ اِن چینلوں پر نہ صرف افراد؛ بل کہ حکومتوں کے لیے بھی کنٹرول ممکن نہیں۔

۳۔ معاصر عالمی نظام کا خمیر، لین دین، تبادلے اور مشترکہ تعاون سے اٹھا ہے؛ لہٰذا کوئی قوم یا جماعت اور فریق اپنے آپ کو دنیا سے علاحدہ نہیں رکھ سکتا۔

۴۔ تیسری دنیا کے بہت سے ممالک سابقہ روایتی سامراج کے دور کے لد جانے کے بعد بھی، اپنے دیرینہ آقا سے اتنے مربوط ہیں، جتنے اپنے پڑوسیوں اور اپنے برادر ممالک سے بھی مربوط نہیں۔

اِسی طرح کے بہت سے دیگر اسباب کی وجہ سے ''عالم گیریت'' کی بالکلیہ مزاحمت ممکن نہیں۔

(ج) تیسرا نقطۂ نظر یا تیسرا رویّہ یہ ہو سکتا ہے کہ ''عالم گیریت'' کے مثبت پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے اور اُس کے منفی پہلوؤں سے یکسر احتراز کیا جائے۔ یہ اس لیے کہ حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں بھی ملے، وہ اُس کا زیادہ حق دار ہے؛ لیکن ''عالم گیریت'' کے مثبت اور منفی پہلوؤں میں امتیاز آسان کام نہیں، اِس کے لیے بڑی ذہانت، ہوش مندی، تجربہ کاری اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔

یہ امتیازی یا انتخابی عمل دو سطحوں پر انجام دیا جا سکتا ہے:

۱۔ انفرادی سطح پر۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہوگا کہ اسلام کے مقاصد اور اُس کی جامعیت سے واقفیت حاصل کی جائے، جس میں ''عالم گیریت'' اور اُس کے اہداف وخطرات، اُس سے نپٹنے اور اُس کی مزاحمت کے ذرائع کی جان کاری بھی شامل ہے۔ اِس کے لیے علما و مصلحین اور طلبۂ علوم دین کو آگے آنا ہوگا اور عام مسلمانوں میں، اِس حوالے سے شعور بیدار کرنے اور اِسلام مخالف افکار وخیالات اور منصوبوں سے اپنی حفاظت اور دین وایمان کے بچاؤ کی راہ بنانے کا فریضہ انجام دینا ہوگا۔ اِسلامی شعور اور دینی بیداری ''عالم گیریت'' کے منفی رجحانات سے بچنے کا سب سے طاقت ور ذریعہ ہے۔

۲۔ اجتماعی سطح پر، یعنی اُمتِ مسلمہ کو من حیث المجموع، تمام معاملات میں، کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کی طرف لوٹنا ہوگا اور متحدہ، مضبوط اور ٹھوس رویّہ اپنانا ہوگا؛ تاکہ تمام توانائیوں اور قدرتی ذرائع ووسائل سے فائدہ اٹھایا جاسکے، اس کے بعد ''عالم گیریت'' کے اُن پہلوؤں سے فائدہ اٹھانا آسان ہوگا، جو ہمارے دین سے متصادم نہیں اور جو ہماری دنیا کے لیے فائدہ مند ہیں۔

''عالم گیریت'' کا مقابلہ، محض سرکاری قراردادوں اور حکومتی سفارشات کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا؛ بل کہ اُس کے مقابلے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اُس کے مقابلے کے طریقے کی جان کاری حاصل کریں، نیز اپنے دین کی تعلیمات کی روشنی میں اُس کا متبادل پیدا کریں اور اُنھیں دنیا والوں، بالخصوص مسلمانوں کے سامنے لائیں۔ تاریخ کا تجربہ بتاتا ہے کہ دنیا والے ہماری مفید باتوں کو بہ غور سنتے ہیں۔

○ ○ ○

چوں کہ ''عالم گیریت'' کا موضوع بڑی حد تک نیا ہے؛ اس لیے اُس کی جان کاری اور اُس کے خطرات وخدشات اور اہداف سے واقفیت اور اس کے

طریقۂ کار اور دائرۂ عمل و احاطۂ اثر کی معلومات کے لیے، علما و مفکرین و اہلِ قلم، کتابیں اور مقالے لکھ رہے ہیں۔ عربی میں اور دنیا کی بڑی زبانوں بالخصوص انگریزی میں، اِس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے؛ لیکن میری معلومات کی حد تک اردو میں اب تک کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔ برادر عزیز مولوی یاسر ندیم قاسمی دیوبندی نے بہت اچھا کیا کہ اردو میں، اس نئے اور اچھوتے موضوع پر لکھنے کی سوچی۔ اِس موضوع پر اُن کی تحریریں قسط وار ''ترجمان دیوبند'' میں چھپتی رہی ہیں، قارئین انھیں شوق سے پڑھتے اور مزید لکھنے کا، اُن سے مطالبہ کرتے رہے تھے۔ اب اُنھوں نے اُنھیں کتابی شکل میں ''گلوبلائزیشن اور اسلام'' کے نام سے چھاپنے کا ارادہ کیا ہے۔ چھاپنے سے پہلے اُنھوں نے یہ کتاب، راقم کو دکھائی اور اس سے مقدمہ لکھنے کے لیے اصرار کیا۔ پہلے تو میں اپنی بیماریوں اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے، متردد ہوا اور اِنکار کرنے کا اِرادہ کیا؛ لیکن وہ چند روز قبل، پہلے سے وقت لے کر، کتاب کے پورے مُبَیَّضے کے ساتھ، میرے ہاں آئے اور اُس پر ایک نظر ڈالنے کے آرزو مند ہوے، میں نے پوری کتاب پر، اُن کے سامنے ہی تقریباً دو تین گھنٹے تک طائرانہ نظر ڈالی۔ سارے ابواب، ذیلی عناوین اور اہم مشمولات کو پڑھ گیا۔ کہیں کہیں میں نے ہلکی سی ترمیم کا مشورہ بھی دیا۔ کتاب پر نظر ڈالنے سے مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اُنھوں نے اِس کی تالیف میں بڑی محنت کی ہے۔ اُن کی محنت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اِس نئے (کم از کم اردو کے حوالے سے) موضوع پر چار سو صفحات کی کتاب لکھ ڈالی ہے۔ موضوع سے متعلق تمام گوشوں کو کھنگالنے کی کوشش کی ہے۔ مطبوعہ شکل میں اور انٹرنیٹ پر اُن کو اس موضوع پر، بالخصوص عربی زبان میں جتنے مواد دست یاب

ہوے، اُنھیں پڑھنے، ہضم کرنے، سمیٹنے اور اُن پر قابو پانے کے بعد، یہ کتاب لکھی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اُنھوں نے اِس کتاب کی تالیف پر، کم از کم پورا ایک سال خرچ کیا ہے؛ ورنہ آج کل لوگ ایک شب میں یا شب کے کسی ایک حصے میں، مکمل ایک کتاب لکھ ڈالتے ہیں۔ شہرت، نام وری، دنیوی عزت و وجاہت یا زرکشی کی خواہش نے، لوگوں کو زود نویس اور سطحیت پسند بنا دیا ہے؛ اسی لیے ایسے ''اہلِ قلم'' کی کتابوں اور مقالوں کی عمریں پروانوں سے بھی کم ہوتی ہیں؛ کیوں کہ وہ خود شمع کی طرح پگھلنا نہیں جانتے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۱۳۰۲-۱۳۷۳ھ =۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) کے متعلق کہیں سنا یا پڑھا تھا کہ آپؒ فرماتے تھے کہ جس صفحے کو لکھنے کے لیے کم از کم سو صفحہ نہ پڑھا گیا ہو، وہ صفحہ پڑھنے کے لائق نہیں ہوتا۔ علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ (۱۳۱۰-۱۳۷۵ھ=۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) فرماتے تھے کہ آج کل لوگ صرف ''لکھے'' ہوتے ہیں، ''پڑھے'' نہیں ہوتے۔ جب کہ ماضی میں لوگ ''لکھے پڑھے'' دونوں ہوتے تھے۔ یعنی آج کل لوگوں کا علم و مطالعہ کچھ بھی نہیں ہوتا اور کتابیں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ جب کہ لوگ پہلے علم و مطالعہ میں گیرائی و گہرائی کے بعد کچھ لکھنے بیٹھتے تھے۔

مولوی یاسر ندیم سلمہٗ نے پڑھنے کے بعد یہ کتاب لکھی ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی مکمل کوشش کی ہے۔

نوجوان مؤلف کی غالباً یہ پہلی باقاعدہ تالیف ہے؛ لیکن مجھے یہ لکھتے ہوے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اُن کی کتاب پڑھ کر محسوس ہوا کہ جیسے وہ کہنہ مشق مؤلف ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ قاری کو ''عالم گیریت'' کے موضوع پر اِس میں اتنا کچھ ملے گا، جس کے بعد اُسے کسی تشنگی کا احساس نہ ہوگا۔ ہر چند کہ کسی موضوع پر کوئی

کتاب، حرفِ آخر نہیں کہی جاسکتی۔ کسی بھی موضوع پر، خصوصاً وہ جب نیا ہو، معلومات، انکشافات، خیالات وغیرہ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے؛ سوچ کے نئے نئے دھارے ابلتے اور اچھلتے رہتے ہیں اور طرزِ تحریر و اندازِ تعبیر بھی طرح طرح کی سامنے آتی رہتی ہیں۔ ''عالم گیریت'' کی حقیقت، اہداف اور اُس کے نقصانات وخطرات کے تعلق سے جو بات، اِس کتاب میں کہی گئی ہے، وہ علما و مفکرین اور پختہ کار اہلِ قلم کے خیالات کا نچوڑ ہے۔ توقع ہے کہ اِس کتاب کا ہر قاری اِن خطرات وخدشات سے واقف ہوکر، اِن سے اپنے آپ کو اور اپنے معاشرے اور گردوپیش کو بچانے کی کوشش کرے گا۔

نوجوان مؤلف کی اس کتاب کو پڑھ کر یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ اِن شاءاللہ، وہ مستقبل میں لائق وفائق مؤلف اور شان دار اہلِ قلم ہوں گے اور اُن کا نقشِ ثانی ونقشِ ثالث و....، نقشِ اوّل سے بھی بہتر ہوگا کہ سفرِ بسیار کے بعد، ایک راہ رو اور پختہ ہوجاتا ہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اِس نوجوان میں، مواد تک پہنچنے، انھیں تلاش کرنے اور انھیں گہرائی سے پڑھنے، پھر ترتیب سے پیش کرنے کی فطری صلاحیت ہے۔ کام یاب مصنف بننے کے لیے یہ ازحد ضروری ہے؛ ورنہ قلم کار کی تحریر، قاری کے لیے باعثِ کشش نہیں ہوتی۔ قاری چند سطریں پڑھ کے تحریر کو ایک طرف ڈال دیتا ہے۔ مؤلف کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی تحریر میں یہ خوبی ہو کہ قاری اُس کو ہاتھ میں لینے کے بعد، شدید مجبوری کے وقت بھی، ہاتھ سے نہ رکھ سکے؛ بل کہ طرزِ تحریر، اندازِ ترتیب، شگفتگیِ تحریر اُس کو اِس طرح باندھ دے کہ پوری تحریر پڑھے بغیر، اس کو چین نہ آئے۔

موضوع کی ندرت، مواد کی کثرت، تحریر کی سلاست اور طرزِ ادا کی حلاوت اور

کتاب کی، ان شاء اللہ، حسنِ اشاعت اور قوتِ افادیت؛ کی وجہ سے، مجھے یقین ہے کہ مولوی یاسر ندیم قاسمی دیوبندی کی یہ کتاب، کثیر الاشاعت ثابت ہوگی اور آیندہ تالیف وتحریر کی راہ پر، مسلسل محوِ سفر رہنے کا، انھیں حوصلہ دے گی اور ربّ کریم کی طرف سے انھیں، اخلاصِ عمل کا صلہ ملتا رہے گا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

نور عالم خلیل امینی
استاذ ادبِ عربی و چیف ایڈیٹر
عربی ماہ نامہ ''الداعی'' دار العلوم دیو بند

جمعہ ۱۱½ بجے دن
۲۳/ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ
۲۲/ اگست ۲۰۰۳ء

پہلا باب
گلوبلائزیشن کیا ہے؟

موجودہ دور کا سب سے اہم سوال
ایک خوش آیند پہلو
لیکن یہ فتنہ نیا نہیں
استعمار کا نیا ایڈیشن
اسلام، عنصریت وعصبیت سے پاک ہے
گلوبلائزیشن ایک تلخ حقیقت
عالم گیریت کیا ہے؟
گلوبلائزیشن کی مثبت تعریفات
گلوبلائزیشن کی منفی تعریفات
گلوبلائزیشن تاریخ کے آئینے میں
دوسری جنگ عظیم کے بعد
گلوبلائزیشن کی راہ کس نے ہموار کی؟
عالم گیریت کی تمہیدات
جدید عالمی نظام کے مرکزی عناصر
پس پردہ ادارے اور تنظیمیں
بلڈر برج BILDERBERG
راکفلر فاؤنڈیشن
امریکی کلیسا کی تنظیم
تعلقات خارجہ کمیٹی C.E.R.
عالم گیریت کیا چاہتی ہے؟
عالم گیریت کے مختلف میدان ہائے عمل

موجودہ دور کا سب سے اہم سوال

گزشتہ صدی کے آخر میں دیوار ''برلن'' کے انہدام اور سوویت یونین کے سقوط کے بعد سے لے کر اب تک ایک سوال ہر سطح پر بار بار ابھر کر سامنے آ رہا ہے، ہر شخص کو تجسس ہے، ہر پڑھا لکھا انسان حقیقت حال معلوم کرنا چاہتا ہے، ہر ذی ہوش یہ جاننا چاہتا ہے کہ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں وہ کس سمت میں جا رہی ہے اور کس راہ پر گامزن ہے؟ اس طویل مدت کے دوران بار بار ابھر کر آنے والا سوال گلوبلائزیشن (عالم گیریت) کے بارے میں ہے، جب سے لوگ اس اصطلاح سے واقف ہوئے ہیں، وہ اس کی حقیقت، ماہیت، اس کے اغراض ومقاصد، اس کے اثرات ونتائج اور اس کے مثبت ومنفی پہلوؤں کو جاننا چاہتے ہیں۔ فکری، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی حلقوں سے لے کر، ذرائع ابلاغ تک کا من پسند موضوع گلوبلائزیشن بن چکا ہے، گلوبلائزیشن کے عنوان سے جگہ جگہ کانفرنسیں، سیمینار اور جلسے منعقد ہو رہے ہیں، تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں، لیکچرز پیش کیے جا رہے ہیں اور اس جدید

اصطلاح کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کی جارہی ہے، ان بحثوں میں عرب وعجم اور مشرق ومغرب میں واقع، تمام ممالک کے ہر معاشرے اور ہر طبقۂ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد حصہ لے رہے ہیں۔ لیبرل، جمہوریت پسند، سیکولر، مارکسزم کے شیدائی، اسلام پسند، مسیحی، بائیں بازو، دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے اور اعتدال پسند سبھی شریک ہیں، اسی طرح ماہرین معاشریات، ماہرین نفسیات، فلاسفہ، ادبا، علوم انسانی کے متخصصین، صحافی، ماہرین لسانیات اور سیاست داں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں، سبھی گلوبلائزیشن کے اثرات ونتائج اور اس کے میدان کار کی تعیین اپنے اپنے انداز سے کررہے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ کہیں بحث کے دوران منفی پہلو اپنایا گیا ہے اور کہیں مثبت پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف زبانوں کے اخبارات ورسائل میں عالم گیریت کے موضوع پر، جتنا کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے شاید ہی کسی اور موضوع پر اتنا لکھا گیا ہو۔

ایک خوش آیند پہلو

گلوبلائزیشن کی حقیقت، اس کے اغراض ومقاصد اور میدان عمل کی تعیین میں مغربی اصحاب قلم کے ساتھ ساتھ اسلامی مفکرین، دانشور، علما اور قلم کار حضرات بھی حصہ لے رہے ہیں، ان کی نوک قلم سے نکلی ہوئی کوئی نہ کوئی کتاب، آئے دن منظر عام پر آتی رہتی ہے، عربی وانگریزی اخبارات ورسائل میں ان کے تجزیاتی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ایک خوش آیند بات

ہے کہ جب سے مغرب نے عالم گیریت کی کھلم کھلاّ نشر واشاعت کی، اس کے مذموم مقاصد دنیا کے سامنے آنے شروع ہوے اور اس کے دامن میں چھپی ہوئی سازشوں سے پردہ اٹھنا شروع ہوا، تبھی سے اسلامی مفکرین اس اصطلاح کی تحلیل وتجزیے میں لگ گئے اور اس کے تعاقب کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو وقف کردیا۔

درحقیقت یہ مسلمانوں ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ جب بھی کسی ایسی تحریک نے سر ابھارا ہے، جس کا مقصد دین اسلام میں دخل اندازی یا اسلام کا خاتمہ کرنا ہو، تو مسلمانوں نے اپنی زبان وقلم سے دلائل وبراہین کا انبار لگا کر، ہر ایسی تحریک کو شکست دے دی اور اس کی جانب سے کی جانے والی سازشوں کو واشگاف کردیا، تاریخ شاہد ہے کہ قرون اولیٰ اور وسطیٰ میں بہت سے نظریوں اور تحریکوں نے جنم لیا جن کا مقصد اسلام کو نیست ونابود کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا؛ لیکن علماے امت نے ایسے تمام نظریوں اور تحریکوں کا قلع قمع کردیا اور وہ نظریے اور تحریکیں دنیا سے اس طرح مٹ گئیں کہ تاریخ وعقائد کی کتابوں میں صرف ان کا ذکر ملتا ہے، کوئی ان کا داعی یا مبلغ روے زمین پر نظر نہیں آتا۔

یقیناً اس دور میں جو ذمّے داری امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور دوسرے علما وفقہا، تابعین وتبع تابعین اور مفسرین ومحدثین کے کاندھوں پر تھی، آج گلوبلائزیشن کے سلسلے میں وہی ذمے داری موجودہ دور کے اہل علم اور اصحاب فکر ونظر پر عائد ہوتی ہے، ماضی کے علما نے جس طرح باطل کا مقابلہ، خواہ وہ کوئی بھی چہرا لگا کر آیا ہو، جس عصری حسیت

اور فکری بصیرت سے کیا تھا اسی حسیت اور بصیرت کے ساتھ موجودہ دور کے علما کو عصر جدید کے سب سے بڑے فتنے ''گلوبلائزیشن'' کا مقابلہ کرنا ہے۔

لیکن یہ فتنہ نیا نہیں

مغرب اور بالخصوص امریکہ کے ذریعے پوری دنیا پر مسلط کیے جانے والے نظریے- عالم گیریت- کی جڑیں بہت گہری ہیں، آج مغربی ممالک مسلمانوں کے تشخص کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ان کی بنیادوں کو مشکوک بنا کر اپنا دین، اپنی ثقافت، اپنی تہذیب، اور اپنی اخلاقی قدریں، ان پر تھوپنا چاہتے ہیں، سیاسی، اقتصادی اور عسکری ہر اعتبار سے بالادستی حاصل کرنا ان کا مقصد ہے اور مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دینا ان کی منزل ہے۔

لیکن مسلمانوں کو جس نازک صورت حال کا اس وقت سامنا ہے وہ اچانک رونما نہیں ہوئی؛ بل کہ یہ سالہا سال کی سازشوں کا نچوڑ اور ہماری اپنی غفلتوں کا نتیجہ ہے، آج مغرب، مشرق پر اور خصوصاً مسلمانوں پر غالب آچکا ہے؛ لیکن تاریخ کے اوراق پلٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اور مشرق کے درمیان ہونے والی کش مکش، کوئی نئی چیز نہیں ہے؛ بل کہ اس کی روایت بہت قدیم ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر ہی میں، اسکندر اعظم نے مشرق پر قبضہ کر لیا تھا اور اس نے اپنے علما و مفکرین کو یہ ذمے داری سونپی تھی کہ وہ مشرق کا گہرائی سے مطالعہ کریں، اس کی کم زوریوں کا پتہ لگائیں، تاکہ ان کے مطالعے کی روشنی میں مشرق کو غلام بنایا جاسکے، یوں اس دور کے ''کلیسا''

نے مشرق کے خلاف اپنی سازشوں کا آغاز کر دیا تھا۔

لیکن جب اسلام جزیرۃ العرب کی حدود سے باہر نکلا اور اس کی دعوت چہار دانگ عالم میں پھیلنا شروع ہوئی، تو مغرب کے کلیساؤں کی جانب سے اسلام (جو ان کی نظر میں مشرقی دین تھا) کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، اسلام کو مغلوب کرنے اور اس کو کھوکھلا کرنے کے لیے، طرح طرح کے منصوبے تیار ہونے لگے، آخر کار دلوں میں مستور کینہ، سینوں میں پوشیدہ عداوت اور دماغوں پر مسلط غرور و برتری کے جذبے، صلیبی جنگوں میں ظاہر ہو گئے؛ لیکن ان جنگوں میں اپنی شرم ناک شکست کے بعد مغرب نے جنگ کے طریقۂ کار میں تبدیلی کی اور نیا نقشِ راہ (Road Map) تیار کیا، جس کو مغرب نے ''استشراق'' کا نام دیا، برطانوی مستشرق ''رچرڈ سوزرن'' نے اپنی کتاب ''قرونِ وسطی کے یورپ میں اسلام کی تصویر'' (عربی ترجمہ) میں اور دوسرے مستشرق ''نورمن دانیال'' نے اپنی کتاب ''قرونِ وسطی میں یورپ اور عرب'' میں مغرب کی ان گھناؤنی حرکتوں کا ذکر کیا ہے، ان کے مطالعے سے اندازا ہوتا ہے کہ مستشرقین نے کیسی کیسی غیر انسانی اور غیر اخلاقی صفات کو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی جانب منسوب کیا ہے؛ تاکہ اسلام کا حقیقی چہرہ مسخ کر دیا جائے، لوگوں کو ایمان کے راستے سے منحرف کر دیا جائے اور ان کو اسلام کی بیش بہا دولت سے محروم کر دیا جائے۔

لیکن سالہا سال کی کوششوں کے باوجود استشراق بھی اپنی مہم میں ناکام رہا، اسلام مشرق کو عبور کرتا ہوا، مغرب کے قلب میں جا پہنچا، لاکھ

کوششوں کے باوجود اسلام کا سورج غروب نہ ہوسکا، بل کہ آسمانِ عالم پر تابندہ رہا، علماے امت نے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی دلائل کی قوت سے مستشرقین کو دنداں شکن جوابات دیے، آخر کار بیسویں صدی کے آتے آتے استشراق نے ایک دوسرا نقشِ راہ تیار کیا۔(۱)

عالم اسلام کے نامور محققین ''ڈاکٹر اڈورڈ سعید'' اور ''ڈاکٹر انور عبدالملک'' کے مطابق ۱۹۷۳ء میں فرانس کے شہر ''پیرس'' میں، مستشرقین کی انیسویں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں امریکہ کے یہودی مستشرق ''برنارڈ لوئیس'' نے کہا کہ:

''اب ہمیں مستشرق کی اصطلاح کو تاریخ کے حوالے کر دینا چاہیے، چناں چہ اتفاق رائے سے اس اصطلاح کا استعمال ترک کر دیا گیا اور ایک نئی اصطلاح استعمال کرنے پر اتفاق کیا گیا اور استشراق کے نئے نقشِ راہ کی قیادت امریکہ کو سونپ دی گئی، یہ اصطلاح ''گلوبلائزیشن'' کے نام سے عالمی حلقوں میں مشہور ہوئی، (۲) بس فرق اتنا تھا کہ پہلے استشراق کا نشانہ صرف اور صرف اسلام تھا، اس کو دیگر مذاہب سے کوئی سروکار نہ تھا، اس مرتبہ گلوبلائزیشن کا نشانہ دنیا کے تمام مذاہب ہیں، البتہ اسلام عالم گیریت کے لیے اس حیثیت سے سب سے بڑا خطرہ ہے کہ اس میں گلوبلائزیشن کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہے، جب کہ دوسرے مذاہب اس طاقت سے محروم ہیں،

(۱) مقالہ: لِمَ نخشی العولمة؟ از سهيلة زين العابدين حماد، اخبار: العالم الإسلامي، عدد ۱۷۳۸/۲۲۱/محرم ۱۴۲۲ھ

(۲) أیضاً

پہلے استشراق کا میدانِ کار، صرف مذہب اور اس کے متعلقات تھے، اس مرتبہ گلوبلائزیشن کا میدانِ کار مذہب اور اس کے متعلقات کے ساتھ ساتھ اقتصاد وسیاست بھی ہیں، گویا گلوبلائزیشن کی اصطلاح نے استشراق اور استعمار (سامراجیت) کو باہم متحد کردیا، ماضی میں دونوں کی منزل اگرچہ ایک تھی، مگر راہیں الگ الگ تھیں؛ لیکن آج منزل بھی ایک ہے اور اُس منزل تک پہنچنے کی راہ بھی ایک ہے۔

استعمار کا نیا ایڈیشن

گلوبلائزیشن جہاں استشراق کا نیا چہرہ ہے، وہیں استعمار کا بھی نیا ایڈیشن ہے، بہ الفاظ دیگر ''نئی بوتل میں پرانی شراب ہے'' کیوں کہ استعمار کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ مدِ مقابل کو مغلوب کرکے اس پر اپنا اقتدار قائم کیا جائے اور اس کو اپنی تہذیب وتمدن کے رنگ میں رنگ دیا جائے، اس پر اپنے رسوم ورواج اور اقدار، زبردستی تھوپ دیے جائیں؛ حتی کہ طاقت کے زور پر اس کے دین ومذہب کو بھی بدلنے کی مذموم کوشش کی جائے، تاکہ سامراجی طاقت اپنے مقابل کا مکمل استحصال کرسکے۔

انسانی تاریخ، ایک طویل عرصے سے استعمار اور اس کی لائی ہوئی تباہیوں سے شناسا ہے؛ بل کہ صحیح طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ روے زمین پر سامراجیت کا آغاز کب ہوا؟ دنیا نے کب سے ظالم کو ظلم کرتے ہوے کمزوروں کی عزت کو پامال کرتے ہوے اور مظلوم کو ظلم کی چکی میں پستے

ہوے دیکھا ہے؟ بہر حال ظلم کی اس طویل داستان اور استعمار کی نامعلوم تاریخ کے باوجود، اتنا طے ہے کہ سامراجیت خواہ کسی بھی سطح پر ہو اور کسی بھی شکل میں ہو، دو بنیادوں پر قائم ہے (۱) عنصریت (۲) عصبیت۔

انھی دو بنیادوں پر ظلم وستم کی عمارت قائم ہے، قوموں کو غلام بنانے کا تصور، دنیا کو زیر نگیں کرنے کی ہوس اور دوسروں پر اپنی تہذیب وثقافت مسلط کرنے کی خواہش، قدیم زمانے ہی سے چلی آرہی ہے۔

عنصریت وعصبیت ہی کی وجہ سے اسکندر اعظم نے قدیم دنیا کو مغرب سے لے کر مشرق تک یونانی بنانے کی کوشش کی تھی، اس کی خواہش تھی کہ عالم کے گوشے گوشے میں یونانی تہذیب کا بول بالا ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے ایک مرکز بھی قائم کیا تھا، جس کا نام ''اسکندریہ'' تھا، اسکندر اعظم کے بعد رومیوں نے زبان وتمدن کے بجائے فوجی طاقت کے ذریعے دنیا میں ہر طرف اپنی تہذیب رائج کرنے کی کوشش کی، روم وفارس کے درمیان جنگوں کا اصل سبب شام کا وہ علاقہ تھا، جو کبھی فارس کی کالونی بن جاتا، تو کبھی روم کی، اس علاقے پر اپنی بالادستی، اپنا اقتدار اور اپنی برتری قائم کرنے کے مقصد سے، دنیا کی یہ دو عظیم طاقتیں باہم دست وگریباں تھیں؛ لیکن اسلام نے اپنے وقت کی ان عظیم سلطنتوں کے غرور کو خاک میں ملادیا، صدیوں پر محیط ان کی تہذیب کے روشن چراغوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل کردیا، مگر استعمار کا یہ طوفان ان قوموں کے زوال سے رُکا نہیں؛ بل کہ اس دور میں داخل ہوا، جس کو مغرب ''عصر جدید'' کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔

چناں چہ جدید دور میں بھی سامراجی حملے جاری رہے، اپنے آپ کو مہذب کہلوانے والی قومیں، بدتہذیبی کے نئے نئے اسلوب پیش کرتی رہیں، مغربی طاقتیں سمندروں کے راستے، عالم اسلام کی طرف بڑھیں، ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کو تباہ و برباد کردیا، برِّ اعظم افریقہ کے ۱۴ ملین افراد کو غلام بنا کر، امریکہ لے جایا گیا، ادھر فرانسیسی، ہالینڈوی، بلجیکی، اطالوی، جرمن، اسپینی اور پرتگالوی سامراج کا بھی آغاز ہوگیا، جس نے پوری دنیا کو نگلنے اور چپے چپے کو اپنی کالونی بنانے کی کوشش شروع کردی؛ حتی کہ مغلوب قوموں کی زبان اور تہذیب کو ختم کر کے رکھ دیا، پورا افریقہ، انگلش اور فرانسیسی تہذیب اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا، شمال مغرب میں فرانسیسی اور انگلش زبانیں بولی جانے لگیں، مغرب وسطی میں انگلش اور اسپینی، جب کہ جنوب مغرب میں اسپینی اور پرتگالی رائج ہوگئیں، ہالینڈ، اسپین اور پرتگال کی زبانیں جنوبی مشرقی ایشیاء میں فلپین، جوپا اور انڈونیشیا تک پہنچ گئیں (۱) غرض یہ کہ پورا برِّ اعظم افریقہ، مشرق وسطی، مغربی ایشیا، مشرقی ایشیا اور جنوبی ایشیا کے ممالک، استعمار کا شکار بن گئے۔

انیسویں صدی سامراجی طاقتوں کے عروج کی گواہ ہے؛ لیکن بیسویں صدی میں قدم رکھتے رکھتے استعمار کا سورج نصف النہار تک پہنچنے کے بعد آمادۂ زوال ہوگیا، اور نصف صدی تک ابھرنے ڈوبنے کے بعد بالکل غروب ہوگیا، دوسری جنگ عظیم کے بعد پوری دنیا میں آزادی کی لہر دوڑ چکی تھی، جگہ جگہ

(۱) مجلة الحج والعمرة، مقالہ: حسن حنفی، ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ مطابق جون، جولائی ۲۰۰۲ء

انقلاب برپا ہو رہے تھے، استعمار کے خلاف تحریکیں چلائی جا رہی تھیں، ہر ملک میں ظلم واستبداد کے پنجوں سے آزاد ہونے کے لیے، میدان کارزار سجائے جا رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ ظلم کی داستان اب ختم ہونے والی ہے، استعماریت کا سلسلہ آخری سانسیں لے رہا ہے اور اندھیری رات کے بعد روشن صبح کے سورج کی کرنیں طلوع ہونے والی ہیں اور ایسا ہی ہوا، ملک تو آزاد ہو گئے؛ لیکن قابض طاقتیں جاتے جاتے ایک دوسرے سامراج کے لیے زمین ہموار کر گئیں، ایک نئے استعمار کی تمہید کے طور پر انھوں نے مشرقی ممالک کو نسلی، لسانی اور مذہبی تفریق کے حوالے کر دیا، جس ملک کو انھوں نے چھوڑا اسے اس طرح تقسیم کیا کہ وہاں کے باشندے، ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں، اس ملک میں کبھی امن وامان قائم نہ ہونے پائے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ممالک، آج تک سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مستحکم نہ ہو سکے، چناں چہ عراق میں وہاں کے باشندے شیعہ، سنی، عرب وکرد، مراکش میں عرب و بربر، مصر میں مسلمان وقبطی، سوڈان میں مسلمان ومسیحی، چاڈ اور مالی میں عرب وافریقی اور خود ہند میں ہندوستانی اور پاکستانی کے نام سے تقسیم ہو گئے، کہیں عوامی سطح پر تو کہیں حکومتی سطح پر، ہر فریق اپنے مقابل سے دست وگریباں ہے، حتی کہ "روانڈا" اور "کونگو" میں مذہبی اختلافات اور نسلی تفریق کی بنا پر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور لاکھوں افراد نسل کشی کا شکار ہو گئے۔ (۱)

عرب ملکوں میں بھی زبردست اختلافات رونما ہوئے، مصر وسوڈان کے

(۱) ما العولمة؟ از حسن حنفی ص: ۲۰، دار الفکر بیروت طبع ثانیہ ۲۰۰۰ء

درمیان ''حلابیب'' اور ''شلاتین'' کے علاقے کو لے کر، رسہ کشی ہوئی، الجزائر اور مراکش کے درمیان صحرائے ''تندوف'' تنازع کا سبب بنا، سعودی عرب اور یمن کے درمیان ''عسیر'' اور ''نجران'' کے علاقے کی وجہ سے اختلاف ہوا، عمان اور امارات صحرائے ''بوریمی'' کی وجہ سے آمنے سامنے آئے، شام اور اُردن نے ''وادیٔ حمہ'' کی وجہ سے ایک دوسرے سے منھ موڑا۔ عرب ممالک میں جہاں جغرافیائی حدود، اختلافات کا سبب تھیں، وہیں نسلی اور قبائلی بنیادوں پر بھی عرب ممالک میں پائے جانے والے اختلافات، ان کو اندر سے کھائے جارہے تھے، لبنان میں تو ان اختلافات کی وجہ سے خانہ جنگی تک ہوئی اور ہزاروں افراد، اس خانہ جنگی کا شکار ہوے، اُردن میں شہریوں اور دیہاتیوں کے درمیان تنازع نے خوف ناک شکل اختیار کر لی۔(۱)

عالم اسلام جس عدم استحکام کا شکار رہا ہے، وہ سب مغربی دیسہ کاریوں کا نتیجہ ہے، مغرب نے عالم اسلام کے باہمی اختلافات کو ہوا دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا؛ بل کہ قومیت عربیہ کا شوشہ چھوڑ کر اسلامی ملکوں کے دینی، مذہبی، ثقافتی اور تہذیبی تشخص پر بھی حملہ کیا، حال آں کہ گلوبلائزیشن کی کام یابی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ ''قومیت'' اور ''وطنیت'' کے عنصر کو ختم کر دیا جائے؛ لیکن اس کے برخلاف عالم عرب میں محض انتشار پیدا کرنے کے مقصد سے ''قومیت عربیہ'' کا نعرہ بلند کروایا گیا۔ آخر کار داخلی اور خارجی اختلافات کی وجہ سے عالم اسلام کوئی بلاک قائم کرنے، یا وحدت ویگانگت کا

---

(۱) ﴿ أیضا۔ ﴾

مظاہرہ کرنے کا، اہل نہ رہا اور اب مغرب کا اگر کوئی مقابل تھا، تو وہ سوویت یونین تھا، جو گلوبلائزیشن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔

لیکن سوویت یونین کے سقوط کے بعد وہ استعمار، جو بہ ظاہر بیسویں صدی کے نصف اول میں دم توڑ چکا تھا، اسی صدی کی آخری دہائی میں دوبارہ زندہ ہوگیا، اس مرتبہ سامراج کا دائرۂ کار پہلے سے زیادہ وسیع ہے، یہ سامراجی نظام، اپنے ساتھ جنسی بے راہ روی، تشدد پسندی اور منظم جرائم بھی لایا ہے، اس نظام کے آتے ہی عالمی سطح پر کئی اہم واقعات تیزی کے ساتھ رونما ہوئے ہیں اور عالمی صورت حال میں بڑی حد تک تبدیلی آئی ہے، چناں چہ سوویت یونین کا خاتمہ ہوتے ہی مشرقی یورپ میں اشتراکی نظام، نیست ونابود ہوگیا، پورے عالم کا اقتصادی طور پر استحصال کرنے کے لیے، دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک کی تنظیم بنی، جس میں روس کو بھی شامل کرلیا گیا اور وہ ''جی ۸'' کے نام سے مشہور ہوئی، امریکی قیادت میں سرمایہ دارانہ نظام کی اجارہ داری قائم ہوگئی اور عالمی تنظیموں خصوصاً اقوام متحدہ کو اپنے مفادات کی خاطر، اغوا کرلیا گیا۔(۱)

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سامراج خواہ کسی بھی سطح پر اور کسی بھی شکل میں نمودار ہوا، اس کی بنیاد عنصریت اور عصبیت ہی رہی، گلوبلائزیشن (جو استعمار کا نیا ایڈیشن ہے) بھی ان ہی دو بنیادوں پر قائم ہے، کیوں کہ عالم گیریت کا واضح مقصد مختصر الفاظ میں، تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کو

---

(۱) ماالعولمة؟ ص: ۱۸ از حسن حنفی۔

نیست و نابود کر کے، ایک ہی تہذیب کو پوری دنیا میں رواج دینا ہے، جو عصبیت کی کھلی دلیل ہے؛ پھر پوری دنیا میں صرف مغربی تہذیب کو مسلط کرنا اور اس کو پھیلانا، عنصریت کی واضح علامت ہے، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ استعمار لوٹ رہا ہے، جو ملک آزادی کی فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں، وہ گویا آخری سانس لے رہے ہیں، ایک تاریک رات جس کی طوالت کا کوئی اندازا نہیں ایک بار پھر شروع ہونے والی ہے، آزادی کے نام پر غلامی کے دور کا آغاز ہونے جا رہا ہے، ایسا دور جس میں شاید جسمانی غلامی تو نہ ہوگا؛ لیکن فکری و عقلی غلامی کی زنجیروں میں دنیا جکڑ جائے گی، عربی زبان کے معروف ادیب ''حسن زیات'' کے بہ قول:

> ''جسمانی غلامی کے چنگل سے بچنا تو آسان ہے، لیکن فکری غلامی ایک ایسی بیماری ہے، جس کی دوا کسی بھی طبیب کے پاس نہیں ہے؛ بل کہ وہ پوری قوم کی موت پر ہی منتج ہوتی ہے۔''(۱)

اسلام، عنصریت و عصبیت سے پاک ہے

اسلام پر ہمیشہ سے یہ تہمت لگائی جاتی رہی ہے کہ اس نے زور زبردستی سے اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کو دنیا پر مسلط کیا ہے، بہ الفاظ دیگر ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے''، حال آں کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام عنصریت اور عصبیت جیسی غیر اخلاقی

---

(۱) تاریخ الادب از حسن زیات ص: ۴۔

قدروں سے منزہ ہے، اسلام ہی ہے، جس نے "لا فضل لعربيّ على عجميّ" کا نعرہ بلند کرکے ان دونوں مذموم صفتوں کا خاتمہ کردیا، عرب، جو اسلام کے اولین مخاطب ہیں، ان مذکورہ صفتوں سے بے انتہا متأثر تھے، نسلی اور قبائلی امتیاز ان کی رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا، خاندانی حمیت، ان کا دین اور قبائلی غیرت، ان کا مذہب تھی؛ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد وہی عرب، جو جاہلی عصبیت کا شکار تھے، وحدت واخوت کی جیتی جاگتی مثال بن گئے، وہی بلال حبشیؓ، جو کل تک عربوں کے غلام تھے ظہور اسلام کے بعد عربوں کی محترم شخصیت بن گئے، اس لیے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام عصبیت اور عنصریت دونوں ہی سے پاک اور مبرا ہے، لہٰذا چہار دانگ عالم میں اسلام کے پھیلاؤ کو استعمار اور سامراجیت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا؛ بل کہ یہ اسلامی تعلیمات کا حسن تھا، جس نے لوگوں کو متاثر کیا، مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق تھے، جو دوسروں کے لیے جاذب بنے، اخوت ووحدت کا وہ درس تھا، جو معاشرے میں امتیازی سلوک سے دوچار لوگوں کے لیے باعث کشش بنا، ایک نور تھا جو اندھیروں میں بھٹک رہے لوگوں کے لیے مشعل ہدایت بنا اور یوں اسلام، حدود عرب سے نکل کر ہر طرف پھیل گیا، شمشیر وسناں کو، یا عصبیت کی ذہنی توسیع پسندی کو اسلام کی اشاعت میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔

تاریخ کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ عصبیت وعنصریت سے بالاتر ہوکر نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے، انھوں نے دوسروں کی تہذیبوں کو، عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور غیروں کے علوم کو احترام بخشا ہے، صرف اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ مسلمان ہی وہ قوم ہے، جس نے

یونان کے فلاسفہ کو عظمت و بزرگی عطا کی اور ان کو بڑے بڑے القاب سے نوازا، چناں چہ سقراط کو ''الحکم البشر''، افلاطون کو ''صاحب الایدی والنور''، ارسطو کو ''المعلم الاول''، فارابی کو ''المعلم الثانی''، بطلیموس کو ''صاحب الکتاب المثلث''، حسن بن ہیثم کو ''بطلیموس الثانی'' اور جالینوس کو ''فاضل المتقدمین والمتأخرین'' جیسے عظیم المرتبت القاب سے یاد کیا؛ بل کہ مسلمانوں نے یونانی علوم کے اندر پائی جانے والی کمی کو پورا کیا اور ان علوم کا عربی زبان میں ترجمہ کیا، یہی معاملہ مسلمانوں نے رومیوں کے ساتھ کیا، جب ان کے یہاں ''ہورسیوس'' کی کتاب ''تاریخ العالم'' مکمل ہوئی، تو مسلمانوں نے اس میں تاریخ خلفاے بنی عباس کا اضافہ کیا، دوسروں کے تئیں احترام و اکرام کا یہی جذبہ تھا، جس نے ''ابوریحان البیرونی'' کو ہندوستانی تہذیب و تمدن پر ایک مبسوط کتاب لکھنے پر ابھارا، اس کی یہ کتاب معلومات کا گنجینہ اور ہندوستانی ثقافت کی تاریخ پر لکھی جانے والی کتابوں کا اہم ترین مأخذ ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ اسلام بھی ایک استعماری اور سامراجی دین ہے کسی بے بنیاد الزام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔(۱)

گلوبلائزیشن ایک تلخ حقیقت

بہ ہر حال ہمیں اب یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ استعمار چند دہائیوں کی خاموشی کے بعد، گلوبلائزیشن کی شکل میں لوٹ رہا ہے اور اس کی راہ ہموار کرنے والے تمام ذرائع و وسائل اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، ہم آج دنیا کے پردے پر جو

(۱) مجلۃ الحج والعمرۃ: مقالہ: حسن حنفی ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ۔

کچھ دیکھ رہے ہیں، وہ ایک بڑی تبدیلی ہے، ترقی اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے، انسان اور ٹکنالوجی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم بن چکے ہیں، انفارمیشن کے میدان میں انقلاب کی وجہ سے، پوری دنیا ایک بستی میں تبدیل ہو چکی ہے، مشرق ومغرب کے درمیان کی مسافتیں، اب بے معنی بن گئی ہیں، ہزاروں میل کی دوری پر رہنے والا شخص اب صرف دیکھنے اور سننے ہی پر قادر نہیں ہے؛ بل کہ چھونے اور احساس کرنے پر بھی اس کو قدرت ہو گئی ہے، اسی محیر العقول ترقی نے جغرافیائی حدود کو ختم کر دیا ہے، جو گلوبلائزیشن کا ایک اہم مقصد ہے، اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ موجودہ دور کی وہ ترقیاں، جو انفارمیشن کے میدان سے تعلق رکھتی ہیں، گلوبلائزیشن کا سب سے بڑا آلۂ کار ہیں، جو عالم گیریت کے لیے میدان سازگار کر رہی ہیں، اس لیے گلوبلائزیشن کل تک ایک نظریہ تھا؛ لیکن آج ایک حقیقت بل کہ ''کڑوے سچ'' کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ابھی گلوبلائزیشن مکمل طور پر نافذ نہیں ہوا ہے؛ بل کہ اس نظام کا صرف ٤٠ فی صد حصہ نافذ ہو سکا ہے اور مجموعی اعتبار سے یہ ابھی مطالعے، تحلیل و تجزیے اور تنقید و تبصرے کے دور سے گزر رہا ہے، مگر ہمیں اس بات سے باخبر رہنا چاہیے کہ مغرب ایک بار پھر پوری دنیا پر حکومت کرنے کی ہوس کے نتیجے میں، عالم گیریت کا لبادہ اوڑھ کر اور سامراجیت کا علم ہاتھ میں لے کر، مشرق کی طرف پیش قدمی کرنے میں مصروف ہے اور اس کی برق رفتاری کو دیکھتے ہوئے وہ دن دور نہیں لگتا، جب بحر و بر کا ہر ذرّہ مغرب زدہ ہو جائے گا۔

لیکن ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے، جس کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرا ہوگا کہ اگر عالم گیریت اتنی ہی خطرناک چیز ہے، تو وہ آخر ہے کیا؟ عالم گیریت کہتے کسے ہیں؟ اور کس طرح یہ مشرق کو مغرب زدہ کردے گی؟

عالم گیریت کیا ہے؟

گلوبلائزیشن کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اصطلاح اگرچہ نئی ہے؛ لیکن اس اصطلاح کے معانی بہت قدیم ہیں (اس کی طرف ہم گزشتہ صفحات میں اشارہ کرچکے ہیں) البتہ جہاں تک لفظوں کا تعلق ہے تو عربی زبان میں اس کو "العولمة" کہا جاتا ہے، کچھ لوگوں نے ابتداءً "الکونیّة" اور "الکوکبة" کے الفاظ بھی استعمال کرنے کی کوشش کی؛ لیکن قاہرہ کی مجمع اللغة العربیّة نے لفظ "العولمة" ہی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ (۱) انگلش میں اس کو گلوبلائزیشن (Globalization) کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں "کسی چیز کو عام کرنا اور اس کے دائرے کو وسیع کرنا"۔ اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے امریکہ میں شروع ہوا، ویبسٹر (Webster) کی نیو کالج ڈکشنری (New Collegiate Dictionary) میں گلوبلائزیشن کے یہ معنی دیے گئے ہیں:

"کسی چیز کو عالمیت کا جامہ پہنانا، کسی چیز کے دائرے کو عالمی بنانا"۔ (۲)

جب کہ فرانسیسی زبان میں اس کو مونڈیالائزیشن (Mondialisation)

(۱) ڈاکٹر محمود فہمی حجازی، رسالہ "الھلال" قاہرہ، مارچ ۲۰۰۱ء بحوالہ العولمۃ از ڈاکٹر صالح الرقب ص: ۳۔
(۲) P: 521, New Collegiate Dictionary 1991

کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو عالمی معیار کا بنانا۔

بعض مفکرین نے گلوبلائزیشن کو ''نئے عالمی نظام'' (New World Order) سے بھی تعبیر کیا ہے، اس اصطلاح کو سب سے پہلے سابق امریکی صدر جارج بش سینیر نے اپنی تقریر کے دوران استعمال کیا تھا، خلیجی جنگ کے اختتام کے ایک ماہ بعد، اگست ۱۹۹۰ء میں خلیج میں مقیم امریکی فوجیوں کو خطاب کرتے ہوئے، بش نے ایک ایسا عالمی نظام قائم کرنے کی بات کہی تھی، جو دہشت گردی سے پاک ہو، لوگوں کو امن وسلامتی عطا کرے اور اقوام عالم کو عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرے۔ (۱)

اس اصطلاح (جدید عالمی نظام) سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس نظام کا تعلق صرف سیاست سے ہے، حال آں کہ یہ تحریک نہ صرف سیاست سے؛ بل کہ اقتصاد، معاشرت، ثقافت اور تعلیم سے بھی تعلق رکھتی ہے: بل کہ یہ اصطلاح اپنے وسیع تر مفہوم کے ساتھ، دنیا پر ہر اعتبار سے بالادستی قائم کرنے کے ارادے کی غماز ہے، گلوبلائزیشن جو شروع میں عالمی اقتصادیات کی ایک تحریک کے طور پر ظاہر ہوا تھا، اب اقتصادی حدود سے بہت آگے نکل چکا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اب عالمی منڈیوں پر اموال تجارت کے ساتھ ساتھ سیاست، ثقافت اور تعلیم جیسے شعبوں پر بھی گلوبلائزیشن کا مہیب سایہ چھایا ہوا ہے۔ (۲)

(۱) مقالہ: مخاطر العولمة علی المجتمعات العربية، از ڈاکٹر مصطفیٰ رجب مجلہ البیان، ۱۳/ ۱۰/ ۲۰۰۰ء۔

(۲) الهاز مزاعم العولمة: از ڈاکٹر عزت السید احمد ص: ۵ طبع اتحاد الکتاب العرب دمشق ۲۰۰۰ء۔

سابق امریکی صدر بل کلنٹن کے یہ قول:

''گلوبلائزیشن محض اقتصادی مسئلہ نہیں ہے؛ بل کہ یہ ماحول، تربیت اور صحت جیسے مسائل سے بھی دلچسپی رکھتا ہے''(۱)

یہ عالمی نظام مغربی اور خصوصاً صہیونی طاقتوں کے ذریعے انسانی معاشرے پر سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی بالادستی قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، مختلف انسانی تہذیبوں کو مٹانے کی ایک تحریک ہے، دنیا بھر کی مختلف النوع ثقافتوں کو مغربی؛ بل کہ امریکی ثقافت میں رنگنے کا ایک حربہ ہے اور سارے عالم پر حکومت کرنے کے یہودی خوابوں کی تعبیر ہے۔

گلوبلائزیشن کی مثبت تعریفات

گلوبلائزیشن کی بہت سی تعریفات کی گئی ہیں، ان میں کچھ منفی ہیں تو کچھ مثبت، عالم گیریت میں جہاں مشرقی اقوام خصوصاً مسلمانوں کے حوالے سے منفی پہلو پائے جاتے ہیں، وہیں کچھ مثبت پہلو بھی ہیں، مغربی مفکرین جو گلوبلائزیشن کی پرزور وکالت کرتے ہیں اور کچھ عرب دانش ور جو مغرب کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں، عالم گیریت کے مثبت پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر اس کی تعریف کرتے ہیں، ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس جدید نظام کو دنیا کے سامنے حسین، پرکشش اور لوگوں کی خواہشات کا مظہر بنا کر پیش کیا جائے، اس بات سے قطع نظر کہ اس کے منفی اثرات دنیا پر کس طرح مرتب ہوں گے،

---

(۱) العولمة، از صالح الرقب ص:۲

دوسری طرف مفکروں اور دانش وروں کی اکثریت گلوبلائزیشن کے منفی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس کی تعریف کرتی ہے۔ ذیل میں ہم پہلے گلوبلائزیشن کی مثبت تعریفات ذکر کر رہے ہیں:

(۱) ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن (عالمی تجارتی تنظیم) جو عالم گیریت کی سب سے بڑی داعی ہے، اس کی کچھ اس طرح تعریف کرتی ہے کہ:

''عالم گیریت دنیا کے ممالک کے درمیان اس اقتصادی تعاون کا نام ہے، جو پروڈکٹ اور سروسز (مصنوعات وخدمات) کے تبادلے میں اضافے کی وجہ سے بڑھتا ہے اور اس کے نتیجے میں ان ممالک کے رأس المال میں بھی اضافہ ہوتا ہے، ساتھ ہی دنیا کے کونے کونے میں تیزی کے ساتھ ٹکنالوجی کو فروغ ملتا ہے، یہ ایک ایسی تحریک ہے، جس کا مقصد کسٹم اور جغرافیائی حدود کو ختم کرنا اور پوری دنیا کو ایک عالمی منڈی میں تبدیل کرنا ہے'' (۱)

دنیا کے بیش تر ممالک میں کسٹم قانون نافذ ہے، جو عام طور پر سامان تجارت پر لاگو ہوتا ہے، اس قانون کی رو سے ایک ملک سے دوسرے ملک سامان تجارت منتقل کرنے کے لیے اُس ملک کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، جہاں تجارت کے لیے وہ سامان لے جایا گیا ہے، یہ ٹیکس سامان کی اصل قیمت کا کچھ فی صد ہوتا ہے، بہت سے ممالک میں کسٹم کا یہ نظام معاشی اعتبار سے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، آج جب کہ گلوبلائزیشن کا مقصد یہ ہے کہ ایک ملک کی کمپنی دوسرے ملک میں تجارت کرے اور ایک جگہ کا سامان ہر جگہ

---

(۱) الرائد: لکھنؤ، ۱۳/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ العولمة وتأثيرها على العالم الإسلامي از مانع حماد الجهني۔

دست یاب ہو؛ یورپ وامریکہ کی کثیر الملکی کمپنیوں کے لیے، جو اپنا سامان دیگر ممالک میں فروخت کرنا چاہتی ہیں، ٹیکس کا یہ نظام سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس نظام کی وجہ سے وہ آزادانہ طور پر تجارت کرنے سے قاصر ہیں، کیوں کہ انھیں اپنی مصنوعات غیر ممالک میں ایکسپورٹ کرنے کے لیے زبردست ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا جدید عالمی نظام ایسے ممالک سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کسٹم ڈیوٹی کے اس نظام کو ختم کردیں (اب بہت سے ممالک میں یہ نظام ختم کردیا گیا ہے یا ٹیکس میں تخفیف کردی گئی ہے) تاکہ غیر ملکی خصوصاً امریکی ویورپی کمپنیاں آزادانہ طور پر وہاں تجارت کرسکیں۔ اگر گلوبلائزیشن کی یہ تعریف ہے، تو اس میں بہ ظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی؛ بل کہ اس سے تو یہ اندازا ہوتا ہے کہ گلوبلائزیشن کا مقصد ایک ملک کی کمپنی کے سامان سے دوسرے ملک کے عوام کو فائدہ پہنچانا ہے، تاکہ کسی بھی قسم کی سہولت ملکی حدود میں محدود نہ رہے؛ بل کہ ہر صارف کی اس تک کم سے کم قیمت کے ذریعے پہنچ ہو؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جب یورپی وامریکی کمپنیوں کا سیلاب ایشیائی اور غیر ترقی یافتہ ممالک کا رخ کرے گا، تو مقامی کمپنیاں ان کے سامنے ٹک نہیں پائیں گی اور تجارتی مقابلہ آرائی میں پیچھے رہ جائیں گی، لہٰذا وہ ممالک کسی بھی قسم کا ٹیکس نہ ملنے کی صورت میں، ان کثیر الملکی کمپنیوں کے رہین بن جائیں گے اور حکومتیں اپنے ملک کو چلانے کے لیے، یا تو ان کمپنیوں سے قرض مانگیں گی یا عالمی بنک کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گی، دونوں ہی صورتوں میں وہ مغرب؛ بل کہ یہودیوں

کے زیر تسلّط آجائیں گی اور پوری طرح ان کی مرہونِ منّت ہوں گی، یوں وہ ممالک مغرب زدہ؛ بل کہ صہیونیت زدہ بن جائیں گے، نیز ان ممالک کے بازار میں چوں کہ غیر ملکی کمپنیوں ہی کی اجارہ داری ہوگی، اس لیے عوام کی محنت کی کمائی، دوسرے ممالک میں بیٹھے ان کمپنیوں کے مالکان کی جیبوں میں چلی جائے گی اور کسی بھی ملک کی دولت اس کی ترقی میں صرف ہونے کے بجائے اس کی تباہی وتخریب کاری کا سبب بن جائے گی۔

(۲) امریکہ کے ماہر سیاسیات ''جیمس روزانو'' گلوبلائزیشن کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

''یہ اقتصاد، سیاست، ثقافت اور آئیڈیالوجی (نظریات) کی تبدیلی کی ایک راہ ہے، جس پر چلنے کے بعد صنعتیں، ایک ملک میں محدود نہ رہ کر پوری دنیا میں پھیل سکتی ہیں اور انسانوں کے ذریعے استعمال ہونے والے سامان میں یگانگت قائم ہوسکتی ہے۔ (۱)

(۳) مشہور امریکی مصنف ''ولیم گریڈر'' کے ۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والی کتاب ''عالم واحد.. مستعدون أم لا'' (عربی ترجمہ) میں گلوبلائزیشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ بین الاقوامی صنعت اور عالمی تجارت میں برپا انقلاب کے نتیجے میں سامنے آنے والا طریقۂ کار ہے، یہ طریقۂ کار ترقی وتباہی دونوں پر یکساں قدرت رکھتا ہے اور عالمی سرحدوں سے بے پرواہ ہوکر اپنے راستے پر گامزن

---

(۱) العولمة: از صالح الرقب ص: ۵ بہ حوالہ العولمة بین النظم التکنولوجیة الحدیثة، از نعیمہ شومان۔

رہتا ہے، یہ ترقی کا جتنا بڑا سبب ہے اتنا ہی خطرناک بھی ہے۔(۱)

(۴) جدید عالمی نظام کی بنیاد الکٹرانک عقل اور ٹکنالوجی کے میدان میں ہونے والی حیران کن ایجادات پر ہے، یہ تحریک دنیا کے کسی نظام، تہذیب، ثقافت، روایت اور جغرافیائی وسیاسی حدود کا اعتبار نہیں کرتی۔(۲)

(۵) گلوبلائزیشن ملکی و عالمی سطح پر سامان، سروسز (خدمات) کام کاج، اور معلومات کے بیش بہا خزانے کو فروغ دینے کا نام ہے۔(۳)

(۶) عالم گیریت اس بات کی متقاضی ہے کہ ملکوں اور قوموں کے درمیان واقع رکاوٹیں دور ہوں، انسانی معاشرے اختلاف وانتشار کا شکار نہ ہوں؛ بل کہ مختلف سمتوں میں سفر کرنے کے بجائے ایک ہی راہ پر گامزن ہوں، امتیاز وتفریق کے بجائے، مماثلت کا وطیرہ اپنائیں اور پوری دنیا یکساں انسانی اقدار کو اختیار کرلے۔(۴)

(۷) عالمی تجارتی انسائکلو پیڈیا (The International Encyclopadia of Business & Management) نے گلوبلائزیشن کی یہ تعریف کی ہے:

”یہ ایک عالمی تہذیب کے پھیلاؤ اور اس کو وسعت دینے کے لیے

---

(۱) ایضاً

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

(۴) المستقبل العربي، از احمد مصطفیٰ عمر،ص:۲۷ بہ حوالہ مجلہ الإسلام و وطن عدد ۱۴۸

نقشِ راہ ہے"۔(۱)

(۸) "علی حرب" عالم گیریت کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں کہ:

"عالم گیریت ایک تہذیبی ترقی کا نام ہے، جس کی بنا پر اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی تبادلہ ہوتا ہے اور نہایت سہولت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ معلومات، افکار وخیالات اور اموال منتقل ہو جاتے ہیں۔"(۲)

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ گلوبلائزیشن ایک ایسی تحریک ہے، جو اقتصاد کے میدان میں آزاد تجارت کی داعی ہے، جو جغرافیائی حدود کو تسلیم نہ کرکے، کسی بھی شخص کو دنیا کے کسی بھی کونے میں تجارت کرنے کی اجازت دیتی ہے، سیاست کے میدان میں یہ کسی بھی ملک میں، وہاں کی مقامی حکومت اور اس ملک کی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتی؛ بل کہ ان کو ایک متوقع عالمی حکومت کے تابع مانتی ہے، تہذیب وثقافت کے میدان میں یہ پورے عالم میں ایک ہی تہذیب اور ایک ہی ثقافت کو نافذ کرنا چاہتی ہے، یہ طبقاتی امتیازات کے خلاف چلایا جانے والا ایک مشن ہے، یہ بنی نوع انسانی کو یگانگت ویکسانیت کی لڑی میں پرونے کی ایک کوشش ہے اور مشرقی ومغربی انسانوں کے درمیان پائے جانے والے کسی بھی فرق کو مٹانے کی راہ میں اٹھایا جانے والا ایک قدم ہے، اس تحریک کا سب سے بڑا ذریعہ، انفارمیشن اور ٹکنالوجی کے میدان میں ہونے والی ترقیات ہیں، مثلاً انٹرنیٹ، ٹی وی، ریڈیو وغیرہ وغیرہ۔

(۱) The International Encyclopadia of Business & Management, 1996 VOL1, P.1649.

(۲) صدمة العولمة في خطاب النخبة، از علی حرب، اخبار السفیر عدد ۱۲، ۸، ۱۹۹۸ء

لیکن مغربی یا مغرب پرست مفکرین کی جانب سے کی جانے والی ان تعریفات میں، کوئی یہ واضح نہیں کرتا کہ اقتصادی میدان میں جن لوگوں کو آزادانہ تجارت کا حق حاصل ہوگا، وہ لوگ کہاں کے باشندے ہوں گے؟ جس عالمی حکومت کا خواب دیکھا جا رہا ہے، اس کا سربراہ کون ہوگا؟ جمہوریت کو دین سمجھنے والے اس عالمی حکومت میں جمہوریت کیسے قائم کریں گے؟ جس تہذیب کو پوری دنیا میں نافذ کیا جائے گا وہ تہذیب کس خطے کی ہوگی؟ کن بنیادوں پر اس تہذیب کو عالمی سطح پر نافذ کیا جائے گا؟ جس ثقافت کی عالم کاری ہوگی اس کا تعلق کس قوم سے ہوگا؟ کن خصوصیات کی بنا پر اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ عالمی ثقافت بنے؟ وہ کلچر انسانی اقدار پر مشتمل ہوگا یا نہیں؟ وہ فطرت سے ہم آہنگ ہوگا یا مادّیت پرست ذہن کا ترجمان ہوگا؟ گلوبلائزیشن کو زور زبردستی سے نافذ کیا جائے گا یا اس میں اقوام عالم کی رضا مندی کا دخل ہوگا؟ جس عالم گیریت کو مغرب کے ٹھیکے دار مساوات قائم کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ واقعتاً مساوات قائم کرے گی۔ یا طبقاتی خلیج کو مزید گہرا کر دے گی؟ مختلف طبقات کے درمیان، جس پُل کو یہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، گلوبلائزیشن اُس پُل کو تعمیر کرے گا یا بنے ہوئے پُل کو تباہ و برباد کر دے گا؟

یہ چند ایسے سوالات ہیں، جن کے جوابات مغربی مفکرین دینے سے گریز کرتے ہیں، کیوں کہ وہ قبل از وقت عالم گیریت کی حقیقت کو آشکار انہیں کرنا چاہتے؛ لیکن عالم اسلام کے باشعور اصحاب قلم نے اور اقوام عالم کے صحیح الفکر دانش وروں نے گلوبلائزیشن کی تعریف میں، ان سوالوں کے جواب دینے کی

کوشش کی ہے اور عالم گیریت کی حقیقت کو کسی لاگ لپیٹ کے بغیر واضح کیا ہے۔

گلوبلائزیشن کی منفی تعریفات

(۱) ڈاکٹر ''ترکی الحمد'' کہتے ہیں کہ:

''گلوبلائزیشن سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کا طریقہ کار ہی نہیں؛ بل کہ اس طریقہ کار کو اپنانے کی ہمہ گیر دعوت کا نام ہے، یہ پوری دنیا پر تسلّط کے ارادے کو بلا واسطہ طور پر وجود بخشنے کا ایک ذریعہ ہے، مختصراً عالم گیریت، اقتدار و بالادستی کی طرف پیش قدمی کرنے اور ہر نافع چیز کو معدوم کرنے کا نام ہے۔(۱)

(۲) ڈاکٹر ترکی نے ثقافتی عالم گیریت کو الگ سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جہاں تک ثقافتی عالم گیریت کا تعلق ہے، تو اس کی تعریف میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کو غصب کرکے ان پر مغربی تہذیب مسلّط کرنے کا نام ہے۔'' (۲)

(۳) ڈاکٹر ''مصطفیٰ النشار'' کہتے ہیں کہ:

''عالم گیریت کا مطلب ہرگز مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنا نہیں ہے؛ بل کہ اس کا مطلب تمام مقامی اور قومی تہذیبوں کو مٹا کر پوری دنیا کو مغربی رنگ میں رنگ دینا ہے۔'' (۳)

---

(۱) روزنامہ الخلیج ۵/۲/۲۰۰۰ء۔
(۲) ایضاً
(۳) رسالہ المنتدی عدد ۱۹۳، اگست ۱۹۹۹ء۔

(۴) ڈاکٹر ''عبدالوہاب المسیری'' کہتے ہیں کہ:

''عالم گیریت مغربی روشن خیالی کی دعوت وتحریک کا نام ہے، جس کا مقصد تہذیبی اور انسانی خصوصیات کا خاتمہ کرنا ہے۔''(۱)

(۵) ڈاکٹر ''مصطفیٰ محمود'' کہتے ہیں کہ:

''گلوبلائزیشن وطن کی وطنیت اور قوم کی قومیت کا خاتمہ کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آیا ہے، یہ کسی بھی قوم کے دینی، معاشرتی اور سیاسی انتساب کو ختم کرنے کا داعی ہے، تاکہ اس قوم کی حیثیت بڑی طاقتوں کے ادنی خادم کی سی رہ جائے۔(۲)

(۶) گلوبلائزیشن سیاسی واقتصادی اصولوں، معاشرتی وثقافتی اقدار اور زندگی کے طرز اور طور وطریق کے ڈھانچے کا نام ہے، جو پوری دنیا پر زبردستی مسلّط کیا جائے گا اور لوگوں کو اسی کے کھینچے ہوے دائرے میں زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے گا۔(۳)

(۷) گلوبلائزیشن امریکی تہذیب اور وہاں کے طرز زندگی کو پوری دنیا پر تھوپنے کی کوشش کا نام ہے، یہ ایک ایسا نظریہ ہے، جو سارے عالم پر بلاواسطہ اقتدار وبالادستی کا عکاس ہے۔(۴)

(۸) عالم گیریت سیکولر اور مادّیت پرست فلسفے اور اس سے متعلق

---

(۱) ماہنامہ المستقبل عدد ۱۳۰، صفر ۱۴۲۳ھ مئی ۲۰۰۲ء۔

(۲) رسالہ الاسلام وطن عدد ۱۳۸ ص: ۱۲، ۱۹۹۸ء۔

(۳) العرب والعولمۃ، از محمد عابد الجابری ص: ۱۳۷۔

(۴) ایضاً

اقدار و قوانین اور اصول و تصورات کو باشندگانِ عالم پر مسلط کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ (۱)

(۹) گلوبلائزیشن ایک ایسی تحریک ہے، جس کا مقصد مختلف اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی نظاموں، رسوم و رواج اور دینی، قومی اور وطنی امتیازات کو ختم کر کے، پوری دنیا کو امریکی نظریے کے مطابق، جدید سرمایہ دارانہ نظام کے دائرے میں لانا ہے۔ (۲)

(۱۰) ڈاکٹر ''صادق جلال العظم'' گلوبلائزیشن کی تعریف کرتے ہیں کہ:

''یہ تمام ممالک کو ایک مرکزی ملک (امریکہ) کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے۔'' (۳)

(۱۱) بہت سے مفکرین نے نہایت مختصر انداز میں عالم گیریت کی یہ تعریف کی ہے کہ:

''گلوبلائزیشن کے معنی ہیں ''حدود کا اختتام'' یہ جامع تعریف بڑی طاقتوں کے منصوبے کی ترجمانی کرتی ہے کہ مستقبل میں ہر قسم کی حد بندی، خواہ اس کا تعلق اقتصاد سے ہو یا سیاست سے، تہذیب سے ہو یا ثقافت سے، علم و دانش سے ہو یا طرزِ زندگی سے، ختم کر دی جائے گی اور دنیا مختلف رنگوں کے بجائے ایک ہی رنگ کی ہوگی۔''

مذکورہ بالا تمام تعریفات میں اگرچہ الفاظ کا اختلاف ہے؛ لیکن یہ مختلف

(۱) الإسلام والعولمة، از محمد ابراہیم المبروک ص: ۱۰۱، طبع قاہرہ ۱۹۹۹ء۔
(۲) العولمة، از صالح الرقب ص: ۶۔
(۳) ما العولمة؟ از حسن حنفی و صادق جلال العظم ص: ۱۳۶، طبع دار الفکر بیروت۔

الفاظ ایک ہی معنی اور ایک ہی مفہوم بیان کر رہے ہیں، مذکورۃ الصدر اربابِ فکر و دانش کی ذکر کردہ یہ تعریفات، گلوبلائزیشن کے اصلی چہرے سے نقاب اٹھا رہی ہیں اور مغربی صہیونی طاقتوں خصوصاً امریکہ کے عزائم پر پڑا ہوا پردہ فاش کر رہی ہیں اور جو لوگ اپنے دل میں دین و مذہب، تہذیب و ثقافت، تاریخ و قومیت اور عزت و وقار کی حفاظت کا درد رکھتے ہیں، ان کو خبردار کر رہی ہیں کہ ان کی چھوٹی سی بھول اور غفلت بھی تاریخ کے بدترین المیے پر منتج ہو سکتی ہے، ایک ایسا المیہ کہ جب وہ رونما ہوگا، تو اقوامِ عالم کا اپنے ماضی سے رابطہ منقطع ہو چکا ہوگا، لوگ مستقبل کے نتائج سے بے خبر، حال کی بھول بھلیوں میں گم ہو چکے ہوں گے، شاید اسی المیے سے نام نہاد ''مہذب'' دنیا کے تاریک ترین دور کا آغاز ہوگا، موجودہ دور میں اپنی تہذیب و ثقافت پر فخر کرنے والے، کل مغربی تہذیب سے سرشار؛ بل کہ اس میں شرابور ہو کر اپنے تاریخی ورثے پر لعنت بھیجیں گے اور مختلف رنگوں اور شکلوں سے آراستہ آج کی انسانیت، کل بدتہذیبی کی سیاہی میں ڈوب کر بدصورت ہو جائے گی۔

گلوبلائزیشن تاریخ کے آئینے میں

لفظ ''گلوبلائزیشن'' چوں کہ طاقت ور کے کم زور پر بالادست ہونے کے معنی کی عکاسی کرتا ہے، اس لیے یہ لفظ اگرچہ جدید ہے؛ لیکن اس کے معنی قدیم ہیں؛ بل کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماقبل مسیح ہی سے اس لفظ کے معنی سے روئے زمین آشنا ہے، یہ صورت حال صرف لفظ ''گلوبلائزیشن'' ہی کے ساتھ

خاص نہیں ہے؛ بل کہ اس کے علاوہ بھی دیگر اصطلاحات ہیں، جو خود تو نئے دور کی پیداوار ہیں؛ لیکن ان کے معانی صدیوں سے متعارف ہیں، چناں چہ "Ideology" (نظریے) کی اصطلاح سب سے پہلے فرانسیسی فلسفی "دسٹوٹ دوٹراسی" کی کتاب کے ذریعے اٹھارہویں صدی میں عام ہوئی، حال آں کہ ماضی میں قدیم زمانے ہی سے مختلف نظریات وعقائد پائے جاتے رہے ہیں۔

گلوبلائزیشن کی اصطلاح بھی دوسری جنگ عظیم کے بعد کی پیداوار ہے؛ لیکن اس کے معنی قدیم ترین دور سے متعارف ہیں۔ اسکندر اعظم کا سارے عالم پر قبضہ کرنے کا خواب اسی فکر کا غماز تھا، حتی کہ اقتصادی میدان میں موجودہ گلوبلائزیشن کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ ہر ملک کی آمدنی سے ایک مخصوص طبقے کو فائدہ پہنچتا ہو، اس معنی کے اعتبار سے گلوبلائزیشن کا وجود عہد عباسی میں بھی ملتا ہے، مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ:

"چاہے جہاں برس، تیرا خراج میرے ہی پاس آئے گا۔"(۱)

یہ الگ بات ہے کہ خلافت عباسیہ کے دور میں مختلف ممالک سے ملنے والا خراج، عوامی فلاح و بہبود میں خرچ کیا جاتا تھا اور آج محنت سے کمائی کرنے والے لوگوں کی آمدنی کے ذریعے، نیویارک کی بلند و بالا عمارتوں میں بیٹھے ہوئے سرمایہ دار اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔

لیکن کچھ محققین کا خیال ہے کہ گلوبلائزیشن کا آغاز پندرہویں صدی عیسوی سے ہوا ہے، جب یورپ نے تجارت و مواصلات کے میدان میں اپنی

(۱) انهيار مزاعم العولمة، از عزت سید احمد ص: ۷۔

ترقیات کا سلسلہ شروع کیا، کیوں کہ گلوبلائزیشن کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ مختلف قوموں کے درمیان سامان تجارت، سروسز (خدمات) رأس المال اور افکار و خیالات کا تبادلہ ہو، چناں چہ جس وقت سے یورپ کی ترقیات کا آغاز ہوا اسی وقت سے یہ بنیادی عنصر وجود پذیر ہے، اگر چہ گزشتہ ۳۰ سالوں میں عالم گیریت کے اس بنیادی عنصر میں کافی حد تک تبدیلی آئی ہے، اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عالم گیریت کا وجود گزشتہ پانچ صدیوں سے ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ صدی کے اواخر میں گلوبلائزیشن کے معنی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے منظم طور پر کوششوں کا آغاز ہوا، اگر چہ لفظ ''گلوبلائزیشن'' کا وجود اس وقت بھی نہیں ہوا تھا، چناں چہ جون ۱۸۹۷ء میں ''سوئٹزر لینڈ'' کے مشہور شہر ''باسل'' میں صہیونیوں کی پہلی عالمی کانفرنس صہیونی لیڈر ''تیورد ہرتزل'' کی زیر صدارت منعقد ہوئی، جس میں ۵۰ عالمی یہودی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے ۳۰۰ یہودیوں نے شرکت کی، انھوں نے اس کانفرنس میں ۵۰ سال کے اندر اندر عالمی صہیونی حکومت کے قیام اور پوری دنیا کو غلام بنانے کا منصوبہ بنایا اور نہایت خفیہ طریقے سے چند ایسی تجاویز پاس کیں، جن کو ''حکمائے صہیونیت کے پروٹوکولز'' کہا جاتا ہے۔(۱)

یہ ''پروٹوکولز'' ایک کتاب کی صورت میں ہیں، جو ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے، اس کتاب کے گیارہویں اور انیسویں باب میں عالمی حکومت کا تخیل ملتا

---

(۱) اخبار الرائد لکھنؤ، مقالہ: بروتوکولات حکماء صهيون، ۱۳/ صفر ۱۴۲۴ھ بہ حوالہ: التربية الإسلامية عدد ۱۰۔

ہے، جب کہ بارھویں باب میں میڈیا کو قابو میں لانے اور سولھویں باب میں تعلیم کے ذریعے ذہنی تطہیر کا منصوبہ موجود ہے۔ (۱)

ان پروٹوکولز میں یہودی مفکرین نے آنے والی نسلوں کو یہ وصیت کی ہے کہ وہ عظیم تر اسرائیل، بہ الفاظ دیگر عالمی صہیونی حکومت کے قیام کے لیے، تمام مادّی وسائل پر قبضہ کرلیں، سونے کی کانوں کو اپنی ملکیت میں لے لیں، تاکہ ان کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت، مستقبل کی مملکت کے قیام کی راہیں ہموار کردے، ذرائع ابلاغ کو اپنے کنٹرول میں لے لیں، تاکہ رائے عامہ ہموار کرنے میں آسانی ہو۔گلوبلائزیشن آج اقتصاد اور میڈیا کی راہ سے ایک مؤثر طاقت بنتا جارہا ہے اور سو سال کے بعد یہودی نسل، اپنے آباواجداد کی وصیتوں کو عملی جامہ پہنارہی ہے۔

۱۸۹۷ء میں عالمی یہودی کانفرنس کے انعقاد کے بعد اس اجتماع کی تجاویز پر بہ تدریج عمل شروع ہوگیا، ہر شخص اپنے اپنے میدان میں عظیم تر اسرائیل کا خواب دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا، اقتصادیات کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد، اب سیاسی میدان کی باری تھی، پوری دنیا پر حکومت کرنے کے لیے کسی ایسی عالمی تنظیم کا قیام ضروری تھا، جو حکومتوں سے بھی زیادہ بااختیار اور طاقت ور ہو، اس کے لیے ۱۹۱۷ء میں امریکی صدر ''ولسن'' کے سیاسی مشیر ''کرنل مانڈیل ہاؤس'' نے اپنے رفقا کی مدد سے ''لیگ آف نیشنز'' کا سانچہ تیار کیا اور اس تخیل کو امریکی قوم کے

(۱) مغربی میڈیا از مولانا نذر الحفیظ ندوی ص ۶۸۔

سامنے پیش کرنے کے لیے صدر ''ولسن'' کو آمادہ کرلیا۔ (۱) ابتدائی ناکامیوں کے بعد بالآخر لیگ آف نیشنز کا قیام عمل میں آگیا، جس کو آگے چل کر یہودی دماغوں نے اپنے ناپاک عزائم پورا کرنے سے قاصر ہونے کی بنا پر، تاریخ کے حوالے کر دیا اور اس کے بجائے اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، جو آج یہودی مفادات کے تحفظ کے لیے اپنی تمام تر قوت صرف کیے ہوئے ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد

دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ و برطانیہ (جو اس جنگ میں فاتح رہے تھے) کے حق میں حالات سازگار ہوتے چلے گئے، امریکہ عالمی نقشے پر ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا، جنگ عظیم سے پہلے یورپ کے پاس جو مقامِ صدارت تھا، وہ امریکہ منتقل ہو رہا تھا، صہیونیوں نے اپنی پہلی عالمی کانفرنس میں عظیم تر اسرائیل کا جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر انھیں امریکہ کی سرزمین پر تلاش کرنی تھی، اس لیے حالات کی موافقت کو دیکھتے ہوئے یہودیوں نے امریکیوں کو گلوبلائزیشن کی راہ پر ڈال دیا۔ ٹورنٹو یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والا کناڈائی ماہر عمرانیات ''مارشل میک'' وہ پہلا شخص ہے جس نے گلوبلائزیشن کی اصطلاح استعمال کی، سیاسی حلقوں میں سب سے پہلے امریکی صدر ''جمی کارٹر'' کے مشیر ''برجینسکی'' نے یہ اصطلاح استعمال کی، اس نے ایک تقریر کے دوران کہا کہ:

---

(۱) مغربی میڈیا ص: ۶۸۔

"امریکہ جو ذرائع ابلاغ کے ۶۵ فی صد حصے کا مالک ہے، تجدّد کا عالمی نمونہ بننے اور امریکی اقدار، آزادی اور حقوق انسانی کی نشر واشاعت کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔"(۱)

مغرب کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ اپنے مفادات کے مطابق قوانین ونظریات نافذ کرنے سے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتا ہے، اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کی مدد سے عوامی تایید حاصل کی جاتی ہے، میڈیا کو اس کام کے لیے وقف کردیا جاتا ہے کہ وہ اس طرح کے مضامین، خبریں اور انٹرویو شائع کرے، جن سے عوام اس نظریے کی تایید کرنے پر مجبور ہو جائیں، "عالم گیریت" کے سلسلے میں بھی یہی پالیسی اختیار کی گئی، اس تحریک کو قابل قبول بنانے اور اس کے نتائج کو فوائد کی شکل میں پیش کرنے کے لیے، صہیونی دماغ رکھنے والوں سے مقالات ومضامین لکھوائے گئے، کتابیں تصنیف کرائی گئیں اور سیمینار و کانفرنسیں منعقد کرائی گئیں۔

اس سلسلے کی پہلی کتاب جاپانی نژاد امریکی باشندے "فرانس فوکویاما" نے ۱۹۸۹ء میں The End of The History (تاریخ کا اختتام) کے نام سے لکھی، اس کتاب میں گلوبلائزیشن کے نظریے کو پوری قوت کے ساتھ پیش کیا گیا، کتاب کا مقصد دراصل عوام وخواص کے حلقوں کا ردّ عمل جاننا تھا، اس لیے کتاب کی تشہیر بھی اسی انداز پر کی گئی، چناں چہ عالمی سطح پر بڑی تعداد میں ردّ عمل سامنے آئے، کچھ کتاب میں پیش کیے گئے نظریے کی موافقت میں اور

---

(۱) العولمة، از صالح الرقب ص:۱

کچھ مخالفت میں۔(۱)

۱۹۹۲ء میں ''فرانسس فوکویاما'' نے ''عالم گیریت'' کے موضوع پر دوسری کتاب لکھی جو The End of The History and The Last Man (تاریخ کا اختتام اور آخری انسان) کے نام سے The Free Press (فری پریس) نیویارک سے شائع ہوئی،(۲) اس کتاب کا مقصد بھی عالمی سطح پر ردعمل کو جاننا تھا، تاکہ ''عالم گیریت'' کو امریکی نظریے کے مطابق متعارف کرایا جاسکے اور پھر ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو ہموار کیا جاسکے، اس کتاب میں ''فرانسس'' نے یہ دعویٰ کیا کہ:

''آج ہم انسانی تاریخ کے فیصلہ کن مرحلے میں قدم رکھ چکے ہیں، ایک ایسے مرحلے میں جو دیگر تمام عالمی نظاموں کے مقابلے میں مغربی، جمہوری، لیبرل اور سرمایہ دارانہ نظام کی فتح ونصرت کے لیے وجود پذیر ہوا ہے، دنیا حماقت کے ایک طویل دور سے گزرنے کے بعد یہ جان چکی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی بہترین اقتصادی نظام ہے، مغربی لیبرل نظام ہی بشریت کے لیے واحد طرزِ زندگی ہے، امریکہ اور یورپ اپنے اقتصادی پھیلاؤ کی وجہ سے، تاریخ کے آخری مرحلے میں قیادت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں اور مغربی انسان ہی مکمل اور بہتر انسان ہے۔''(۳)

''فرانسس فوکویاما'' نے یہ افکار وخیالات اپنی کتاب میں اس لیے

---

(۱) ما هي العولمة، از صادق جلال العظم ص:۳۷ طبع بیروت۔

(۲) ایضاً

(۳) الإسلام والغرب والديمقراطية، از جودت سعید وعبدالوہاب علوانی ص:۱۸۶، طبع ۱۹۹۷ء، دمشق۔

پیش کیے، تاکہ مغربی عوام کو گلوبلائزیشن کا حامی اور ہم نوا بنایا جا سکے، اس تحریک پر ان کی تایید حاصل کی جا سکے اور مغرب کو متحد کر کے گلوبلائزیشن کے نظریے کو پوری طاقت کے ساتھ نافذ کیا جا سکے۔

اس کتاب کے شائع ہونے کے فوراً بعد ۱۹۹۳ء میں امریکی وزارت خارجہ کے ''آرگن'' اور کثیر الاشاعت رسالے ''فارن افیئرز'' (Foreign Affairs) میں یہودی مفکر صموئل ہینٹنگٹن کا مضمون The Clash of Civilizations? (تہذیبوں کا ٹکراؤ) شائع ہوا، اس مضمون کو صموئل نے ۱۹۹۶ء میں کتابی شکل دی اور اس کا نام The Clash of Civilizations and The Remaking of The World Order (تہذیبوں کا ٹکراؤ اور عالمی نظام کی دوبارہ تعمیر) رکھا، جو نیویارک سے شائع ہوئی، اس کتاب کو بھی عالمی سطح پر اتنی ہی شہرت ملی جتنی ''فوکویاما'' کی دونوں کتابوں کو حاصل ہوئی تھی، صموئل کا مضمون اور کتاب، دونوں ہی موضوع بحث بن گئے اور ہر جگہ سے ردّعمل آنے شروع ہو گئے، صموئل نے اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے کہ:

> ''فارن افیئرز رسالے کے ذمے داروں نے انھیں اطلاع دی، کہ ان کے مضمون نے ایسی مقبولیت حاصل کی ہے کہ گزشتہ ۴۰ سالوں میں رسالے کے کسی مضمون کو حاصل نہیں ہوئی، ان کے مضمون نے بحث ومباحثے کا بازار گرم کر دیا، پانچوں برّ اعظموں سے لاتعداد ردّعمل اور تبصروں کا موصول ہونا اس بات کا پتا دیتا ہے کہ ان کے مقالے نے روئے زمین کی تمام تہذیبوں کے پیروکاروں کے

دل میں گہرا اثر چھوڑا ہے۔''(۱)

ایک طرف یہ کتابیں تصنیف کی جارہی تھیں، تو دوسری طرف امریکی ویہودی پالیسی ساز ادارے، گلوبلائزیشن کے نفاذ کو آخری شکل دینے میں مصروف تھے، گلوبلائزیشن کے موضوع پر لکھی جانے والی مشہور کتاب ''فخ العولمۃ'' (عربی ترجمہ) کے مصنفین ''ہینس پیٹر مارٹن'' اور ''ہیرالڈ شومین'' لکھتے ہیں کہ:

''عالم گیریت کے نفاذ کا آغاز اسی دن ہوگیا تھا جب ۱۹۹۵ء میں سابق روسی صدر ''گورباچیوف'' نے امریکی شہر ''سان فرانسسکو'' کے مشہور ''پیرامنٹ'' ہوٹل میں پانچ سو افراد کو دعوت دی، جن میں سیاسی قائدین، سماجی مفکرین، کمپیوٹر اور ٹکنالوجی کے ماہرین اور اسٹین فورڈ، ہارورڈ اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبۂ معاشیات کے پروفیسروں نے شرکت کی، بند کمرے کی اس میٹنگ کا مقصد یہ تھا کہ اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لیے نقشۂ راہ متعین کیا جائے، میٹنگ میں جن مشہور سیاست دانوں نے حصہ لیا، ان میں سابق امریکی صدر جارج بش سینیئر، سابق امریکی وزیر خارجہ شولٹز اور سابق برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر قابل ذکر ہیں۔''(۲)

تدریجی طور پر جہاں ایک طرف ''عالم گیریت'' کے حق میں رائے عامہ ہموار کی جارہی تھی، وہیں اس کو نافذ بھی کیا جارہا تھا، حتی کہ آج جب ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں، عالم گیریت کا ۴۰ فی صد حصہ سات

(۱) ماهي العولمة، از جلال العظم ص:۴۷۔
(۲) العولمة، از صالح الرقب ص:۸۔

سال کے اس مختصر سے عرصے میں نافذ ہو چکا ہے اور جس تیزی کے ساتھ وسائل میں ترقی ہو رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ گلوبلائزیشن کا مہیب سایہ افق پر چھاتا جا رہا ہے۔

گلوبلائزیشن کی راہ کس نے ہموار کی؟

عالم گیریت کے پالیسی ساز اداروں نے ''جدید عالمی نظام'' کو قابل عمل بنانے کے لیے، جن وسائل کے ذریعے راہ ہموار کی، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آزاد عالمی تجارت:

اس طرز تجارت کا مقصد یہ ہے کہ ایک عالمی منڈی میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک تجارت کے میدان میں طبع آزمائی کریں، اس منڈی کے دروازے تمام عالمی اقتصادی طاقتوں کے لیے کھلے ہوئے ہوں اور وہ آزاد مقابلہ آرائی کے اصول کے تابع ہوں۔ (۱) ایسی صورت میں ترقی یافتہ ممالک کی کمپنیوں کا غالب آجانا یقینی ہے، جن کے پاس اپنی مصنوعات کی تشہیر اور اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اتنا سرمایہ ہے، جو بعض ملکوں کے سالانہ بجٹ سے بھی متجاوز ہے، ایسی مغربی کمپنیوں کے سامنے ترقی پذیر ممالک کی کمپنیاں باقی نہیں رہ پائیں گی، جن کے پاس نہ تشہیر کے بھرپور وسائل ہیں اور نہ اپنی مصنوعات کو اعلیٰ معیار کا حامل بنانے کے لیے مطلوب سرمایہ، اس لیے

---

(۱) العولمة، از صالح الرقب ص: ۸۔

یہ کھلا بازار اقتصادی میدان میں ایک نظریے کی حامل کمپنیوں کی اجارہ داری اور عالم گیریت کے نفاذ کی راہ میں زینے کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) براہ راست غیر ملکی سرمایہ داری:

کسی ملک میں باہر کی کمپنیوں کا تجارت کرنا، اپنی کمپنیاں کھول لینا اور وہاں سرمایہ لگانا، ''براہ راست غیر ملکی سرمایہ داری'' کہلاتا ہے، اس کو اقتصادیات کی اصطلاح میں Foreign Direct Investement (فارن ڈائرکٹ انوسٹمنٹ) کہا جاتا ہے۔(۱)

عالمی طاقتوں نے ترقی پذیر ممالک سے معاہدے کرکے اور کانفرنسوں میں منشور جاری کرکے، دوسرے ممالک میں سرمایہ کاری کو قانونی حیثیت دے دی ہے، اب کوئی بھی کمپنی کسی بھی ملک میں تجارت کرسکتی ہے، اسی سنہرے موقع کے ہاتھ آجانے کے بعد، مغربی کمپنیاں ترقی پذیر ممالک میں لنگر انداز ہوگئیں اور وہاں کی اقتصادیات کو نگلنا شروع کردیا، یہ کمپنیاں اپنی مصنوعات کے ساتھ ساتھ مغربی اقدار، ثقافت اور تہذیب بھی لاتی ہیں، مزید برآں ان کمپنیوں کی ترقی پذیر ممالک میں آمد اتنی کثیر المقاصد ہے کہ جہاں ان کو سرمایہ کاری کے نتیجے میں خود فائدہ پہنچتا ہے، وہیں چند عالمی بنکوں کو بھی زبردست نفع ہوتا ہے، جو یہودی لابی کے زیر اثر ہیں، کیوں کہ عالمی کمپنیاں جو بھی سرمایہ لگاتی ہیں، وہ انھی عالمی بنکوں کے واسطے سے لگایا جاتا ہے، اس لیے یہ عالمی بنک اس سرمایے سے بھاری نفع حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ،

---

(۱) ایضاً۔

تجارتی لین دین پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اپنے ملک کی معیشت کو بھی تقویت پہنچاتے ہیں۔

(۳) ٹکنالوجی کے میدان میں انقلاب:

ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی اس دور کا اہم ترین امتیاز ہے، جو ملک بھی اس میدان میں آگے ہے وہ اقتصادیات کے دروبست پر بھی حاوی ہے، اس ترقی کے نتیجے میں پوری دنیا ایک دوسرے کے قریب ہوگئی، مشرق ومغرب کی دوریاں سمٹ گئیں اور لفظ ''مسافت'' کی اب کوئی حقیقت نہیں رہی، اس ترقی کی وجہ سے مال، سامان اور سروسز (خدمات) کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کچھ مشکل نہیں رہ گیا ہے، انٹرنیٹ کے ذریعے ایک بٹن دبا کر مطلوبہ چیز حاصل کرنا ایک حقیقت بن چکا ہے؛ لیکن ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی بھی صنعتی ممالک کے حصے میں آئی ہے، جو اس ٹکنالوجی کی مدد سے اپنی صنعت کو مضبوط کر رہے ہیں اور اپنی مصنوعات کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا رہے ہیں، ٹکنالوجی بالخصوص انفارمیشن ٹکنالوجی نے عالم گیریت کی راہ کی تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے۔(۱)

(۴) کثیر الملکی کمپنیوں کا پھیلاؤ:

موجودہ دور کو جہاں عالم گیریت کا دور کہا جاتا ہے وہیں اس کو کثیر الملکی (ملٹی نیشنل) کمپنیوں کے دور سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، اس لیے کہ یہ کمپنیاں گلوبلائزیشن کی اہم ترین آلۂ کار ہیں اور عالمی افق پر ان کی بڑی

(۱) ایضاً ص:۹۔

حیثیت ہے، کیوں کہ جغرافیائی حدود کی پابند نہ ہونے کی بنا پر یہ کمپنیاں کئی ممالک میں سرمایہ کاری کرتی ہیں اور ان کی اقتصادیات پر سانپ بن کر بیٹھ جاتی ہیں اور پھر وہی ہوتا ہے جو ان کمپنیوں کو منظور ہوتا ہے، ترقی پذیر ممالک ان کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں اور ان کے مالکان کے سامنے دست بستہ نظر آتے ہیں، کم از کم اقتصادی میدان میں ان کی خواہشات کے مطابق قوانین بنتے اور ٹوٹتے ہیں۔(۱)

عالم گیریت کی تمہیدات

اس گفتگو سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ گلوبلائزیشن کا مقصد مختصر الفاظ میں امریکنائزیشن (Americanization) یا دوسرے الفاظ میں، پوری دنیا پر امریکی بالادستی کو تھوپنا ہے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ عالم گیریت اچانک رونما نہیں ہوئی؛ بل کہ سرمایہ دار طاقتوں کی طرف سے اس کے لیے منصوبہ بند اور مؤثر کوششیں ہوئیں، میدان صاف کیا گیا اور راہیں ہموار کی گئیں، اگر ہم گزشتہ نصف صدی کی تاریخ پر نظر ڈالیں، تو اندازا ہوگا کہ بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، جن کو عالم گیریت کی تمہید یا مقدمے کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

چناں چہ لیگ آف نیشنز اور پھر اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، جس کے

---

(۱) العولمة ص: ۹ بحوالہ: العولمة والعالم الإسلامي: أرقام وحقائق، از عبد سعید عبد اسماعیل، طبع دار الاندلس الخضراء ۲۰۰۱ء۔

ذیلی اداروں میں ''عالمی بنک'' اور ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' قابل ذکر ہیں، جن کی سرپرستی میں عالم گیریت نے اقتصادی میدان میں فتح حاصل کی ہے، پھر ۱۹۴۷ء کو ''جنیوا'' میں ۲۳ صنعتی ملکوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جو ''گاٹ'' معاہدے (تجارت اور کسٹم ڈیوٹی پر ہونے والا معاہدہ) کے نام سے جانا جاتا ہے، اس معاہدے کا مقصد یہ تھا کہ آزاد تجارت کو فروغ دیا جائے اور معاہدے پر دستخط کرنے والے ممالک، اپنی منڈیوں کے دروازے ایک دوسرے کے لیے کھول دیں، اس معاہدے نے ۱۹۴۷ء میں صرف ۲۳ ممالک کی سرپرستی میں اپنا سفر شروع کیا، ۱۹۹۳ء تک اس میں ۱۱۷ ممالک شریک ہو چکے تھے، اسی طرح کا ایک اور معاہدہ ''ماسٹریکٹ'' کے نام سے مشہور ہوا، جو ۱۵ صنعتی ممالک کے درمیان عمل میں آیا۔

بہت سے سیاسی واقعات بھی عالم گیریت کے لیے ''مقدمۃ الجیش'' ثابت ہوئے، چناں چہ سرد جنگ کا اختتام ہوا، اس سے پہلے پوری دنیا دو طاقتوں کے درمیان منقسم تھی، روس کی شکست کے بعد اس کے زیر اثر ممالک پر بھی امریکی اجارہ داری کا آغاز ہو گیا، سابق روسی صدر ''میخائیل گورباچیوف'' نے امریکی اشارے پر ۱۹۸۵ء میں کمیونزم کے اقتصادی نظام کی اصلاح کا اعلان کیا، جس کو اس وقت ''پیروسٹرویکا'' کا نام دیا گیا، یہ اعلان درحقیقت ''کمیونزم'' کی ناکامی اور ''سوویت یونین'' کے سقوط کا اعلان تھا، افغانستان کے بلند و بالا پہاڑوں سے ٹکرانے کے بعد، کمیونزم اسی سرزمین میں دفن ہو گیا، اور اس طرح دنیا کی دوسری بڑی طاقت، جو ''سوویت یونین'' کے نام سے جانی

پہچانی جاتی تھی، تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی۔ ۱۹۸۹ء میں ''دیوار برلن'' کے انہدام اور مشرقی و مغربی جرمنی کے اتحاد کے بعد، ''کمیونزم'' کا مشرقی یورپ سے بھی جنازہ نکل گیا، پھر ۱۹۹۱ء میں خلیجی جنگ کا آغاز ہوا، جس کے بہانے امریکہ کو خلیج کے علاقے میں اپنے فوجی اڈے قائم کرنے کا موقع مل گیا، ان تمام واقعات نے امریکہ کو عالمی اقتدار کے عرش پر بیٹھنے اور جدید عالمی نظام کی قیادت کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔

اپریل ۱۹۹۵ء میں مراکش کی راجدھانی ''رباط'' میں عالمی تجارتی تنظیم (۱) (ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن) کا قیام عمل میں آیا، جو دراصل ''گاٹ'' معاہدے کی تجدید کی ایک کامیاب کوشش تھی، یہ تنظیم گلوبلائزیشن کو نافذ کرنے کے سلسلے میں ''عالمی بنک'' اور ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' کی مددگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ عالم گیریت کی عمارت میں اس وقت آخری اینٹ رکھ دی گئی، جب سوئٹزرلینڈ کے شہر ''جنیوا'' میں فروری ۱۹۹۷ء کو عالمی تجارتی تنظیم کے بینر تلے، انفارمیشن ٹکنالوجی کے آزادانہ استعمال سے متعلق عالمی معاہدہ ہوا، جس سے اس ٹکنالوجی پر کنٹرول رکھنے والے ترقی یافتہ ممالک، خصوصاً امریکہ کو ترقی پذیر ممالک میں اپنے اقدار ونظریات اور اپنی تہذیب وثقافت کو رواج دینے کا موقع مل گیا۔

مشرقی یورپ کی ''ناٹو'' میں شمولیت اور بہت سے عرب ممالک کے ''عالمی تجارتی تنظیم'' کا ممبر بن جانے کی وجہ سے بھی گلوبلائزیشن کو نہایت

---

(۱) اس تنظیم کا مکمل تعارف آنے والے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

سرعت کے ساتھ پھیلنے میں مدد ملی ہے، پھر اسرائیل کے اقتصادی ایجنڈے بھی عالم گیریت کے لیے مددگار ثابت ہوئے، جن کا مقصد ''عظیم تر اسرائیل'' کا خواب دیکھنے والے صہیونیوں کے مفادات کے مطابق، مشرق وسطیٰ کی عالم کاری کرنا ہے، اپنے خواب کی تعبیر تلاش کرنے کے لیے انھوں نے عرب ممالک کے ساتھ امن معاہدوں اور اس ضمن میں اقتصادی معاہدوں کا سہارا لیا، جن کی سرپرستی کے لیے امریکہ ہمیشہ حاضر باش رہا، ان معاہدوں سے امریکہ کا سب سے بڑا حلیف اور عالم گیریوں کا اصل وطن ''اسرائیل''، جہاں سیاسی اعتبار سے مضبوط ہوا، وہیں اقتصادی اعتبار سے بھی طاقت ور بن گیا۔

پھر مختلف ممالک میں قائم عالمی ''اسٹاک ایکس چینجز'' نے بھی عالم گیریت کو ابھرنے میں بڑا تعاون دیا ہے، کیوں کہ ان اسٹاک مارکیٹوں کی وجہ سے جو شخص جہاں بھی اور جتنا بھی سرمایہ تجارت میں لگا رہا ہے، اس کا سرمایہ عالمی سطح پر لگ رہا ہے اور عالم گیریت کا مقصد بھی یہی ہے کہ سرمایہ کاری کسی ملک میں محدود نہ رہے؛ بل کہ عالمی سطح پر ہو، تاکہ آزادانہ عالمی تجارت کو فروغ مل سکے۔ (۱)

یہ چند سیاسی اور اقتصادی حالات ہیں جنھوں نے ''عالم گیریت'' کو رواج دینے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور اس کو نظریے سے حقیقت اور فکر وخیال سے واقعے کا روپ دے دیا ہے، ان واقعات کے جائزے سے اندازا ہو جاتا ہے کہ ''عالم گیریت'' اچانک پیدا نہیں ہوئی، جدید عالمی نظام بیٹھے بیٹھے نہیں بن گیا؛ بل کہ یہودی دماغوں نے سالہا سال کی کوششوں اور

(۱) العولمة، از صالح الرقب ص: ۸ تا ۱۰۔

سازشوں سے گلوبلائزیشن کے لیے راہ ہموار کی اور ایسے حالات پیدا کیے کہ مذکورہ واقعات ''نئے عالمی نظام'' کی تمہید بن گئے۔

جدید عالمی نظام کے مرکزی عناصر

عالم گیریت چند مرکزی عناصر سے مل کر وجود پذیر ہوئی ہے، جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سرمایہ دارانہ نظام کا فروغ:

اشتراکی نظام کے شکست خوردہ ہو جانے کی وجہ سے، سرمایہ دارانہ نظام کو تمام معاشروں پر ایسی اقدار مسلط کرنے کا موقع مل گیا، جنھیں امریکہ پروان چڑھا رہا ہے، اقوام متحدہ کی تابع عالمی تنظیمیں جیسے ''عالمی بنک'' ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' اس کی مدد کر رہے ہیں، جب کہ ان تنظیموں کی سرپرستی میں ہونے والے عالمی معاہدے، امریکہ کے لیے راستہ صاف کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

(۲) ایک مرکز:

سوویت یونین کے سقوط اور اس کے عالمی ڈھانچے ''وارسو'' کے خاتمے کے بعد، امریکہ تنہا عالمی قائد کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا ہے، انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ طاقت میں توازن ختم ہو چکا ہے اور امریکہ عسکری اور اقتصادی میدانوں میں اتنا مضبوط ہو چکا ہے کہ کوئی ملک کبھی بھی اتنا مضبوط نہیں رہا۔ طاقت میں عدم توازن کی وجہ سے آج امریکہ نے

ایک مرکز ثقل کی حیثیت اختیار کرلی ہے، جب کہ دیگر تمام ممالک اس کا طواف کرتے نظر آتے ہیں، مرکزیت کے اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہی امریکہ کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ ''جدید عالمی نظام'' دنیا کے ملکوں پر مسلط کرسکے، خواہ وہ اس کے لیے راضی ہوں یا نہ ہوں۔

(۳) مواصلات کے میدان میں انقلاب:

یوں تو انسانی تاریخ میں بہت سے انقلابات آئے ہیں، ان میں سے کچھ بے انتہا اہمیت کے حامل ہیں اور کچھ وقتی طور پر موثر رہے اور بعد میں تاریخ کے اوراق میں گم ہوگئے، ٹکنالوجی کے میدان میں آنے والا انقلاب نہایت اہم اور ناقابل فراموش انقلابات میں شمار کیے جانے کا مستحق ہے، اس انقلاب نے دنیا کو حیرت واستعجاب کے مقام پر لاکر کھڑا کردیا ہے، کمپیوٹر اسی انقلاب کی دین ہے، جو موجودہ دور میں ایک سکینڈ کے اندر دنیا کے دوارب مختلف کاموں کو پورا کررہا ہے، اگر کمپیوٹر کے بغیر وہ کام کیے جائیں، تو ان کی تکمیل میں ایک ہزار سال کا عرصہ لگ سکتا ہے، اس انقلاب کی دوسری دین مواصلاتی ترقی ہے، جس کی وجہ سے مختلف افراد، معاشرے اور ممالک ایک دوسرے سے جڑ چکے ہیں اور مواصلاتی وسائل جیسے ٹیلیفون، فیکس، ٹیلی ویژن، ریڈیو، ای میل اور انٹرنیٹ وغیرہ کی مدد سے چوبیس گھنٹے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں یا یوں کہیے کہ مغرب سے مشرق میں تہذیب وثقافت کی منتقلی ہورہی ہے، جس کی وجہ سے عالم گیریت برق رفتاری سے عالم کے افق پر پھیلتی نظر آرہی ہے۔(۱)

(۱) مقالہ: العولمة الحقيقية والأبعاد http//:www.ummah.com

پس پردہ ادارے اور تنظیمیں

اتنا تو ''جدید عالمی نظام'' کے بانیوں کو بھی معلوم تھا کہ دنیا کو اس نظام کے تابع کرنا کوئی آسان کھیل نہیں ہے؛ بل کہ اس کے لیے جہاں اقتصادی راہ داریوں کا استعمال کرنا ضروری ہے، وہیں سیاست، ثقافت اور ذرائع ابلاغ کے شعبوں میں اہم منصوبے بنا کر ان کو نافذ کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، اس لیے صہیونی سازشی دماغوں نے گلوبلائزیشن کی طرف جانے والے راستوں کو ہموار کرنے کے لیے، مختلف تنظیمیں اور ادارے قائم کیے، جنھوں نے اپنی اپنی ذمے داریوں کو کبھی پس پردہ اور کبھی کھلے بندوں انجام دیا، ذیل میں ایسے اداروں اور تنظیموں کا مختصر تعارف دیا جارہا ہے، جنھوں نے پردے کے پیچھے سے عالم گیریت کے نشو ونما کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔

بلڈر برج BILDERBERG

یہ دنیا کی انتہائی طاقت ور اور خفیہ عالمی تنظیم ہے، جس کو ۱۹۵۴ء میں ''سویڈن'' سے تعلق رکھنے والے ایک سرمایہ دار ''جوزف رٹنگر'' (Joseph H. Retinger) نے قائم کیا تھا، اس تنظیم کا سب سے پہلا اجلاس مئی ۱۹۵۴ء کو ہالینڈ کے شہر اوسٹر بیک (Oosterbeek) میں بلڈر برج نامی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد ہوا تھا، جس کی صدارت ہالینڈ کے شہزادے ''برن ہارڈ'' نے کی تھی، اسی اجلاس میں اس خفیہ عالمی تنظیم کا نام ہوٹل کے نام پر ''بلڈر برج''

تجویز کیا گیا، عام طور پر ۱۱۵/ افراد اس کے ممبر رہتے ہیں، جن میں کچھ بین الاقوامی سیاسی شخصیات ہوتی ہیں، جن کی تعداد کل ممبروں کی ایک تہائی ہوتی ہے، جب کہ باقی دو تہائی لوگ بین الاقوامی سطح پر اقتصادی، تعلیمی اور صنعتی شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے ارکان بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، مستقل رکنیت رکھنے والے، جیسے بدنام زمانہ امریکن یہودی وزیر خارجہ ''ہنری کیسنجر''، جب کہ غیر مستقل رکنیت رکھنے والوں کو اس کے اجلاس میں دعوت نامے جاری کر کے مدعو کیا جاتا ہے، ۲۰۰۰ء میں اس تنظیم کے سربراہ ''ناٹو'' کے سابق سکریٹری جنرل ''لارڈ گیرنگٹن'' تھے، اس تنظیم کے جلسوں کے لیے عام لوگوں کی نظروں سے دور عالی شان ہوٹل بک کر لیا جاتا ہے، جس میں یہ جلسے تین روز تک جاری رہتے ہیں، اس دوران کوئی رکن ہوٹل سے باہر نہیں آسکتا، سکیورٹی کے انتظامات امریکی خفیہ تنظیم ''سی آئی اے'' کے علاوہ یورپی ممالک کی خفیہ تنظیمیں بھی کرتی ہیں۔

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ گزشتہ بیس سالوں کے دوران امریکہ اور برطانیہ میں، سیاسی طور پر کامیابی کے لیے اس خفیہ تنظیم سے وابستگی لازم ہو چکی ہے، امریکہ کے بہت سے صدر اس تنظیم کی رکنیت کے بعد ہی کرسئ صدارت تک پہنچ سکے ہیں، جن میں رونالڈ ریگن، جمی کارٹر، جارج بش اور بل کلنٹن قابل ذکر ہیں، برطانیہ کی سابقہ وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے ۱۹۷۵ء میں اس تنظیم کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی تھی، ٹھیک چند سالوں بعد وہ برطانیہ کی وزارت عظمی کے عہدے پر فائز ہو گئیں، اسی طرح اشترا کی خیالات کا حامل

ایک برطانوی نوجوان سیاست داں ''ٹونی بلیر'' گم نامی کے انتہائی نچلے درجے میں پڑا ہوا تھا، برطانیہ جیسے سرمایہ دار ملک میں اشتراکی نظریات کا اخذ کرنا اپنے آپ کو سیاسی موت سے ہم کنار کرنے کے مرادف ہے، مگر جلد ہی یہ نوجوان اپنی فکر سے تائب ہوکر ''بلڈر برج'' کے سالانہ اجلاس میں شرکت کرتا ہے اور یکا یک شہرت کی بلندی پر پہنچ کر، چار سال کے بعد برطانیہ کا وزیراعظم بن جاتا ہے۔

۱۹۹۸ء میں اس کا اجلاس اسکاٹ لینڈ کے ''ٹورنبری ہوٹل'' میں منعقد ہوا، جس میں چند مغربی صحافیوں نے داخل ہونے کی کوشش کی، مگر انھیں اس سلسلے میں مکمل طور پر کامیابی حاصل نہ ہوسکی، مگر پھر بھی جس حد تک انھیں اس اجلاس کا ایجنڈا سمجھ میں آسکا، اسے انھوں نے New World Order Intelligence Update (نیو ورلڈ آرڈر انٹیلی جنس اَپ ڈیٹ) کے نام سے شائع کیا، ''میٹرکس'' (Matrix) کے مینیجنگ ایڈیٹر ''چارلس اور بیک'' نے لکھا ہے کہ:

''اس اجلاس میں دنیا کے اہم اور حساس علاقوں کے بارے میں فیصلے لیے گئے ہیں، اس سلسلے میں ''سی آئی اے'' کے سابق ڈائریکٹر ''جان ڈونیج'' اور امریکی ریاست ''نیو جرسی'' کے گورنر ''کریسٹن ٹیڈ وائٹ'' کو یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ وہ اندازا لگائیں کہ ''جدید عالمی نظام'' کے زیر سایہ کس طرح دنیا میں مغرب کی سیادت قائم ہوسکتی ہے۔''

''اور بیک'' آگے لکھتے ہیں کہ:

''اس میں شرکت کرنے والے بہت سے ارکان کی قومیت تک کا پتا نہیں

چلتا، مگر اس کے اجلاس میں منظور کردہ قرار دادوں کا اطلاق دنیا کی بہت سی حکومتوں، سیاسی نظاموں، عالمی تجارت اور دنیا میں پھیلے ہوئے دولت کے ذخائر پر ہوتا ہے۔'' (۱)

راکفلر فاؤنڈیشن

عالمی نظام کے قیام میں روز اوّل ہی سے جن اداروں نے مالی مدد کا بیڑا اٹھایا ہے، ان میں راکفلر فاؤنڈیشن کا نام سب سے پہلے آتا ہے، یہ ادارہ خیراتی ادارے کا لیبل لگا کر ٹیکس سے چھٹکارا پا چکا ہے، امریکی سینٹ نے ۱۹۵۲ء میں قرارداد ۱۶۵ کے ذریعے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی، جس کا مقصد یہ جائزہ لینا تھا کہ اس ادارے کی رقمیں کہیں امریکہ کے خلاف تو استعمال نہیں ہو رہی ہیں، (جائزے سے پتا چلا کہ یہ ادارہ یورپ و امریکہ میں یہودی مفادات کے لیے سرگرم عمل ہے) اس ادارے کی بے شمار ذیلی تنظیمیں بھی ہیں، جو بہ ظاہر ایک دوسرے سے بے تعلق نظر آتی ہیں؛ لیکن ہر ایک کے مقاصد اور میدان عمل متعین ہیں، (۲) ''بلڈر برج'' تنظیم کے سالانہ جلسوں کے بے پناہ اخراجات بھی یہی ادارہ (جو دراصل امریکہ کی سب سے بڑی تجارتی کمپنی ہے) برداشت کرتا ہے۔ (۳)

---

(۱) مدینے سے وائٹ ہاؤس تک، از محمد انیس الرحمٰن ص: ۱۶۸ تا ۱۷۶ مطبوعہ لاہور۔

(۲) مغربی میڈیا ص: ۹۶۔

(۳) مدینے سے وائٹ ہاؤس تک، ص: ۱۷۳۔

امریکی کلیسا کی تنظیم

۱۹۰۸ء میں ''ہنری فواڈ'' اور ''روسنکس'' نے اس ادارے کو قائم کیا، راکفلر فاؤنڈیشن نے مالی امداد فراہم کی، ۱۹۴۲ء میں اس ادارے نے ایسی تجاویز پیش کی تھیں، جن میں ایک ایسی عالمی حکومت کے قیام کا خاکہ تھا، جس کی فوجیں تمام ملکوں پر حکمرانی کریں اور یہ عالمی حکومت ایسا مالیاتی نظام وضع کرے، جو عالمی بنک کے ماتحت ہو، ۲۳/ اگست ۱۹۴۸ء کو اس تنظیم کا نام عالمی کلیسا کر دیا گیا۔(۱)

تعلقات خارجہ کمیٹی C.F.R.

۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیانی عرصے میں ''رہوڈس سیشل'' (یہودی) کے دوستوں نے اس ادارے کی بنیاد رکھی تھی، اس وقت اس کے مقاصد بہت خفیہ رکھے گئے تھے، ۱۹۲۱ء میں ''روتھیلڈ بنک'' کے نمایندے برائے امریکہ مسٹر ''جی آر مورگن'' نے ''جان راکفلر''، ''برنارڈ باروخ'' (متعدد امریکی صدور کے یہودی مشیر خصوصی)، ''پال واربرگ''، ''جیکب شیف'' اور ''آٹو کہن'' نے اس ادارے کی مالی مدد کی، C.F.R. کے بانی ارکان میں کرنل ''ایڈورڈ مانڈیل ہاؤس'' (امریکی صدر ولسن کے معاون) ''وائر لیمپ مین'' (امریکی صحافی) ''جان فاسٹر ڈلس'' (امریکی صدر آئزن کے وزیر خارجہ) ''ایلن ڈلس'' (سی آئی اے کے ڈائریکٹر)

---

(۱) مغربی میڈیا ص: ۹۷۔

اور ''کرسچن ہرٹر'' (امریکی وزیر خارجہ) شامل تھے۔

.C.F.R کی نگرانی میں ''فارن افیرز'' نامی رسالہ شائع ہوتا ہے، اس رسالے کے ایک شمارے میں ''تحقیقات'' کے تحت ایک مقالہ لکھا گیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ:

''جدید عالمی نظام کی طرف ہماری نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔''

اس تنظیم کی طاقت کا اندازا اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی وزیر دفاع کے معاون ''جان میکلولے'' کا کہنا ہے کہ:

''امریکی حکومت کے دفاتر میں جب بھی ملازمین کی ضرورت ہوتی ہے، تو ہم سب سے پہلے .C.F.R کے کارکنوں کی فہرست دیکھتے ہیں اور فوراً نیویارک میں واقع اس کے مرکزی دفتر سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔''

امریکی نظام حکومت کو چلانے والی تمام اہم شخصیتوں کا تعلق اسی ادارے سے ہوتا ہے، جو یہودی مقاصد کو بہ روے کار لانے کے لیے سرگرم عمل رہتی ہیں، اس کا اندازا چند مثالوں سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) اقوام متحدہ کی تشکیل میں مدد دینے کے لیے، امریکی حکومت نے ۴۷ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ترتیب دی تھی، اس کمیٹی میں ''جان فاسٹر ڈلس''، ''نیلسن راکفلر'' اور ایڈلائی اسٹیونسن'' بھی تھے، یہ تمام ۴۷/۴۷ ارکان .C.F.R کے ممبران تھے۔

(۲) امریکی صدر ''رونالڈ ریگن'' کے دفاتر میں کام کرنے والے تین سو تیرہ ذمے دار اسی ادارے کے رکن تھے، یہی صورت جارج بش کے دفتر میں

بھی تھی، جہاں تین سو ستاسی افسران اسی ادارے سے منتخب ہوکر آئے تھے، ۱۹۲۱ء سے اب تک ۱۸ وزرائے مالیات میں سے ۱۲ کا تعلق .C.F.R سے تھا؛ سولہ وزرائے خارجہ میں سے بارہ، جب کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک پندرہ وزرائے دفاع میں سے نو، اسی ادارے سے لیے گئے تھے۔

(۳) ۱۹۵۲ء سے اب تک (بجز ۱۹۶۴ء) دونوں سیاسی پارٹیوں سے جتنے امیدواروں کو صدارتی میدان میں اتارا گیا ہے، ان کا تعلق اسی ادارے سے تھا۔(۱)

عالم گیریت کیا چاہتی ہے؟

گلوبلائزیشن کے مغربی داعی اور ان کے مشرقی کارندے، اس فکر کے حوالے سے بڑے بلند وبانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں، مثلاً:

"عالم گیریت اقتصادی ترقی اور معاشی فروغ کی ضامن ہے، ہر قوم اس کے سائے میں اپنا مستقبل سنوار سکتی ہے، ہر انسان اس کے ذریعے شاندار زندگی گزار سکتا ہے، یہ جدید ٹکنالوجی کے پھیلاؤ کا ذریعہ ہے، جس کے نتیجے میں انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے معلومات کا حصول نہایت آسان ہوجاتا ہے، عالم گیریت بیرونی بازاروں میں قسمت آزمائی کا موقع فراہم کرتی ہے، اس سے غیر ملکی سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے اور قومی اقتصادیات ترقی کے زینے طے کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

(۱) مغربی میڈیا، ص: ۷۵ تا ۹۹ اضافہ شدہ ایڈیشن۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالم گیریوں کے یہ دعوے کھوکھلے ہیں، ان کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے، ڈاکٹر محمد حسن رسمی (قاہرہ یونیورسٹی میں شعبۂ کمپیوٹر کے ڈائریکٹر) کے بہ قول:

''گلوبلائزیشن ایک اندھا طوفان ہے، جو اپنی راہ میں آنے والی کسی بھی چیز کو برداشت نہیں کرتا، اس کا نظام طاقت وروں کے لیے مددگار ہے اور کم زوروں کے لیے مہلک، یہ نظام اپنے بانیوں کو اجارہ داری اور بالادستی عطا کرتا ہے اور آسمانی معجزات کا انتظار کرنے والوں کے مستقبل کی باگ ڈور اپنے پالیسی سازوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔''(۱)

چند ایسے ممالک بھی ہیں جو گلوبلائزیشن کے خطرات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس نظام سے غریب ممالک کی غربت میں اضافہ ہوگا اور وہ مغربی سرمایہ دارانہ پالیسیوں کے تابع ہو جائیں گے، ایسے ممالک میں ''ملیشیا'' کا نام سرِ فہرست ہے، وہاں کے وزیر اعظم آثر محمد ہر میدان میں اسلامی بیداری کے قائل ہیں اور مغربی بالادستی کو مسترد کرتے ہیں، آج ان کے خیالات اور کوششوں کی وجہ سے، مغربی سرمایہ داروں کی نیندیں حرام ہیں، ''آثر محمد'' ملیشیا کی دارالحکومت ''کوالالمپور'' میں منعقدہ ''اسلامک کانفرنس'' کے اجلاس میں عالم اسلام کے وزرائے خارجہ کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''عالمی تجارتی تنظیم عالم گیریت کی آلۂ کار ہے، جو ترقی یافتہ ممالک کو

---

(۱) مع العولمة، اخبار الأهرام ۲۰۰۱/۹/۱۶۔

اجازت دیتی ہے کہ وہ ترقی پذیر ممالک کو پوری طرح نگل لیں۔"(۱)

فرانسیسی صدر "جاک شیراک" نے فرانس کے قومی دن (۱۴ جولائی ۲۰۰۰ء) کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"گلوبلائزیشن پر روک لگانے کی ضرورت ہے، کیوں کہ یہ معاشرتی انتشار کا باعث ہے، عالم گیریت سے اگرچہ ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں! لیکن اس کے خطرات زیادہ ہیں، جن میں پہلا خطرہ یہ ہے کہ یہ نظام معاشرت پر براہ راست حملہ کرتا ہے، دوسرا خطرہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عالمی جرائم میں اضافہ ہوتا ہے اور تیسرا خطرہ یہ ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے سوا، ہر اقتصادی نظام کے مخالف ہے۔"(۲)

مشہور امریکی مصنف "ولیم گریڈر" ۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب "One World Ready Or No?" میں عالم گیریت کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"یہ ایک عجیب وغریب طریقۂ کار ہے، جو عالمی صنعتی وتجارتی انقلاب کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا ہے، یہ جہاں ترقی کا ذریعہ ہے، وہیں تباہی کا بھی سبب ہے، یہ نظام عالمی حدود سے لاپرواہ آگے بڑھتا ہے۔"(۳)

درحقیقت عالم گیریت ایک ذہین وطاقت ور انسان اور ایک غبی وکمزور شخص کے درمیان ہونے والا معاملہ ہے، جن میں ایک فریق تو ہر چیز کا مالک

(۱) العولمة، از سالح الرقب ص: ۱۴۔

(۲) رسالہ الحوادث، مستقبل الصحافة العربية في ظل العولمة، از محمد سماک عدد ۲۲۳۱۰ ص: ۶۳۔

(۳) العولمة، از صالح الرقب ص: ۵۔

ہے اور دوسرا حقِ ملکیت سے بھی محروم ہے، جہاں ایک فریق کو آقا کی حیثیت حاصل ہے اور دوسرے کو غلام کی، ایک اپنی تہذیب پر فخر کرنے والا اور اس کو اپنے لیے سرمایہ سمجھنے والا ہے، تو دوسرا اپنی تہذیب سے ناطہ توڑنے پر مجبور ہے، ایک اپنے عقیدے پر مضبوطی سے جما ہوا ہے، تو دوسرے سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو پسِ پشت ڈال دے، غرض یہ کہ اس نظام میں ایک فریق سب کچھ ہے اور دوسرا فریق کچھ نہیں۔

عالم گیریت کے مختلف میدان ہائے عمل

گلوبلائزیشن کے پالیسی ساز اداروں نے، چوں کہ اس تحریک کو ایک مکمل نظامِ حیات بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے؛ تاکہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا باقی نہ بچے، جو اس صہیونی تحریک سے متاثر نہ ہو، اس لیے جدید عالمی نظام کے پسِ پردہ کارفرما دماغوں نے، اس نظام کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا اور ہر میدان کے لیے کھلاڑیوں کی الگ الگ ٹیمیں بھی تیار کردیں، تاکہ تمام میدانوں میں عالم گیریت قابلِ عمل بن جائے، بنیادی طور پر جدید عالمی نظام کو مندرجہ ذیل میدانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) سیاست

(۲) اقتصاد

(۳) تہذیب وثقافت

(۴) معاشرہ واخلاق

(۵) زبان وادب

ان سبھی میدانوں کا ایک دوسرے سے بڑا گہرا ربط ہے، کیوں کہ عالم گیریت کا حقیقی مقصد پوری دنیا کو امریکی؛ بل کہ صہیونی رنگ میں رنگ دینا اور تمام عالم پر امریکہ کے ذریعے یہودی اقتدار قائم کرنا ہے، لہٰذا جہاں سیاسی میدان میں دنیا کے نقشے پر تبدیلیاں لانا ضروری ہے اور سیاسی طور پر ترقی پذیر ممالک کو بے دست و پا بنانا ناگزیر ہے، وہیں اس مقصد کے حصول کے لیے اقتصادی میدان میں بھی ترقی پذیر دنیا کو مغلوب کرنا اور اس راہ سے غریب ممالک پر اجارہ داری قائم کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح اپنی اجارہ داری کو دوام بخشنے کے لیے، ترقی پذیر دنیا پر مغربی، بالخصوص امریکی تہذیب وثقافت اور اقدار کا تسلّط بھی ضروری ہے، تاکہ اس دنیا کے عوام جب مغربی تہذیب وثقافت کو اپنالیں، تو مغرب سے آنے والی ہواؤں کے جھونکوں میں ہی راحت محسوس کریں، وہاں کی طرزِ زندگی کو ہی معیار سمجھیں اور وہاں کی سکونت ورہایش کو ہی اپنی تمناؤں کا محور قرار دیں، مغرب سے آنے والی ہر چیز کو سینے سے لگائیں اور اس کے استعمال کو ہی فیشن اور اعلیٰ طرز زندگی کی علامت سمجھیں، تہذیب وثقافت کی راہ داری ہی سے، اقتصادیات کے میدان میں ترقی یافتہ ممالک اور خاص طور پر امریکہ کا تسلط نہایت آسان ہوسکتا ہے۔

آیئے سب سے پہلے عالم گیریت کے سیاسی میدان کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ نیا عالمی نظام سیاسی اعتبار سے کس راہ پر گامزن ہے؟ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس نے کن ذرائع کو استعمال کیا ہے؟ امریکہ اس میدان میں کیا کردار ادا کرسکتا ہے؟ اور صہیونی شیطانی دماغوں نے امریکیوں کے کاندھے پر بندوق رکھ کر کس طرح چلائی؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دوسرا باب

سیاسی عالمگیریت

سیاسی عالم گیریت کا مطلب
عالمی حکومت کی طرف بڑھتے قدم
سیاسی عالم گیریت کے مقاصد واثرات
امریکہ اور عالمی حکومت
امریکی جارحیت
مقبوضہ میکسیکو
خارجی سطح پر امریکی جارحیت
امریکیوں کی تفوّق پرستی
امریکہ اور صہیونیت
صہیونی پروٹوکولز
امریکہ پر صہیونیوں کی بالادستی
شکنجۂ یہود...ایک امریکی کانگریس مین کی روداد
لیگ آف نیشنز...عالمی حکومت کی تشکیل کا آغاز
اقوام متحدہ اور عالمی حکومت
عالم اسلام اور یہودی مسیحی اتحاد
یہودی مسیحی یونین کا اجلاس اور جارج بش کی تقریر
عالم گیریت بش کی تقریر کے تناظر میں

سیاسی عالم گیریت کا مطلب

صہیونی لابی نے برسوں پہلے دنیا کو اپنی مٹھی میں کرنے اور اس کے دروبست پر حاوی ہونے کا خواب دیکھا تھا، اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اس نے سویٹزرلینڈ کے شہر ''باسل'' میں اپنے پالیسی سازوں کی میٹنگ کی، جس میں انھوں نے سازشوں سے بھرپور اپنی تاریخ سے مدد لے کر، عالمی حکومت کے قیام کے لیے منصوبے بنائے، تاکہ جہاں وہ عظیم تر اسرائیل کے قیام کے اپنے عقیدے پر عمل کرسکیں، وہیں عالمی امور کی باگ ڈور بھی انھی کے ہاتھ میں ہو، زمین میں پوشیدہ وسائلِ ثروت پر ان کا قبضہ ہو، اور اللہ نے صدیوں پہلے ان پر جو ذلت ومسکنت مسلط کی تھی، وہ بھی بزعمِ خود دور ہوسکے۔

عالم گیریت جو دراصل صہیونی شیطانی دماغوں کی پیداوار ہے، سیاسی میدان میں یہودیوں کے دیرینہ خواب کو پورا کرنے کی راہ پر گامزن ہے، اس تحریک کا سیاسی مقصد یہ ہے کہ ایک عالمی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے

جس کی باگ ڈور سلامتی کونسل اور اندرونی طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں ہو۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے اختیارات نہایت محدود کر دیے جائیں، انھیں صرف ''لا اینڈ آرڈر'' کو قابو میں رکھنے کا اختیار ہو، ان کی حیثیت کسی کمیٹی یا تنظیم سے زیادہ نہ ہو، جب کہ دفائی، سیاسی اور اقتصادی امور کا تعلق اسی عالمی حکومت اور اس کے ٹھیکے داروں سے ہو۔

جہاں تک پروپیگنڈے کا سوال ہے، دعوی یہ کیا جاتا ہے کہ اس عالمی حکومت کی سربراہ انجمن اقوام متحدہ ہوگی؛ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ انجمن اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی، کسی مذاق یا فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، مسائل تو سلامتی کونسل میں طے کیے جاتے ہیں، حکومتوں کی تقدیر کا فیصلہ کونسل کے مستقل اراکین کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور وہی یہ طے کرتے ہیں کہ عالم کا نظام کس نہج پر چلایا جائے، اس لیے مجوزہ عالمی حکومت کی سربراہ، انجمن اقوام متحدہ نہیں؛ بل کہ سلامتی کونسل ہوگی، جس کے مستقل اراکین ممالک کو ''ویٹو پاور'' کے ذریعے اپنے مفادات بہ روے کار لانے کا مکمل حق ہے، خواہ انھیں اس کے لیے تمام اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈالنا پڑے۔

اقوام متحدہ کے تحت ایک مکمل عسکری نظام ہوگا، جو تشکیل پا چکا ہے، اس کی امن فوج بھی ہوگی، جو ''نیلے ہیٹ'' لگائے قیام امن کے نام پر بہت سے ممالک میں اپنی شیطنت و بربریت کا علی الاعلان مظاہرہ کر چکی ہے؛ لیکن ایک حقیقی عالمی حکومت اسی وقت وجود میں آسکتی ہے، جب کہ اس کی فوجی طاقت کے سامنے کسی کو سر ابھارنے کی ہمت نہ ہو اور کوئی بھی اس حکومت کے ذریعے

کیے گئے فیصلوں سے سر مو انحراف نہ کر سکے، اس لیے اقوام متحدہ کے عسکری نظام کو زیادہ سے زیادہ طاقت ور بنانے کے لیے تخفیف اسلحہ کے سلسلے میں معاہدے کیے گئے اور مختلف قوانین پاس کیے گئے، ان قوانین کی رو سے ایسے ممالک کو (جو ظلم و بربریت اور استعمار کی طویل داستان رکھتے ہیں) کیمیائی و جراثیمی ہتھیار رکھنے کی کھلی چھوٹ دی گئی، جب کہ دوسرے ملکوں کو عالمی دہشت گردوں سے اپنا دفاع کرنے کے لیے، ایسے ہتھیار رکھنے سے روک دیا گیا، اگر کسی نے اپنے دفاعی نظام کو مضبوط کرنے کی خاطر ہاتھ پاؤں مارے بھی، تو اس کا عبرت ناک انجام ہوا، عالمی امن قائم کرنے کی آڑ میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ تشہیر کی گئی کہ ''نام نہاد ذمے دار ممالک کو ایٹمی اسلحہ رکھنے کا حق ہے، جب کہ غیر محفوظ ہاتھوں میں ایٹمی اسلحہ ہونے سے دنیا کسی بھی وقت تباہ ہوسکتی ہے۔'' اس نظریے کو ذہنوں پر مسلط کر کے تباہی و بربادی کے وہ نئے انداز اختیار کیے گئے، جن کے سامنے حیوانیت شرم سے سرنگوں ہوگئی اور انسانیت کے پاس ماتم کناں ہونے کے لیے آنسو بھی باقی نہ بچے، یہ ہتھکنڈہ اسی لیے اپنایا گیا، تاکہ کوئی بھی ملک اقوام متحدہ پر مسلط ممالک کو چیلنج نہ کر سکے اور یہ ممالک اقوام متحدہ کو ایک ایسی عالمی حکومت میں تبدیل کر دیں، جو سات ترقی یافتہ ممالک اور ان پر شکنجہ کسنے والے یہودیوں کے مفادات کی محافظ ہو، ایک ایسی حکومت جس میں ''قومیت'' اور ''وطنیت'' جیسے الفاظ کی کوئی حیثیت نہ ہو، جو جمہوریت اور ''سیکولرزم'' کی آڑ میں شہنشاہیت اور سامراج کی علم بردار ہو اور ایک ایسی مجوزہ حکومت، جو کہنے کو تو اقوام عالم کی نمائندہ ہو، لیکن حقیقت

میں وہ صرف ''سفید فام نسل'' کے مفادات کی محافظ اور اس کے زیر نگیں ہو۔

عالمی حکومت کی طرف بڑھتے قدم

عالم گیریت کے ذریعے یہودی لابی جس عالمی حکومت کا خواب دیکھ رہی ہے، وہ محض ایک نظریہ یا کوئی فکر نہیں رہ گئی ہے؛ بل کہ اس کے قیام کی راہ میں بڑھنے والے قدم بڑی تیزی سے اٹھ رہے ہیں، نہایت سرعت کے ساتھ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جارہا ہے، مغربی لیڈروں اور یہودی ایجنٹوں کی طرف سے تقریروں اور تحریروں کے ذریعے مسلسل مجوزہ عالمی حکوت کو، عوامی سطح پر مقبول بنانے کے لیے ذہن سازی کی جارہی ہے، تاکہ حکومت کے قیام سے پہلے جہاں عوام کے ردّعمل کا علم ہوگا، وہیں اس ردّعمل کو فرو کرنے کے اقدامات بھی کیے جاسکیں گے، اسی مقصد کی خاطر گلوبلائزیشن کے قائدین اپنے بیانات میں ''عالمی حکومت'' کو ایک حقیقت اور واجب القبول چیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔

(۱) اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری ڈاکٹر ''بطرس غالی'' اپنی کتاب ''عالمی حکومت'' مطبوعہ ۱۹۹۷ء میں لکھتے ہیں کہ:

''اقوام متحدہ کا ادارہ، ایک طرح سے عالمی نظام حکومت کے قیام میں، خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۱)

(۲) ''ہمارے سامنے اس وقت ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل کا قیمتی

---

(۱) مغربی میڈیا ص:۸۵۔

موقع ہے، ہمارے لیے بھی اور ہماری آیندہ نسلوں کے لیے بھی، ہمیں واقعتاً یہ موقع مل گیا ہے کہ نئے عالمی نظام کی عملی تشکیل کر لیں، ایسا نظام جس میں انجمن اقوام متحدہ بہت زیادہ طاقت کی مالک ہوگی۔"

(جارج بش کی تقریر سے)(۱)

(۳) "حکومتوں کے اقتدار کا کیا بنے گا؟ ہم ایک ایسے نازک دور سے گزر رہے ہیں، جس میں ایک مکمل بااقتدار ملک کے مرحلے سے، ایک عالمی حکومت کے اقتدار کی طرف منتقلی ہو رہی ہے۔"(۲)

(کتاب "مغرب کا بحران" از جیمس وار برگ، مطبوعہ ۱۹۹۵ء)

(۴) "دنیا کی تمام حکومتوں کو جو اقتدار حاصل ہے، اسے عالمی حکومت کو منتقل کر دینا چاہیے۔"

(امریکی وزارت دفاع کی تجزیاتی رپورٹ)(۳)

(۵) "حکومتوں کے غیر ذمے دارانہ تصرفات پر پابندی ضروری ہے اور یہ کام بغیر عالمی نظام حکومت کے قیام کے ممکن نہیں، جس طرح بین الاقوامی عدالت حکومتوں کا محاسبہ کرتی ہے، اسی طرح ہم تمام ملکوں کو ایک دائرے میں لانا چاہتے ہیں۔"

(۴)(NEW YORK TIMES ۴/۸/۱۹۹۹)

(۶) "دوسرے مرحلے میں تدریجی طور پر اقوام متحدہ کی بین الاقوامی

---

(۱) ایضاً
(۲) ایضاً
(۳) ایضاً
(۴) ایضاً

فوج کی تشکیل کی جائے گی، تیسرے مرحلے میں منظم طور پر بڑی سرعت سے تمام ملکوں کو جوہری اسلحوں سے محروم کر دیا جائے گا، اس طرح کسی بھی ملک کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اقوام متحدہ کی طاقت ور فوج کو چیلنج کر سکے۔''

(امریکی وزارت خارجہ کا مطبوعہ بلیٹن ۷۲۷۷، ستمبر ۱۹۶۱ء)(۱)

سیاسی عالم گیریت کے مقاصد واثرات

جہاں تک سیاسی عالم گیریت کے مقصد کا سوال ہے، تو اس کا اصل نشانہ یہی ہے کہ امریکی اور یہودی اجارہ داری پوری دنیا پر قائم ہو جائے؛ لیکن چند دیگر مقاصد بھی سیاسی عالم گیریت میں ملحوظ رکھے گئے ہیں، اب خواہ ان کو گلوبلائزیشن کے اثرات کا نام دیا جائے یا مقاصد سے تعبیر کیا جائے، ذیل میں عالم گیریت کے چند اثرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) عالم گیر حکومت کے قیام کی صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ حکومتوں اور عوام پر مغربی پالیسی زبردستی تھوپ دی جائے گی اور امریکہ اور اس کی سیاست میں بزعم خود ''کن فیکون'' جیسی ''قدرت'' رکھنے والی یہودی طاقتوں کے مفادات کی خاطر، تمام ممالک میں سیاسی قرارداد سازی اور اس کے نفاذ کا مکمل اختیار، اسی عالمی حکومت کو ہوگا، خواہ ان ممالک کے عوام کی خواہشات، ان کی ثقافت اور ان کے دینی عقائد عالم گیر حکومت کی پالیسیوں سے مزاحم ہی کیوں نہ ہوں۔ یہودی سازشوں اور منصوبوں ہی کا اثر ہے کہ ''پنسلوینیا''

---

(۱) ایضاً۔

بنک کے چیر مین ''جون بوٹنگ'' کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ:

''گلوبلائزیشن میں ہم ہی یہ طے کریں گے کہ کس کو زندہ رہنے کا حق ہے اور کون مرنے کے زیادہ لائق ہے۔''(۱)

مجوزہ عالمی حکومت میں امریکی صہیونی اداروں کو یہ حق ہوگا کہ وہ دنیا کے جس گوشے میں چاہیں اعلانِ جنگ کر دیں اور جہاں چاہیں اپنی افواج داخل کر دیں، جو ملک بھی عالمی حکومت کے زیرِ اقتدار، بہ الفاظ دیگر امریکہ کے ماتحت نہیں آئے گا، اس کے مستقبل کا فیصلہ انھی امریکی صہیونی اداروں کے ہاتھ میں ہوگا، اوّلاً تو اس غیر انسانی وغیر اخلاقی فعل کے ارتکاب کے لیے کوئی جواز پیش کرنے کی امریکہ کو ضرورت نہیں ہے؛ لیکن مستقبل میں امریکہ کے ذریعے ہونے والی تمام تر عسکری دخل اندازیاں، عالمی حکومت کے قوانین کے تحت ہوں گی اور پوری دنیا اس ''منطق'' کو درست تسلیم کرکے، مظلوم ملک کا ساتھ دینے کے بجائے ظالمانہ کارروائیوں کی حمایت کرے گی۔

بل کہ امریکی تاریخ اور اس کی موجودہ جارحیت دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ عالمی حکومت کے وجود اور امریکی استعمار کے قائم ہونے کی صورت میں بھی، امریکی فوج کی ظالمانہ کارروائی رکنے کا نام نہیں لے گی، اس لیے کہ جانور جب خون کا ذائقہ چکھ لیتا ہے، تو اس کے بغیر پیٹ کی آگ نہیں بجھتی، یہ کوئی مفروضہ نہیں؛ بل کہ ایک حقیقت ہے، جو مشہور زمانہ ''ہارورڈ'' یونیورسٹی میں شعبۂ سیاسیات کے ڈائریکٹر اور امریکی پالیسی ساز ''صموئل ہنٹنگٹن''

---

(۱) دراسة حول البعد التاريخي المعاصر لمفهوم العولمة، ص:۸۰ طبع ۲۰۰۰ء۔

(یہودی) کے مضمون سے آشکارا ہوجاتی ہے، یہ مضمون مشہور امریکی جریدے ''فارن افیرز'' نے جون ۱۹۹۳ء کی اپنی اشاعت میں ''امریکی مفادات اور امن'' کے عنوان سے شائع کیا تھا، مضمون نگار لکھتا ہے کہ:

''سوویت یونین کے سقوط کے بعد، مغرب کو ایک نئے دشمن کی ضرورت ہے، کیوں کہ جنگ کبھی نہیں رکے گی، خواہ ہتھیار زنگ آلود ہوجائیں اور ملکوں کے درمیان معاہدے ہوجائیں، ہاں شاید یہ ہوسکتا ہے کہ عسکری جنگ نہ ہو؛ لیکن مغربی خیمے، جس کی قیادت امریکہ کر رہا ہے اور دوسرے فریق کے درمیان (جو عالم اسلام بھی ہوسکتا ہے اور چین بھی) مسلسل تہذیبی جنگ چلتی رہے گی۔''(۱)

(۲) عالمی حکومت کے قیام کی صورت میں یہ کوشش کی جائے گی کہ عالمی اور مقامی سیاسی گروپوں اور تنظیموں کے اختیارات کو کم کردیا جائے اور عالمی سیاسی میدان، میں مؤثر طاقت کی حیثیت سے ان کو ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے، مندرجہ ذیل تنظیمیں گلوبلائزیشن کے قائدین کی ہٹ لسٹ پر ہیں:

(۱) براعظم امریکہ کے ممالک کی تنظیم (۲) افریقی اتحاد (۳) عرب لیگ (۴) تنظیم اسلامی کانفرنس وغیرہ۔

حال آں کہ یہ تنظیمیں موجودہ سیاسی مسائل میں کوئی ایسا موقف اختیار کرنے میں یکسر ناکام رہی ہیں، جو امریکی صہیونی منصوبوں کو لگام دے سکے؛ لیکن مستقبل میں یہ امکان مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تنظیمیں امریکی مفادات کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھالیں، اس لیے عالمی حکومت کی پوری توجہ اس

---

(۱) تحدیات النظام العالمي الجدید، از عماد الدین خلیل، بہ حوالہ العولمۃ از صالح الرقب ص:

بات پر مرکوز ہوگی کہ یہ اور ان جیسی دیگر تنظیموں کو دنیا کے نقشے سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔(۱)

امریکی صدر جارج بش جونیئر نے یہودی مسیحی یونین کے ایک اجلاس کے موقع پر ۲۹/ جنوری ۲۰۰۲ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہم ان تمام عالمی تنظیموں کی، جو کسی بھی امریکی یا اسرائیلی قومی مفاد کی مخالفت کریں گی، کوئی پرواہ نہیں کریں گے، خواہ اقوام متحدہ ہو، افریقی یونین ہو، عرب لیگ ہو (جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ اس کو فوری طور پر تحلیل کرنا ضروری ہے)، ریڈکراس کی عالمی تنظیم ہو؛ ویٹیکن ہو، یا تمام اسلامی تنظیمیں ہوں۔''(۲)

(۳) اسلامی ممالک کی طاقت ور قیادت کو ہٹا کر، کم زور اور نالائق قیادت مسلط کرنا اور امریکی مفاد میں کام کرنے والی قیادتوں کو تحفظ بخشنا بھی سیاسی عالم گیریت کے لائحۂ عمل میں شامل ہے، کیوں کہ عالم اسلام کی قیادت اگر مغرب کی غلامی کرتی رہے، تو وہاں کے عوام پر اور ان کی تمام تر دولت پر امریکہ ہی کا قبضہ ہوگا اور عالم اسلام کا قلب، جو یہودی قوم کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، بہ آسانی امریکی پالیسیوں اور عالمی حکومت کے احکام کی بنا پر، مکمل طور پر یہودیوں کے پاس آ جائے گا۔(۳)

---

(۱) رسالہ: المستقبل العربي، مضمون: نظام عالمي أم سيطرة استعمارية جديدة، از جمال قنان، عدد ۱۸۰، فروری ۱۹۹۴ء۔

(۲) العولمة: از صالح الرقب ص: ۲۳۔

(۳) ایضاً

(۴) مقامی اقتدار کو کم زور کرنا، اس کے اثرات کو کم کرنا، یا سرے سے ہی اس کا خاتمہ کر دینا اور عوام کے دلوں سے قومیت کے جذبے کو مٹا دینا بھی عالم گیریت کے ایجنڈے میں داخل ہے۔

گلوبلائزیشن ایک ایسا نظام ہے، جو حکومت، وطنیت اور قومیت پر حملہ آور ہوتا ہے اور ان کے بجائے انسانیت کا نعرہ لگاتا ہے، اس کا نظریہ یہ ہے کہ وطنیت یا قومیت کوئی چیز نہیں ہے، یہ انسانوں کے درمیان تفریق و امتیاز کا ایک ذریعہ ہے، لہٰذا انسان ہونے کی حیثیت سے سبھی برابر ہیں، اس لیے ان کا طرز زندگی، رہن سہن کا انداز، تہذیب و ثقافت؛ حتیٰ کہ افکار و خیالات میں بھی مماثلت ہونی چاہیے، اس کے لیے عالم گیریت، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ذرائع ابلاغ کے اداروں کے سامنے تمام سرحدوں کو کھولنے اور ہر قسم کی رکاوٹ زائل کرنے کی حمایت کرتی ہے، عالمی حکومت کے قیام کی صورت میں دنیا انتظامی حد تک تو سرحدوں میں تقسیم ہوگی، اس کے علاوہ کوئی اور چیز ایک ملک کو دوسرے ملک سے علیحدہ نہیں کر سکے گی، اس لیے ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ذرائع ابلاغ کو بلا اجازت کسی بھی جگہ اپنا کاروبار شروع کرنے کی اجازت ہوگی۔

امریکی وزارت خارجہ کے سابق مشیر رچرڈ کارڈز کا کہنا ہے کہ:

> ''قومی حکومت کے اختیارات کو آہستہ آہستہ ختم کر کے ہی ہم روایتی حملے کی بہ نسبت، زیادہ تیز عالمی نظام تک عملی طور پر رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ (۱)

(۵) عالم گیریت یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک میں

---

(۱) العرب والعولمة، ص: ۱۴۵۔

خصوصاً عالم اسلام میں، سیاسی پارٹیوں کے کردار کو کم زور کر دیا جائے، جب کہ سرکاری اور سوشل تنظیمیں سیاسی میدان میں فعال رول ادا کریں،(۱) ظاہر ہے کہ جب سیاسی پارٹیوں کا اثر کم ہو جائے گا اور انتظامی امور سرکاری اور سوشل اداروں سے وابستہ ہو جائیں گے، تو کسی بھی ملک کی حکومت خود بہ خود کم زور بل کہ ختم ہو جائے گی، یوں وہ ملک بہ آسانی اقوام متحدہ کی قیادت میں قائم ہونے والی عالمی حکومت کے زیر نگیں آجائے گا۔

(۶) گلوبلائزیشن کا ایک سیاسی ہدف یہ بھی ہے کہ عالم اسلام میں داخلی انتشار اور تفرقہ بازی پیدا کر دی جائے، تا کہ مسلمان ان سیاسی فرقہ بندیوں کا شکار ہو کر، یہ بھول جائیں کہ وہ ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، ایک ہی مذہب کے نام لیوا اور ایک ہی خدا کو ماننے والے ہیں، یوں اسلامی وحدت اور یکجہتی مفقود ہو جائے، اسلامی تنظیمیں اور ادارے اپنے حقیقی مقاصد کو فراموش کر دیں؛ بل کہ مغربی سامراجی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا ایک ذریعہ بن جائیں۔

(۷) صہیونی دماغ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں قائم بڑے بڑے سیاسی بلاکوں اور گروپوں کو چھوٹے اور کم زور بلاکوں میں تبدیل کر دیا جائے، تا کہ اقوام متحدہ اور اس کے پس پردہ ملک (امریکہ) کے مقابلے میں کوئی بھی سیاسی قوت عالمی نقشے میں سر نہ ابھار سکے، اس کے لیے صہیونیوں نے ایسے ممالک کو، جو امریکہ کے مقابلے میں ذرا سی بھی سیاسی قوت کے مالک

---

(۱) العولمۃ، از صالح الرقب ص:۲۴۔

تھے اور امریکی تسلّط کو مسترد کرتے تھے، نیست و نابود کرنے کی جنگی پیمانے پر کوششیں کیں، ان ممالک کو داخلی رسّہ کشیوں، خارجی فتنوں اور طرح طرح کی آفتوں سے دوچار کر دیا، یہاں تک کہ وہ امریکہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خواب دیکھنا بھی بھول گئے، روس، عراق، شام، لیبیا اور کیوبا اس کی زندہ مثالیں ہیں، جن کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کیا گیا؛ حتیٰ کہ سعودی عرب (جہاں کی حکومت امریکہ نوازی کے لیے مشہور ہے اور مغرب کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے تمام دینی و اخلاقی حدود کو پامال کرنے کے لیے تیار ہے) کے بارے میں، جون ۲۰۰۲ء میں بعض امریکی سیاست دانوں نے یہ تجویز پیش کی کہ سعودی عرب کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کو امریکی حکومت کے زیر انتظام کر دیا جائے۔(۱)

حال آں کہ سعودی عرب، امریکہ کا نہ سیاسی حریف ہے اور نہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے امریکہ کو چیلنج کر سکے، لے دے کر اس کے پاس صرف تیل کی قوت ہے، جس کے بارے میں سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز اپنی بے چارگی کا اظہار کر چکے ہیں، وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ:

''اب ہم تیل کو ہتھیار کے طور پر استعمال نہیں کر سکتے''

لیکن اس کے باوجود سعودی عرب میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے، جو دینی حمیت اور اسلامی بیداری کے حامل ہیں، اپنے سینے میں دلِ دردمند رکھتے

---

(۱) العولمة الجديدة والمجال الحيوي للشرق الأوسط، مفاهيم عصر قادم، از سیار الجمیل طبع اول بیروت ۱۹۹۷ء ص: ۵۷۔

ہیں اور امریکی بالادستی کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ وہی لوگ ہیں، جو کل تک امریکہ کے گن گایا کرتے تھے اور اس کو اپنا آئیڈیل ملک تصور کرتے تھے؛ لیکن امریکہ کی یہود و اسرائیل نوازی اور اسلام دشمنی نے، ان لوگوں کے دلوں کو بدل دیا اور ان کے اندر سوئی ہوئی اسلامی حمیت بیدار ہوگئی، اسی لیے امریکی سیاست دانوں کی نیندیں حرام ہیں کہ کہیں اسلام کے اس مرکز میں آباد کچھ لوگوں کی دینی بیداری، پورے عالم اسلام پر اثر انداز نہ ہو جائے اور مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی حمیت بیدار نہ ہو جائے۔ جو مغرب اور امریکہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

امریکہ اور عالمی حکومت

عالمی حکومت کا تخیل، اگرچہ یہودی ذہنوں کی پیداوار ہے، جو سب سے پہلے ''باسل'' کانفرنس ۱۸۹۷ء کے بعد منظر عام پر آیا تھا، جس میں حکمائے ''صہیون'' نے عالمی حکومت کے قیام کے سلسلے میں کئی تجاویز پاس کی تھیں؛ لیکن ان صہیونیوں کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے، امریکہ کی سرزمین سب سے زیادہ راس آئی، کیوں کہ یہودی جو سامراجیت قائم کرنے جا رہے تھے، امریکہ کئی دہائیوں سے اس کا ارتکاب کرتا آ رہا تھا، جن لوگوں کو امریکہ کا معمار اور بانی تصور کیا جاتا ہے، وہ خود دراصل استعماری ذہنیت رکھتے تھے، اس لیے یہودیوں نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے امریکہ کا انتخاب کیا، جو آج تک ان کا آلۂ کار بنا ہوا ہے۔

یہودیوں نے بڑی چالاکی سے اپنے عزائم اور منصوبوں کو، امریکہ کے عزائم اور منصوبے بنا دیا، تاکہ پوری امریکی قوم ان عزائم کو اپنا سمجھ کر، دل وجان سے کام کرے اور مستقبل میں ان مقاصد سے کوئی یہ کہہ کر روگردانی کرنے والا نہ ہو کہ: ''یہ تو یہودیوں کے مقاصد ہیں'' لہٰذا جس عالمی حکومت کا خواب یہودی دیکھ رہے تھے، امریکی بھی دیکھنے لگے، دوسری طرف یہودی امریکی اندرون ملک کچھ اس طرح بااختیار ہو گئے کہ اقتدار تک پہنچنے کے لیے ان کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرنا ضروری ہو گیا، ان کی مخالفت کر کے کرسی صدارت تک پہنچنے کا خواب دیکھنا بھی ایک ''جرم'' بن گیا، امریکی سیاست پر اس قدر مضبوط ''گرفت'' کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی ایوانِ بالا (کانگریس) میں پاس ہونے والی ہر قرارداد خصوصاً، جو مشرق وسطی سے متعلق ہو، یہودیوں کی دل جوئی کے لیے پاس ہونے لگی، کسی کانگریس مین کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اس قرارداد کی مخالفت کرے، بہ صورت دیگر اس کی سیاسی زندگی کا خاتمہ یقینی ہے۔

اسی طرح سیاست خارجہ میں بھی یہودی اثر ونفوذ بڑی حد تک بڑھ گیا، امریکی صدر تمام عالمی فیصلے یہودی سازشوں کے مطابق لینے لگا، عراق کو اسی لیے تباہ وبرباد کیا گیا، کیوں کہ وہ اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکتا تھا، ''شام'' سے امریکہ کو اسی بات پر اختلاف ہے کہ وہ اسرائیل کے مقابلے میں تھوڑی بہت قوت رکھتا ہے، نیز اسرائیلی جارحیت کو مسترد کرتا ہے، ۱۱/ستمبر کا ڈرامہ اسی لیے کھیلا گیا، تاکہ افغانستان کی طالبانی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے، جو امریکی

حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتی تھی، اس کے برعکس اسلامی عناصر کو اپنے یہاں پناہ دیتی تھی اور مسلمانوں میں ملّی بیداری کی روح پھونکنے کی کوشش کرتی تھی، اس لیے یہودی اشاروں پر (افغانستان پر حملے کا جواز پیش کرنے کے لیے) ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کرایا گیا اور اس کو ''اسامہ بن لادن'' اور ان کی تنظیم القاعدہ کے سر تھوپ دیا گیا اور اس کو بہانہ بنا کر افغانستان کی اسلامی حکومت پر چڑھائی کر دی گئی۔

امریکہ اور وہاں کے باشندوں کی انھی خصوصیات کی بنا پر صہیونیوں نے اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، امریکہ کی سرزمین کا انتخاب کیا جہاں سے وہ عالمی حکومت کے لیے راہ ہموار کرنے میں لگ گئے اور بہت جلد امریکی سیاست واقتصاد کے دروبست پر حاوی ہو گئے۔

خود اگر امریکہ کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے، تو پتا چلتا ہے کہ امریکہ نے اپنے قیام کے روز اوّل سے ہی استعماریت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے، امریکی تاریخ ظلم وستم کی داستانوں، حق تلفی کے قصوں اور مظلوم قوموں پر جارحانہ حملوں کی کہانیوں سے بھری پڑی ہے، امریکی تاریخ کے اس گھناؤنے باب کو قیدِ تحریر میں لانے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس ضرورت کو بڑی حد تک ایک مغربی مفکر ''مائکل بگنن مارڈینٹ'' نے پورا کیا ہے اس نے اپنی کتاب میں، امریکی تاریخ کے اس سیاہ پہلو کو اجاگر کرنے کی نہایت مستحسن کوشش کی ہے، اس کتاب کا عربی میں ترجمہ ڈاکٹر ''حامد فرزات'' نے ''أمريكا المستبدّة، الولايات المتحدة وسياسة السيطرة

علی العالم" کے نام سے کیا ہے، ہم ذیل میں اسی کتاب کے حوالے سے، یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ امریکہ نے ماضی میں کہاں کہاں اپنی جارحیت کا مظاہرہ کیا؟ اور اپنی توسیع پسندانہ پالیسی کی بنا پر، کن ممالک کو اپنی کالونی بنایا؟..

امریکی جارحیت

۱۷۷۶ء میں امریکہ کے قیام کے بعد ہی سے وہاں کے حکمرانوں نے اس ملک کے رقبے میں اضافہ کرنے کی کوششیں تیز کردی تھیں، امریکی سرزمین کے حقیقی باشندوں (ریڈ انڈینز) سے ان کے علاقے چھیننے، ان کے مکانوں کو تباہ و برباد کرنے اور خود ان کی نسل کشی کے بعد "امریکہ" کا وجود ہوا تھا۔

الیف ہنری لکھتا ہے کہ:

"جہاں تک "ریڈ انڈینز" کا تعلق ہے، تو ان سے ان کی زمینیں غصب کر لی گئی تھیں اور ان کو چن چن کر قتل کیا گیا تھا، بیسویں صدی کے آغاز میں ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ ہوا، ۱۹۱۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت ان کی تعداد ۲ لاکھ ۲۰ ہزار رہ گئی، حال آں کہ وہ امریکہ کے قیام کے وقت ۱۷۷۶ء میں چھ لاکھ تھے، ان کی اکثریت قحط زدہ علاقوں اور ریگستانوں میں زندگی گزارنے پر مجبور تھی، ان کی ہر چیز چھین لی گئی تھی، آخر کار ۱۹۲۴ء میں انھیں امریکی قومیت اس شرط پر دی گئی کہ وہ اپنے ماضی کو بھول جائیں اور ہر ایسی رسم و عادت سے دست بردار ہو جائیں، جو ان کے "سرخ ہندی" ہونے کی علامت ہو۔"

یورپی اقوام اپنے ساتھ جن لاکھوں افریقی باشندوں کو غلام بنا کر لائی تھیں، ان کی بھی نہایت تکلیف دہ داستان ہے، سالہا سال تک انھوں نے غلامی کی زندگی گزاری، پھر آزادی ملنے کے بعد بھی وہ امتیازی سلوک کا شکار رہے اور آج تک یہ سلسلہ برقرار ہے، اگرچہ اس میں ماضی کے مقابلے کافی کمی آئی ہے؛ لیکن چوں کہ یہ لوگ امریکہ کے اصل باشندے نہیں ہیں، اس لیے ان کا تذکرہ نہیں کیا جا رہا ہے۔

غرض یہ کہ امریکی سرزمین کے اصل باشندوں سے ان کا وطن چھین کر موجودہ امریکی ریاست ''ورجینیا'' میں اس ملک کی داغ بیل ڈالی گئی، حکمرانوں نے اس ملک کے قیام کے چند سال بعد ہی اپنی توسیع پسندانہ ذہنیت کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا، سب سے پہلے انھیں امریکی رقبے میں توسیع کرنے کی فکر لاحق ہوئی، چناں چہ انھوں نے ریاست ''ورجینیا'' کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا، امریکی حکمرانوں کا یہ خواب تھا کہ وہ مشرق میں ''بحر اٹلانٹک'' سے لے کر موجودہ امریکہ کے مغرب میں ''بحر الکاہل'' تک کے علاقوں کو، اپنے زیر نگیں کر لیں، تاکہ ایک عظیم تر امریکہ وجود میں آئے۔ ''جیک بورٹس'' اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

''انیسویں صدی کے نصف اوّل میں، امریکی توسّع پسندی کچھ ہو یا نہ ہو؛ لیکن سامراجیت ضرور تھی''، چناں چہ ۱۸۰۳ء میں ''لوزیانا'' علاقے پر امریکی پرچم لہرایا، ۱۸۱۰ء میں امریکی سامراجیت نے اپنی چادر مزید پھیلائی اور مغربی فلوریڈا کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔

مقبوضہ میکسیکو

''میکسیکو'' امریکی جنوبی سرحدوں سے ملا ہوا ملک ہے، جہاں ۱۸۲۲ء میں بادشاہت ختم ہو کر جمہوریت قائم ہوئی اور پھر ۳۰ سال تک مختلف لیڈروں کے درمیان حکومت کے سوال پر رسہ کشی جاری رہنے کے بعد ڈکٹیٹر شپ قائم ہوئی۔

موجودہ امریکی ریاست ''ٹکساس'' کا علاقہ، جو اس وقت میکسیکو کا حصہ تھا، امریکی حکومت کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا، حال آں کہ ۱۸۱۹ء میں ''اونس'' نامی معاہدے کے تحت اس علاقے کو میکسیکو کا اٹوٹ حصہ تسلیم کرلیا گیا تھا؛ لیکن ۱۸۲۱ء ہی میں امریکی سامراجی، ''اسٹیفن اوسٹین'' کی قیادت میں یہاں آنے شروع ہو گئے تھے، انھوں نے یہاں رہائش اختیار کی اور مقامی لوگوں پر غالب آگئے، جس سے انھیں ایک ایسی حکومت کے قیام کا حوصلہ ملا، جس نے مقامی باشندوں کو غلام بنالیا، اور ان پر طرح طرح کے ظلم کیے اور میکسیکو حکومت کے ماتحت رہنے سے انکار کر دیا، عوام کی بے چینی ایک فطری امر تھی؛ لیکن ۱۸۳۶ء میں اجتماعی نسل کشی کے ذریعے ممکنہ عوامی انقلاب کو دبا دیا گیا اور اسی سال آزاد جمہوری ''ٹیکساس'' کا اعلان کر دیا گیا، جس کو امریکی صدر ''جیکسن'' نے فوراً تسلیم کرلیا، نو سال بعد ٹیکساس کے حکمراں طبقے کی خواہش پر امریکی صدر ''ٹیلر'' کے دور میں اس علاقے کو امریکی صوبہ قرار دے دیا گیا، اس طرح ''میکسیکو'' کا ایک بہت بڑا علاقہ ہمیشہ ہمیش کے لیے

اس کے ہاتھ سے نکل کر امریکی جارحیت کا شکار ہو گیا، ۱۸۴۸ء کے آتے آتے ''ٹیکساس'' کے علاوہ موجودہ امریکہ کی دیگر ریاستیں اور اس وقت کے میکسیکو کے علاقے ''کیلی فورنیا، نیو میکسیکو، نویڈا، ایرازونا'' وغیرہ پر بھی امریکی بالادستی قائم ہو گئی، محدود اندازے کے مطابق نصف میکسیکو، اب امریکہ کا حصہ بن چکا تھا، امریکی بربریت کا نتیجہ تھا کہ مشہور مغربی مصنف ''میل وِل'' کو یہ کہنا پڑا کہ:

''آزاد امریکہ ایک ایسا عناد پرست ملک ہے، جس کا کوئی اصول نہیں ہے، اس کی حیثیت ایک چور اور ڈاکو کی سی ہے، جس کی خواہشات غیر محدود ہیں، بہ ظاہر تو وہ مہذب ہونے کا مدعی ہے؛ لیکن حقیقتاً وہ ایک وحشی اور جنگلی ملک ہے۔''

خارجی سطح پر امریکی جارحیت

''ریڈ انڈینز'' اور ''میکسیکو'' کی سرزمین پر قبضہ کرنے کے بعد، امریکہ کا جغرافیائی رقبہ نہایت وسیع ہو چکا تھا؛ لیکن وسعت پسندی کی خواہشات کے سمندر میں تلاطم جاری تھا، جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا، مسلسل جنگ کرتے رہنا امریکی حکمرانوں کی عادت سی بن گئی تھی۔

چناں چہ ۱۸۵۴ء میں امریکی اپنے اسلحوں سے لیس ہو کر ''گلبس بری'' کی ماتحتی میں جاپان پہنچے اور انھوں نے جاپانیوں کو ان کے علاقے ''ادو'' سے نکل جانے پر مجبور کر دیا، یوں اس علاقے سے خارجی سطح پر امریکی جارحیت کا آغاز ہوا۔

مختصراً اگر امریکی جارحیت پر نظر ڈالی جائے، تو بھی ان علاقوں کی ایک طویل فہرست ہے، جہاں امریکہ نے عسکری طور پر اپنی بربریت کا مظاہرہ کیا اور معصوم جانوں کا خون پی کر اس کے حکمرانوں نے اپنی پیاس بجھائی، چناں چہ ۱۸۹۸ء میں فلپین اور کیوبا پر حملہ ہوا، اور امریکی صدر نے یہ اعلان کر دیا کہ اب ''کیوبا'' کو امریکہ میں منضم ہو جانا چاہیے، اسی سال جزیرۂ ''ہوائی'' ''پورٹاریکا'' اور جزیرۂ ''گوام'' پر امریکی کنٹرول قائم ہوا، ۱۹۰۰ء میں چین کے خلاف جنگ میں شرکت کی، ۱۹۰۳ء میں جنوبی امریکہ کے ملک ''پناما'' میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے دخل اندازی کی، ۱۹۰۶ء میں دوبارہ ''کیوبا'' پر حملہ ہوا، ۱۹۰۹ء میں ''نیکاراگو'' نامی علاقہ، امریکی جارحیت کا شکار بنا، ۱۹۱۲ء میں میکسیکو میں امریکی فوج گھس گئی، ۱۹۱۴ء میں دوبارہ اسی جرم کا ارتکاب کیا گیا، ۱۹۱۵ء میں ''ہیتی'' پر حملہ کیا گیا، ۱۹۱۷ء میں یورپ کی جنگ میں امریکہ نے شرکت کی، اسی سال امریکی فوج اپنے پٹھو صدر کو عہدۂ صدارت پر بٹھانے کے لیے کیوبا میں گھس پڑی، ۱۹۲۴ء میں وسطی براعظم امریکہ کے ملک ''سان ڈومنگو'' پر حملہ ہوا، ۱۹۳۴ء میں ہیتی پر دوبارہ حملہ ہوا، ۱۹۴۱ء میں امریکہ نے اپنی تاریخ کی بدترین نسل کشی کا ارتکاب کیا اور ''ہیروشیما'' ''ناگاساکی'' پر ایٹم بم گرائے، اسی سال شمالی افریقہ و یورپ کی جنگ میں شریک ہوا، ۱۹۴۷ء میں امریکی خفیہ ایجنسی ''سی آئی اے'' کا قیام عمل میں آیا، جس کا مقصد تخریبی کارروائیاں کر کے مخالف حکومتوں کو گرانا تھا، ۱۹۵۰ء میں ''کوریا'' کے ساتھ جنگ ہوئی، ۱۹۵۴ء میں امریکی فوج ''سی آئی اے'' کی مدد سے ''گواٹیمالا'' میں

گھس گئی، ۱۹۵۸ء میں ''لبنان'' میں امریکی فوج بھیجی گئی، ۱۹۶۱ء میں ''کیوبا'' پر حملہ کرنے کے لیے ایک بار پھر کوشش ہوئی، اسی سال ویتنام جنگ (جو ۱۹۷۱ء تک چلی) کے مقدمے کے طور پر جنوبی ویتنام میں جنگی مشیروں کو جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا، ۱۹۶۲ء میں ''جامائکا'' نشانہ بنا، ۱۹۶۵ء میں ''جمہوریہ ڈومنیکان'' پر حملہ ہوا، ۱۹۷۰ء میں ''کمبوڈیا'' کی باری آئی، ۱۹۸۲ء میں لبنان میں امریکی فوج داخل ہوئی، ۱۹۸۳ء میں جزیرۂ ''گرناڈا'' کو جارحیت کا نشانہ بنایا گیا اور اس جزیرے پر قبضہ کرلیا گیا، ۱۹۸۶ء میں ''لیبیا'' کا نمبر آیا، ۱۹۸۹ء میں ''پناما'' پر دوبارہ حملہ ہوا، ۱۹۹۱ء میں عراق کو تباہ و برباد کرنے میں تمام تر طاقت کا استعمال کیا گیا، ۲۰۰۱ء میں ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر''، اور امریکی دفاعی ادارے ''پنٹاگن'' پر حملے کا بہانہ بنا کر افغانستان پر حملہ کیا گیا اور امریکی صدر ''جارج بش'' (جونیر) نے، صاف الفاظ میں اس کو صلیبی جنگ سے تعبیر کیا اور پھر ۱۹/ مارچ ۲۰۰۳ء میں ایک بار پھر عراق، امریکی سرکاری دہشت گردی کا شکار ہوا، نہ جانے دہشت گردی اور ظلم و ستم کا یہ سلسلہ کب تک چلے گا اور کون کون سے ملک امریکہ کی غلامی اختیار نہ کرنے کی صورت میں، اس کے عتاب کا شکار ہوں گے، اس جارح ملک کی سیاہ تاریخ میں کس ملک کے نام کا اضافہ ہوگا، کچھ نہیں کہا جاسکتا، بہ ظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ امریکہ کی خونی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے، شاید ''ایرانی'' یا ''شامی'' باشندوں کے خون سے ہولی کھیلنا ابھی باقی ہے۔(۱)

---

(۱) أمريكا المستبدة، الولايات المتحدة وسياسة السيطرة على العالم، ص:۳۰ تا ۳۲، ۱۶۰، از مائکل بگنن، ترجمہ: ڈاکٹر حامد فرزات طبع اتحاد الكتاب العرب دمشق ۲۰۰۱ء۔

امریکیوں کی تفوّق پرستی

تاریخ میں جب ظلم وستم کی داستان چھیڑی جاتی ہے، تو فرعون ونمرود کا نام ضرور آتا ہے، ساتھ ہی ان کے تکبّر وتعلّی کی بھی مذمّت کی جاتی ہے، اسی طرح وہ جدید دور، جس کو مغرب ''تہذیبی دور'' سے تعبیر کرتا ہے، امریکی جارحیت اور دہشت گردی کے واقعات سے بھرا ہوا ہے، فطری طور پر اس دہشت گردی کے ساتھ غرور وتکبر اور تفوق وتعلّی کی بھی آمیزش ہے، جو ظالموں اور دنیا کو زیرِنگیں کرنے کی ہوس رکھنے والوں کا خاصہ ہے، اس کا اندازا امریکی مفکرین اور دانش وروں کے اقوال اور تحریروں سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔

امریکی مورخ ''دانیال بورسٹین'' اپنی کتاب میں تحریر کرتا ہے کہ:

''انسانی تاریخ میں امریکی قوم ہی وہ واحد قوم ہے، جسے سب سے زیادہ یقین ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہے اور مددِ خداوندی اس کے ساتھ شاملِ حال ہے۔''

''ولیم استوگٹن'' کہتا ہے کہ:

''امریکن قوم ایک چنیدہ اور پسندیدہ قوم ہے، اللہ نے خصوصی توجہ کے ساتھ اس کی تخلیق کی ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی گیہوں کے دانوں کو چھلنی کے ذریعہ صاف کرے، عمدہ دانے تو رہ جائیں اور خراب دانے ہوا کی نذر ہو جائیں، ظاہر ہے کہ اچھا دانہ صحرا کے بیچ میں بھی اگ سکتا ہے، یہی حال امریکی قوم کا ہے، جو بنجر زمین کو بھی بدل کر قابلِ کاشت بنا سکتی ہے، وہ عمدہ دانہ ہے اور بقیہ قومیں خراب دانہ۔''

''ولیم بیرڈ'' اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ:

"امریکن قوم کی تخلیق سے پوری دنیا پر عائد ایک فریضے کی تکمیل ہوئی ہے، یہ قوم جسم واحد کی حیثیت رکھتی ہے، یہ اللہ کی محبوب ترین قوم ہے، ایک دن ایسا آنے والا ہے، جب سب لوگوں کا رخ ہماری طرف ہوگا اور ہم ہی اس عالم کا قبلہ ہوں گے۔"

"جان بیر نجیہ" تحریر کرتا ہے کہ:

"امریکیوں کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ ترقی یافتہ قوم ہیں، وہ ایسے مرحلے میں پہنچ چکے ہیں، جہاں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کی تائید کرتا ہے اور سارے عالم پر ان کی برتری سے راضی ہے۔"

"فرانسیس ہینکسن" اپنی کتاب (New England's Plantation) میں لکھتا ہے کہ:

"ہماری سب سے بڑی ذمے داری ہے کہ، ہم لوگوں کو حقیقی دین سکھلائیں، کیوں کہ ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں ہے، کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، لہذا کون ہمارے خلاف کھڑے ہونے کی ہمت کر سکتا ہے؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ اللہ ہماری تائید کرتا ہے۔"

امریکی صدر جیفرسن نے کانگریس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"مدد خداوندی کے باعث ہی امریکہ آج ایک آئیڈیل جمہوری ملک بنا ہے، یہ منصب اسی قوم کو مل سکتا ہے، جو اس راہ کی نشاندہی کرتی ہے، جس پر چلنا دوسروں کے لیے ضروری ہوتا ہے، امریکہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ روئے زمین کی تمام قوموں کی قیادت کرے۔"(۱)

---

(۱) ایضاً ص:۱ تا ص:۵۔

مذکورہ بالا اقوال وتحریرات سے امریکی قوم کے غرور وتکبر اور خوش فہمی کا اندازا ہوتا ہے، اسی غرور اور خوش فہمی کی وجہ سے، ان کو حوصلہ ہوا کہ وہ جب چاہیں، جہاں چاہیں، حملہ کردیں اور بنی نوع انسانی کو یرغمال اور غلام بنالیں، جس ملک کی بنیاد ہی لوٹ کھسوٹ اور غصب پر پڑی ہو، اُس سے اس کے علاوہ کوئی اور امید بھی نہیں کی جاسکتی، حیرت تو ان لوگوں پر ہوتی ہے، جو اس بربریت اور دہشت گردی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود، ظاہری چمک دمک سے متاثر ہوکر امریکہ کو تہذیب وتمدن کا نمونہ اور وہاں کی قوم کو آئیڈیل تصور کرتے ہیں۔

امریکہ اور صہیونیت

''بہت جلد اسرائیل کا خدا ہمارے درمیان ہوگا اور ہم یہودیوں کے لیے ایک ملک تعمیر کریں گے'' ''جو نئے صہیون کی تعمیر کے مخالف ہے، وہ ہمارے ملک سے چلا جائے۔''

یہ اقوال امریکی مفکرین کے ہیں، جو امریکہ کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات کے غماز ہیں، صہیونی جو ہمیشہ سے عالمی حکومت کا خواب دیکھتے آئے ہیں، انھیں امریکی سرزمین سب سے زیادہ راس آئی، کیوں کہ امریکی قوم بھی انھی کی طرح استعمار پسند واقع ہوئی ہے، یہودی جانتے تھے کہ جو ملک اپنے قیام کے روز اوّل سے خاموش نہیں بیٹھا اور کوئی سال اس پر ایسا نہیں گزرا جس میں اس نے اپنی جارحیت کا ثبوت نہ پیش کیا ہو، ایسا ملک ہی ان

کے خوابوں کی تکمیل کرسکتا ہے اور ان کی خواہشات نیز ساری دنیا پر اجارہ داری کی ''ہوس'' کے سفینے کو کنارے لگا سکتا ہے، لہٰذا صہیونیوں نے اپنے منصوبوں کی فہرست میں، سب سے زیادہ اس بات کو ترجیح دی کہ امریکی اقتدار کے ذرائع پر قبضہ کیا جائے، امریکی قوم کی عقل وخرد پر تالا ڈال دیا جائے، وہاں کی اقتصادیات اپنے قبضے میں کرلی جائیں اور امریکی سیاست میں ایک مؤثر کردار ادا کیا جائے، تاکہ امریکی پالیسی اور یہودی اسٹراٹیجی میں یکسانیت ویگانگت پیدا ہوجائے اور امریکہ کی برتری صرف امریکن قوم کی برتری ہی نہ ہو؛ بل کہ یہودیوں کی برتری سمجھی جائے، کیوں کہ امریکہ اگر دنیا کی قیادت کرتا ہے، تو اس کو اس منصب تک لانے والے یہودی تاجر اور سیاست داں ہوں، تاکہ امریکی قیادت دراصل یہودی قیادت سے عبارت ہو۔

صہیونیوں نے اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر تلاش کرنے کے لیے، جہاں امریکہ کی سرزمین کا انتخاب کیا، وہیں بہت سے منصوبے بھی تیار کیے، جن پر عمل کرکے وہ دنیا کے اربابِ حل عقد ہونے کی تمنا پوری کرسکتے تھے، ان منصوبوں کو ''حکمائے صہیون کی تجاویز'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

صہیونی پروٹوکولز

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں کہ ''سوئٹزرلینڈ'' کے شہر ''باسل'' میں جون ۱۸۹۷ء کو صہیونیوں کی پہلی عالمی کانفرنس، ان کے لیڈر ''تورڈ ہرٹزل'' کی صدارت میں منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں پوری دنیا کی ۵۰ تنظیموں سے

تعلق رکھنے والے ۳۰۰ یہودیوں نے شرکت کی، انھوں نے اس اجلاس میں پوری دنیا کو غلام بنانے، عالمی صہیونی حکومت قائم کرنے اور ۵۰ سال کے اندر اندر فلسطین کے علاقے پر قبضہ کرنے کے منصوبوں کو ترتیب دیا، ان منصوبوں کے معاملے میں نہایت راز داری برتی گئی، ان کا علم اس اجلاس میں شریک یہودی مفکرین کے علاوہ کسی کو نہ تھا، یہ تجاویز "صہیونی پروٹوکولز" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

لیکن ایک فرانسیسی خاتون کو کسی یہودی مفکر کے ذریعے کچھ تجاویز کا علم ہوگیا، اس نے روس کے حکمراں کو ۱۹۰۱ء میں ان منصوبوں کے بارے میں اطلاع دی، روسی حکمراں ان تجاویز میں چھپے خطرے اور سازش کو بھانپ گیا، اس نے ان "پروٹوکولز" کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم دیا، اس ترجمے کی اشاعت پر یہودی دنیا سے اس وقت کے سب سے بڑے لیڈر "ہرٹزل" کو بڑا صدمہ ہوا اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ:

> "ان خفیہ دستاویزات پر عمل درآمد سے پہلے، ان کا عام ہو جانا یہودیوں کو بڑے بڑے خطرات سے دوچار کر سکتا ہے۔"

مذکورہ دستاویزات میں ان منصوبوں کا ذکر تھا، جن کے ذریعے یہودی پوری دنیا پر اپنی بالادستی قائم کر سکتے ہیں اور سرزمین "یروشلم" پر صہیونی حکومت کی بنیاد ڈال سکتے ہیں، یہ خطرناک یہودی دستاویزات، پوری دنیا میں مختلف زبانوں میں ترجمہ ہونے کے بعد، بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوگئیں، ان کے منظر عام پر آنے سے یہودی لابی سکتے میں آگئی اور صہیونیوں کی نسل

پرستی اور جارحیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔

ان دستاویزات کے مختلف زبانوں میں لاکھوں نسخے طبع ہوئے؛ لیکن بہت جلد یہ نسخے بازار سے غائب ہوجاتے، یہودی یا تو سبھی نسخوں کو خرید لیتے اور لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچنے نہ دیتے، یا ان دکانوں اور تجارت گاہوں کو ہی نذر آتش کردیا جاتا، جہاں پر ان دستاویزات کے تراجم فروخت ہوتے تھے، نیز مترجمین اور ناشرین کو اغوا کرکے، دوسروں کے لیے باعث عبرت بنادیا جاتا، تاکہ کوئی دوسرا صہیونی رازوں کے افشا کی کوشش نہ کرے، اب جب کہ صہیونی اپنے منصوبوں پر دل و جان سے لگے ہوئے ہیں اور اپنی منزل مقصود سے بہت قریب ہیں، ان خفیہ دستاویزات کو سامنے لایا گیا ہے، ذیل میں ہم ان دستاویزات کی چند شقیں پیش کرتے ہیں:

(۱) لوگوں پر حکومت کرنا ایک عظیم اور مقدس عمل ہے، یہودیوں کی منتخبہ جماعت ہی اس عمل کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہی اس کی حق دار ہے۔

(۲) سونے کا ذخیرہ کرنے والے صہیونی یہودیوں کو چاہیے کہ وہ ابلاغ کے تمام ذریعوں، طباعت خانوں اور سینما گھروں پر بالادستی حاصل کرلیں۔

(۳) روئے زمین کی قوموں کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا جائے، جیسے جانوروں کے ریوڑ کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے، سبھی یہودیوں کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ دنیا کے لیڈر، ان کے سامنے شطرنج کے مہروں کی حیثیت رکھیں، جدھر چاہے ان کو موڑ دیا جائے اور جب چاہے دھمکی دے کر، یا مال، عورت اور اونچے اونچے مناصب کا لالچ دے کر ان کو غلام بنالیا جائے۔

(۴) ''سونے'' کی صنعت یہودیوں کے قبضے میں ہونی چاہیے، کیوں کہ یہ سب سے عمدہ ہتھیار ہے، یہ ہتھیار رائے عامہ کو ہموار کرنے، نوجوانوں کو بے راہ کرنے، ضمیر، دین، قومیت اور خاندانی نظام کا خاتمہ کرنے اور تفرقہ بازی، نیز فساد و بے راہ روی اور ذلیل خصائل عام کرنے میں، بہترین مد ومعاون ثابت ہوسکتا ہے۔

(۵) یہودیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ امریکہ کی معاونت کریں؛ تا کہ یورپ کو سبق سکھلایا جاسکے اور اس کو اپنے اقتدار کے ماتحت رکھا جاسکے۔

(۶) قوم یہود ہی اللہ کی پسندیدہ ومحبوب قوم ہے اور اللہ کی اولاد ہے، یہودیوں کے علاوہ سب (جوئیم) ہیں، یعنی بت پرست اور کافر ہیں، یہودی اللہ کے نزدیک محبوب ہیں، اور ان ہی کے نفوس، خداوند قدوس کے نفس سے بنے ہیں، اللہ نے ان کا اعزاز واکرام کرتے ہوئے، ان کو بشری صورت سے نوازا ہے۔

(۷) دنیا پر حکومت کرنے کے سلسلے میں بہترین نتیجہ تشدد، طاقت اور دہشت گردی کی راہ سے برآمد ہوتا ہے، نہ کہ مذاکرات سے۔

(۸) سیاسی آزادی ایک دھوکے اور فریب سے کم نہیں ہے، انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ضرورت کے وقت اس سوچ اور فکر پہ کیسے قابو پائے اور کس طرح عوام الناس کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے، ''سیاسی آزادی'' کو ''لقمہ'' بنا کر پیش کرے؛ کیوں کہ آزادی ایک ایسی فکر ہے، جس کا کوئی وجود نہیں ہے، مختلف تنازعات اور اختلافات کو ہوا دینا بھی ضروری ہوگیا ہے،

تاکہ یہ معاشرتی معرکوں کی شکل اختیار کرلیں اور مختلف ملکوں میں ایسی آگ لگے، جو حکومتوں کے تمام تر اثر ورسوخ کو ختم کردے۔

(۹) خواہ ملکوں کو اندرونی خلفشار سے کم زور کیا جائے یا جنگیں مسلط کرکے، بہر حال انھیں مکمل تباہ و برباد کرنا ہے، تا آں کہ وہ ہمارے قبضے میں آجائیں، جب تک ہمارے پاس مال ودولت کی فروانی ہے، تمام ممالک کے لیے ہمارا رخ کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے، بہ صورتِ دیگر ان کو غرق ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

(۱۰) سیاست اور اخلاق کے درمیان دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، وہ حکمراں جو اپنے آپ کو اخلاق کی زنجیروں میں مقید کرلیتا ہے، کام یاب سیاست داں نہیں ہے، ہم ایسے حکمراں کو حکمرانی کرنے کا موقع ہرگز نہیں دے سکتے۔

(۱۱) حکومت اگر کرنی ہے، تو سازش، فریب، چالاکی اور ریاکاری کا مظاہرہ کرنا ہی ہوگا، اس لیے کہ خلوص اور امانت جیسی انسانی عادات سیاست کے میدان میں رذائل شمار ہوتی ہیں۔

(۱۲) ہمارا حق طاقت میں پوشیدہ ہے، حق گوئی محض ایک فکر ہے، جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

(۱۳) مقصد ہر قسم کے وسیلے درست اور جائز بنا دیتا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہماری توجہ، صرف ان ہی امور کی طرف ہو، جو قوم یہود کے لیے مفید ہیں۔

(۱۴) تشدد اور مکر وفریب کے تمام تر وسائل ہمارا شعار ہوں، سیاست

کے میدان میں فتح ونصرت ہی ہماری اصل طاقت ہے اور تشدد اس طاقت کی بنیاد ہے، بہترین مقصد کے حصول کے لیے صرف شر ہی ایک ذریعہ بن سکتا ہے، ہم اپنے مقصد کو بہ روے کار لانے کے لیے دھوکہ دہی میں کبھی بھی تردد سے کام نہیں لیں گے۔

(۱۵) طاقت میں ہمارے اصول وضوابط ہمارے وہ وسائل ہیں، جن کو ہم اپنی طاقت کے مظاہرے کے لیے تیار کرتے ہیں، ہم ان حکومتوں پر یقیناً ایک دن فتح حاصل کرلیں گے، جو ہمارے خلاف سرکشی پر آمادہ ہیں، حکمت کا دعوی کرنے والے جاہلوں (غیر یہودی) کو یہ جان لینا چاہیے کہ اقتدار ایک اندھی طاقت ہے اور حکومت چھین لینا اتنا ہی آسان ہے، جتنا کہ ہاتھوں سے دستانے اتارنا۔

(۱۶) ہم بے انتہا طاقتور ہیں، سارے عالم کو ہم ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور ہماری طرف ہی رجوع کرنا چاہیے، کوئی بھی حکومت چھوٹا سا معاہدہ بھی ہماری دخل اندازی اور موافقت کے بغیر نہیں کرسکتی۔

(۱۷) سیاسی طاقت کے طور پر جاہلوں (غیر یہود) کی نوابی حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب ہمیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ نواب، زمینوں اور ان کی پیداوار کے مالک ہونے کی حیثیت سے، آج بھی ہمارے لیے خطرہ ہیں، کیوں کہ ان کی مستقل معیشت (زمینیں) مع پیداوار کے ان ہی کے پاس ہیں، اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم نوابوں کو ان کی زمینوں اور جائدادوں سے بے دخل کردیں، بہ ہر قیمت ہمیں یہ کرنا ہے، ساتھ ہی ہمیں

صنعت وتجارت اور مضاربت پر ہر ممکن بالا دستی قائم کرنی ہے، سرمایہ کاری کے ذریعے ہم صنعت کو ترقی دے کر، اپنے قبضے میں کر سکتے ہیں، نوابوں سے زمینیں چھیننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم صنعت کی راہ سے زمین میں پوشیدہ تمام دولتوں کو چوس لیں، اس طرح سرمایہ کاری، دنیا بھر کی دولت وثروت خود بہ خود ہمارے قدموں میں لا کر ڈال دے گی۔

(۱۸) فتنے، فسادات اور دشمنیاں پھیلانا ضروری ہوگیا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم ہر اس شخص کے خلاف اعلان جنگ کر دیں، جو ہمارے راستے کا روڑا بننا چاہتا ہے، خواہ عالمی جنگ ہی کیوں نہ ہو، ہم تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے اپنی قوت دکھلا دیں گے، اگر ساری دنیا ہمارے خلاف ایک پلیٹ فارم پر آجائے، تو ہم امریکی توپوں کے ذریعے ان کو سبق سکھلائیں گے۔

(۱۹) ہمیں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام ذرائع اپنانے ہوں گے، ہم قوانین کی دفعات میں عمدہ اور دلکش عبارتیں ذکر کریں اور پائیدار اسلوب میں احکام صادر کریں، تاکہ عام لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ قوانین اخلاقیات کا معیار ہیں اور انصاف وفطرت پر مبنی ہیں۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری حکومت متمدن زندگی کی تمام طاقتوں سے لیس ہو، اس کے لیے ناشرین، وکلا، سیاست داں اور مشیروں سے مدد لینا ضروری ہے، ہم اپنی حکومت کو اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر، ماہرین اقتصادیات کا ایک مکمل لشکر فراہم کریں گے۔(۱)

(۱) بروتوكولات حكماء صهيون، جذور العولمة والمؤامرة الصهيونية على العالم، از ڈاکٹر اکرم عبدالرزاق المشہدانی، اخبار "الرائد" لکھنؤ ص: ۱۳ـ ۲۸/صفر ۱۴۲۴ھ۔

صہیونی ''پروٹوکولز'' کے یہ چند نمونے ہیں، جو تقریباً سو سال پہلے منظر عام پر آئے اور تبھی سے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں، ان پروٹوکولز میں صہیونیوں نے ہر اس شخص کو سبق سکھلانے کا عہد کیا ہے، جو ان کی اطاعت سے روگردانی کرے گا اور آزادانہ روش اختیار کرے گا، یہ تجاویز ان کی بھونڈی اور غیر اخلاقی سیاست کی غماز ہیں، ان سے یہودیوں کی تنگ نظری، بداخلاقی، غیر مہذب ذہنیت اور دنیا پر حکومت کرنے کی ہوس کا پتا چلتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کل دنیا کے جغرافیے پر جو کچھ واقعات رونما ہورہے ہیں، وہ سب انھی ''پروٹوکولز'' پر عمل درآمد کا نتیجہ ہیں، یہودیوں نے اپنے حکما اور دانش وروں کی ان تجاویز کو اپنے سینے سے لگایا اور دو صدیوں کی مسلسل محنت کے بعد، آج وہ اپنی منزل سے بہت قریب ہیں، تمام عالمی لیڈر ان کے لیے شطرنج کے مہرے کی حیثیت رکھتے ہیں، ''سونے'' کی صنعت پر ان کا مکمل کنٹرول ہے، ذرائع ابلاغ پر ان کی اجارہ داری ہے۔

ایک دھماکہ خیز رپورٹ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ یہودی، امریکی اور مغربی میڈیا کے ۹۰ فی صد حصے پر قابض ہیں، امریکہ کا مشہور اخبار ''نیویارک ٹائمز'' یہودیوں کی زیر ملکیت ہے، جس کے تحت ۹ روزنامے، نو ماہنامے، ۴ ہفتہ واری میگزین، ۲ ریڈیو اسٹیشن اور ۳ مطابع ہیں، ''کناڈا'' کی کاغذ بنانے والی ۳ بڑی کمپنیوں میں یہودیوں کی سب سے زیادہ حصے داری ہے، اسی طرح صہیونی مشہور اخبار ''وال اسٹریٹ جنرل'' اور دو اہم عالمی رسالوں ''ٹائم میگزین'' اور ''نیوز ویک'' پر بھی قابض ہیں، صرف ''ٹائم میگزین'' ہی کی عالمی

سطح پر ۴۰ ملین سے زائد کی اشاعت ہے، مزید برآں ۵۰۰ خبر رساں ایجنسیاں بھی ان ہی کی ملکیت میں ہیں۔(۱)

اس رپورٹ سے بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قوم، دنیا پر حکومت کرنے کے اپنے خواب کی تکمیل کے لیے، اپنے حکما کی تجاویز پر کس قدر سنجیدگی کے ساتھ عمل پیرا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ آج وہ اپنی منزل کے سامنے کھڑی ہے تو غلط نہ ہوگا۔

امریکہ پر صہیونیوں کی بالادستی

امریکہ کے استعماریت پسند رجحان کو دیکھتے ہوئے، یہودیوں کو معلوم تھا کہ یہ ملک مستقبل میں بڑی طاقت کی شکل اختیار کرے گا، اس لیے صہیونی حکمانے اپنی تجاویز میں امریکہ کا رخ کرنے اور وہاں اپنے پنجے گاڑنے پر زور دیا، جس کے بعد یہودی امریکہ کا قصد کرنے لگے، وہاں کی سیاست میں سرگرم حصہ لینے لگے، اقتصاد کے میدان میں انھوں نے بڑی ترقی کی، حتی کہ ان کی کمپنیاں امریکی اقتصادیات کے لیے ریڑھ کی ہڈی بن گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے امریکی سیاست میں یہودیوں کا اثر ونفوذ اس قدر بڑھ گیا کہ ان کی مرضی کے بغیر، امریکی کانگریس (پارلیمنٹ) میں کسی بل کا پاس ہونا بھی مشکل ہوگیا۔

امریکہ پر یہودی اجارہ داری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ

(۱) العالم الإسلامي، عدد ۱۷۲۱/ ۱۳۰۱/صفر ۱۴۲۳ھ رپورٹ حسین محمد علی۔

امریکی سیاست میں اس وقت دو پارٹیاں سرگرم عمل ہیں:

(۱) ریپبلیکن (۲) ڈیموکریٹک۔

یہ دونوں پارٹیاں دراصل کسی زمانے میں ایک ہی تھیں اور اس وقت اس متحدہ پارٹی کو "ڈیموکریٹک ریپبلکن" کہا جاتا تھا، لیکن امریکہ کے ساتویں صدر کے دور میں، افریقی النسل باشندوں کی غلامی کے مسئلے کو لے کر، کچھ ارکان اس پارٹی سے الگ ہو گئے اور انھوں نے "ریپبلیکن" کے نام سے نئی پارٹی تشکیل دی، اس پارٹی کا موقف یہ تھا کہ امریکی معاشرے سے غلامی کو ختم کیا جائے، جب کہ ڈیموکریٹک پارٹی اس کے خلاف تھی، وہ افریقی باشندوں کو بہ دستور غلام بنائے رکھنا چاہتی تھی؛ پھر ریپبلکن پارٹی میں یہودی تاجروں کا اثر ونفوذ بڑھتا گیا اور یہ پارٹی ملٹی نیشنل کمپنی کے مالکوں اور بڑے بڑے صنعت کاروں کے مفادات کے تحفظ کو ترجیح دینے لگی، اس طرح وہ پارٹی، جو کبھی غلامی کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے وجود میں آئی تھی، پوری دنیا کو غلام بنانے کے لیے آمادہ نظر آنے لگی، ایسی پارٹی، جو انسانیت کے تحفظ کی خاطر بنی، سخت گیر، قوم پرست، متعصب اور استعماری یہودیوں کے چنگل میں پھنسنے کی وجہ سے اسرائیل پرست بن گئی، جب کہ ڈیموکریٹک پارٹی کو قدرے نرم اور معتدل مزاج افراد ملے، چناں چہ "جارج بش" (سینئر) کے دور میں، جو کہ ریپبلکن پارٹی سے تعلق رکھتے تھے، پہلی مرتبہ عالم گیریت کے نفاذ کا اعلان کیا گیا، اور تجرباتی طور پر عراق کویت جنگ کروائی گئی؛ لیکن "ڈیموکریٹک" پارٹی سے تعلق رکھنے والے "بل کلنٹن" کے دور میں (جو آٹھ

سال پر محیط ہے) اگر چہ امریکی سیاست خارجہ میں تبدیلی نہیں آئی؛ لیکن کوئی ایسا بڑا واقعہ بھی رونما نہیں ہوا، جو کلنٹن انتظامیہ کے ماتھے پر کلنک ہو، مگر ڈیموکریٹک پارٹی کے اقتدار کے بعد، جارج بش جونیر (ریپبلکن امیدوار) کا قافلہ اپنے والد کے ترتیب کردہ لشکر کے ساتھ جب وہائٹ ہاؤس پہنچا، تو اسرائیل پرستی میں ایک بار پھر شدت آگئی اور یہودیوں کا اثر براہ راست سیاست خارجہ پر پڑنے لگا، باپ کے زمانے میں عالم گیریت کو تجرباتی مراحل سے گزارا گیا اور بیٹے کے دور میں اس کا نفاذ شروع ہوگیا، یہودی مقاصد بہ روے کار لانے کے لیے افغانستان پر حملہ کیا گیا، عراق کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی اور اب ایران وشام کی طرف امریکہ کا رخ ہے، جو اسرائیل مخالف سمجھے جاتے ہیں۔

شکنجۂ یہود... ایک امریکی کانگریس مین کی روداد

امریکی کانگریس (ایوان بالا) کے ممبر "پال فنڈ لے" (جو کئی سال تک کانگریس سے جڑے رہے) ان امریکیوں میں سے ہیں، جنھوں نے امریکہ کو یہودیوں کے شکنجے میں پھنستا ہوا محسوس کیا ہے، چوں کہ انھوں نے اقتدار کے قریب رہ کر یہودیوں کی چال بازیوں اور سازشوں کا مشاہدہ کیا ہے؛ بل کہ وہ خود ان کی سازشوں کا شکار ہوے ہیں، اس لیے انھوں نے حوصلہ کر کے اپنی روداد اور مشاہدات کو ترتیب دیا اور "They Dare to speak Out" (وہ بولنے کا حوصلہ رکھتے ہیں) کے نام سے کتاب لکھی، جس میں انھوں نے اپنے

تجربات کی روشنی میں یہودیوں کی بالادستی کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

پال فنڈلے لکھتے ہیں:

''واشنگٹن مخفف ناموں کے لیے شہرت رکھتا ہے اور کانگریس میں (AIPAC) سب سے زیادہ مشہور ہے، اس کا تذکرہ ہی ان لوگوں کو چونکا دینے اور متوجہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے، جو ''کیپٹل ہل'' پر مشرق وسطی کی پالیسی سے تعلق رکھتے ہیں، ''AIPAC'' یعنی امریکن اسرائیل پبلک افیرز کمیٹی اب واشنگٹن کی اہم ترین لابی ہے۔''

۱۹۶۷ء میں، جب کہ میں چوتھی مرتبہ منتخب ہو کر کانگریس کا ممبر بنا تھا، تو مجھے فارن افیرز کمیٹی میں نامزد کیا گیا، اس وقت میں نے اس کا نام بھی نہ سنا تھا، ایک دن میں نے کمیٹی روم میں ذاتی گفتگو کے دوران، اسرائیل کے شام پر حملے کو نامناسب کہا، صوبہ ''مشیگن'' کے رکن کانگریس ''ولیم بروم فیلڈ'' نے مسکراتے ہوئے کہا کہ: ''ذرا AIPAC کے ''سی کینن'' تک تمھاری اس رائے کی خبر پہنچنے دو، پھر دیکھنا'' اس کا اشارہ I.L.Kenan کی طرف تھا جو ''AIPAC'' کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھا، بعد میں یہ ثابت ہوا کہ ''بروم فیلڈ'' مذاق نہیں کر رہا تھا، ''AIPAC'' کو اس ذاتی خبر کی بھنک بھی پہنچ جاتی ہے، جو کہ ایک کانگریس ممبر مشرق وسطی کے بارے میں کرے۔''

''AIPAC'' اسرائیلی لابی کا ایک حصہ ہے؛ لیکن اثر اندازی کے لحاظ سے یہ اہم ترین حصہ ہے، یہ تنظیم پچھلے چند برسوں میں بڑی مضبوطی حاصل کر چکی ہے، یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ مشرق وسطی پالیسی کے بارے میں یہ تنظیم ''کیپٹل ہل'' کے ہر اہم پہلو پر چھا چکی ہے، ہاؤس اور سینیٹ کے

ممبران، تقریباً بلا استثنا اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، کیوں کہ انھیں علم ہے کہ یہ تنظیم ''کیپیٹل ہل'' پر ایک ایسی سیاسی قوت کی براہ راست نمایندہ ہے، جو الیکشن کے وقت ان کے امکانات کو بنا اور بگاڑ سکتی ہے۔

یہ بات چاہے حقیقت پر مبنی ہو، یا فسانے پر، لیکن یہ بات اہم ضرور ہے کہ ''AIPAC'' نام ہی ایک قوت.... یعنی دہشت زدہ کرنے والی قوت کا ہے، اس کا جو شائع شدہ مواد ملتا ہے، اس میں نیویارک ٹائمز اخبار کا یہ جملہ ہمیشہ بہ طور حوالہ درج ہوتا ہے کہ: یہ تنظیم مضبوط ترین، منظم ترین اور مؤثر ترین گروپ ہے، جو واشنگٹن میں خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مک گلوسلی پاویل "MccGloslley paul N." سابق کانگریس ممبر نے تو صاف صاف کہا ہے کہ:

''کانگریس پر ''AIPAC'' کی دہشت چھائی ہوئی ہے۔''

واشنگٹن پوسٹ اخبار کے معاون مدیر اسٹیفن روس فیلڈ Stephen s.Rosenfeld کے بہ قول:

''AIPAC'' اب واضح طور پر امریکہ میں ایک اہم ترین یہودی سیاسی قوت ہے۔''(۱)

پال فنڈلے ''جو گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' کا مصداق ہے، اپنی کتاب میں امریکہ کے یہود پرست ہونے پر جگہ جگہ احتجاج کرتا ہے اور دوٹوک الفاظ میں لکھتا ہے کہ ان ہی یہودیوں کی وجہ سے، آج تک مشرق وسطی سمیت دنیا کے دیگر علاقوں میں امن قائم نہیں ہوسکا؛ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ امریکی کانگریس کا یہ سابق رکن اور اچھے خاصے اثر ورسوخ کا مالک ''پال فنڈلے''

(۱) They Dare To Speak out از پال فنڈلے اردو ترجمہ شکنجۂ یہود ص:۵۰تا ص:۵۲۔

بھی، اپنی کتاب تحریر کرنے کے بعد یہودی تسلط کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، یہودیوں سے خوف کا یہ عالم ہے کہ ''پال فنڈ لے'' کی کتاب کو شائع کرنے کے لیے کوئی ادارہ تیار نہ ہوا، مصنف خود لکھتا ہے کہ

''اس کی اشاعت میں کئی کٹھن منزلیں آئیں، مثال کے طور پر دو سال پبلیشر تلاش کرنے میں لگے، دو پبلشروں نے مسودے کی تعریف کرتے ہوئے قابل اشاعت قرار دینے کے باوصف، یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ اس کا تعلق بہت حساس موضوع سے ہے، ایک پبلشر نے کہا کہ ہماری فرم کو اس کی اشاعت سے بہت سی اندرونی اور بیرونی مشکلات پیش آئیں گی، لہذا وہ اس مشکل میں پھنسنا نہیں چاہتے، آخر کار ایک معتبر پبلشر نے یہ جوا کھیلنے پر رضامندی ظاہر کی۔''

تفصیلی طور پر امریکی حکومت کے یہودیوں کے شکنجے میں ہونے کا اندازا لگانا کسی مہم کو سر کرنے کے مرادف ہے، اجمالاً صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ امریکی صدر کو کب کیا کرنا ہے، اس کا فیصلہ امریکی یہودی کرتے ہیں، یہودیوں ہی کے اشارے پر پنٹاگن (امریکی دفاعی ادارہ) مختلف ممالک کے خلاف مہم جوئی کرتا ہے اور ان کی مرضی کے مطابق ہی واشنگٹن کی خارجہ پالیسی ترتیب دی جاتی ہے، اس لیے عالم گیریت، جو واقعتاً امریکہ کاری ہے، وہ حقیقتاً ''یہودکاری'' ہے، اس تحریک کا سب سے زیادہ فائدہ اگر کسی کو پہنچے گا، تو وہ یہود ہیں، جو گلوبلائزیشن کے ذریعے پوری دنیا کے مالک بن بیٹھے ہیں۔

لیگ آف نیشنز... عالمی حکومت کی تشکیل کا آغاز

جس عالمی حکومت کا خواب یہودیوں نے دیکھا تھا، اس کی عملی تشکیل

اور مربوط کوشش کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے دوران ہوا، جب امریکی صدر ولسن کے سیاسی مشیر ''کرنل مانڈیل ہاؤس'' نے اپنے رفقا کی مدد سے، لیگ آف نیشنز کا سانچہ تیار کیا اور جنوری ۱۹۱۸ء میں صدر ولسن نے اس خاکے کو کانگریس کے سامنے پیش کیا، جس میں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ:

> ''امریکی ڈپلومیسی میں کھلا پن ہو، آزادانہ تجارت پر زور دیا جائے، اسلحے میں کمی کی جائے اور استعماری مسائل عوام کی خواہشات کے مطابق کھلے ذہنوں سے حل کیے جائیں، اس کے لیے ایک ایسی تنظیم کی ضرورت ہے، جو دنیا کے ممالک پر نگراں کی حیثیت رکھتی ہو اور اس کے پلیٹ فارم سے ان تمام مسائل کا حل ممکن ہو۔'' لیگ آف نیشنز کا یہ خاکہ کانگریس میں قرارداد ۱۴ کے نام سے مشہور ہوا۔ (۱)

دستوری طور پر امریکی سینیٹ کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی معاہدے یا دستاویز کو قبول یا مسترد کر دے، اس بنا پر سینیٹ کی چوتھائی اکثریت نے یہ کہہ کر، لیگ آف نیشنز کے تخیل کو مسترد کر دیا کہ امریکی اقتدار اعلیٰ، کسی دوسری تنظیم کے تابع نہیں رہ سکتا، اس طرح یہ منصوبہ عملی شکل میں آنے سے پہلے ہی ناکامی سے دوچار ہو گیا، اگرچہ امریکہ لیگ آف نیشنز کا رکن نہیں بنا، لیکن اس ادارے کا وجود بہ ہر حال برائے نام باقی رہا۔ (۲)

لیگ آف نیشنز کا مقصد یہ تھا کہ وہ جمہوری اصولوں کی بنیاد پر ایک مثالی عالمی نظام قائم کرے، جس کو اقوام عالم طوعاً و کرہاً اپنائیں، اس مقصد کی

---

(۱) أمریکا المستبدۃ ص: ۴۴۔

(۲) مغربی میڈیا ص: ۶۸۔

حصول یابی کے لیے لیگ آف نیشنز کے پلیٹ فارم سے، یہ قانون پاس کیا گیا کہ جنگ ایک ممنوع عمل اور جرم ہے، کسی بھی ملک کو اس جرم کا ارتکاب کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن عالمی نظام کا دفاع کرنے والوں کو سرکش ممالک کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا حق حاصل رہے گا۔ اس قانون کی رو سے ''ایمپائرازم'' اور سامراجیت بھی جرائم کی فہرست میں آ گئے؛ لیکن واقع میں صرف اسی استعمار کو قابل مذمت سمجھا گیا، جو امریکی سامراجیت کے مقابل ہو، یا اس کی راہ کی رکاوٹ بن رہا ہو۔

امریکی صدر ولسن نے لیگ آف نیشنز کے خاکے میں تخفیف اسلحہ کا، جو تذکرہ کیا تھا، اس پر امریکہ کے علاوہ دیگر ممالک سے زبردستی عمل کروایا گیا، کیوں کہ ولسن کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا کہ امریکہ مستقبل میں بہ آسانی ممکنہ مخالفین کے خلاف کارروائی کر سکے اور کسی بھی ملک کو امریکہ کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو۔

لیگ آف نیشنز کے چارٹر میں دوسری بات آزاد تجارت سے متعلق کہی گئی تھی، آزادانہ تجارت کے حوالے سے بھی صدر ولسن کا مقصد یہ تھا کہ امریکہ کے اقتصادی منافسین کا مقابلہ کیا جا سکے اور ان کو اقتصادی لڑائی میں شکست سے دوچار کیا جا سکے، امریکہ کے پاس اس وقت دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سمندری تجارتی بیڑہ تھا، اس لیے آزادانہ تجارت نے امریکیوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ عالمی منڈیوں کے بڑے حصے پر قابض ہو جائیں اور کوئی بھی ملک یا قوم اس میدان میں ان کے سامنے نہ ٹک سکے، اسی کا نتیجہ تھا کہ امریکہ

کے پاس، جو محفوظ اور ریزرو سونا تھا، وہ پوری دنیا کے سونے کا نصف تھا، جو ۱۹۲۹ء میں بڑھ کر ۶۰ فی صد ہوگیا، اسی طرح امریکہ میں کوئلے کی سب سے زیادہ پیداوار ہونے لگی، فولاد اور گیہوں کی پیداوار میں بھی دوگنا اضافہ ہوا اور پھر دیگر ممالک کی مدد کے نام پر امریکہ نے، جو جنگیں لڑی تھیں، ان کے قرضے بھی باقی تھے، جن کی وجہ سے امریکہ مقروض ممالک پر سانپ بن کر بیٹھ گیا اور زبردستی اپنی مرضی اُن پر نافذ کرنے لگا، چناں چہ جرمن سامراج کو، جو امریکہ کے لیے خطرہ بنتا جارہا تھا، نیست و نابود کردیا اور اس کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔

صدر ولسن دوسروں پر جو چیز نافذ کرنا چاہتے تھے، اس پر انھوں نے کبھی بھی عمل نہیں کیا، انھوں نے سامراجیت کا مقابلہ کرنے کے لیے نعرہ بلند کیا؛ لیکن ایسے وقت میں، جب کہ امریکہ نے خود بلاواسطہ یا حفاظت کے بہانے، لاتینی ممالک اور بہت سے ایشیائی علاقوں کو اپنی کالونی بنا رکھا تھا۔

بائر مائکل لکھتا ہے کہ:

”یورپیوں کو چاہیے تھا کہ وہ امریکی صدر ولسن کو یاد دلاتے، کہ انھوں نے لیگ آف نیشنز کے پلیٹ فارم سے جاپانیوں کو وہ حقوق عطا نہیں کیے، جن کے وہ مستحق تھے، اسی طرح انھوں نے فلپین جیسے امریکی مقبوضہ علاقوں کے مفاد کے لیے بھی کوئی قدم نہیں اٹھایا؛ لیکن جب جرمن سامراج کی تقسیم کی بات آئی، تو امریکہ نے سب سے زیادہ دل چسپی دکھائی۔“

امریکہ کے علاوہ چونکہ دو اہم ممالک بھی لیگ آف نیشنز میں شامل

نہیں ہوئے تھے، اس لیے یہ تنظیم ناکام ہوگئی اور امریکی نظام کے دروبست پر حاوی یہودیوں کو اندازا ہوگیا، کہ یہ تنظیم ان کے مقاصد کو پورا نہیں کرسکتی اور اس کے اسٹیج سے وہ عالمی حکومت کا خواب پورا نہیں کرسکتے۔ (۱) اس کے باوجود لیگ آف نیشنز نے، جو قوانین بنائے وہ جدید عالمی نظام کی راہ ہموار کرنے میں نہایت ممد و معاون ثابت ہوئے اور پالیسی ساز ذہنوں کو یہ اندازا ہوگیا، کہ کس طرح مستقبل میں عالمی حکومت قائم کی جائے گی، کون سے طریق ہائے عمل اس حکومت کے قیام میں بنیاد کا کام دے سکتے ہیں؟ اور کیسے مستقبل میں بہتر طریقے سے، عالمی نظام کو قائم کیا جاسکتا ہے؟ اپنے مذموم مقاصد کو بہ روئے کار لانے کے لیے صہیونی، لیگ آف نیشنز کو ختم کرانے کے بعد خاموش نہیں بیٹھے؛ بل کہ انھوں نے پہلے سے ہی تیار کردہ منصوبے کے مطابق اقوام متحدہ کے قیام کا فیصلہ کرلیا، تاکہ جو کام لیگ آف نیشنز ان کے لیے نہیں کرسکی، وہ اقوام متحدہ انجام دیدے۔

اقوام متحدہ اور عالمی حکومت

لیگ آف نیشنز چوں کہ امریکی اور صہیونی مفادات اور مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہی، اس لیے لیگ کو ختم کردیا گیا اور یکم جنوری ۱۹۴۲ء میں چھبیس ممالک کے ایک چارٹر پر دستخط کرنے کے بعد، لیگ آف نیشنز کو ''اقوام متحدہ'' میں تبدیل کردیا گیا، پھر ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں امریکی شہر ''سان فرانسسکو''

---

(۱) امریکا المستبدہ، الولایات المتحدہ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم ص:۴۴ و ص:۴۵۔

میں، اقوام متحدہ کے دستور العمل کا اعلان ہوا، یہ دستور العمل دراصل امریکی صدر ''روزولٹ'' کی سرپرستی میں، دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی بنالیا گیا تھا، جس کا اعلان جنگ میں کامیاب ہونے والے ممالک کی موافقت کے بعد کیا گیا، اقوام متحدہ کا دستور العمل پوری طرح سے عالمی حکومت کا تخیل پیش کرتا ہے، اس دستور نے اقوام عالم کے نام نہاد ادارے کو چند گنے چنے اور جنگ عظیم میں فتح یاب ممالک، بالخصوص امریکہ کا مرہون منت بنادیا، اقوام متحدہ کے اس چارٹر کے منظر عام پر آجانے کے بعد، یہ بات مخفی نہیں رہ گئی تھی کہ دنیا ایک عالمی حکومت کی ماتحتی قبول کرنے کی راہ پر نکل کھڑی ہوئی ہے، البتہ یہ فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے کہ عالمی حکومت کی ماتحتی خوشی خوشی قبول کرے یا زبردستی۔

اقوام متحدہ کے دستور العمل کی شق نمبر ۳۹/ میں صراحت کی گئی ہے کہ ''سلامتی کونسل'' پر دنیا میں امن وامان قائم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، سلامتی کونسل ہی کو یہ حق ہے کہ وہ ہر اس ملک میں دخل اندازی کرے، جہاں امن کو تہ وبالا کیا جارہا ہو، اس بات کا فیصلہ بھی سلامتی کونسل کے پاس محفوظ ہے، کہ وہ دخل اندازی میں طاقت کا استعمال کرے یا نہ کرے۔

شق نمبر ۲۵ کے مطابق سلامتی کونسل کی پاس کردہ قرارداد، کا تمام ممبران ممالک کے لیے قبول کرنا اور اس کو نافذ کرنا ضروری ہے، جب کہ ساتویں شق میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر، سلامتی کونسل کی نگرانی میں فوج کی تشکیل کی جاسکتی ہے، یہ فوج اس وقت اپنا کردار ادا کرے گی، جب سلامتی کونسل کسی ملک کے خلاف جنگ کا اعلان کردے گی۔ (۱)

اقوام متحدہ کے اس دستور العمل سے مختلف ممالک میں دخل اندازی کی بنیاد پڑ گئی، اگر چہ اس پر فوری طور پر عمل کا آغاز نہیں ہوا، لیکن ۱۹۶۰ء میں افریقی ملک ''کونگو'' کے سیاسی بحران کے دوران، اقوام متحدہ نے پہلی مرتبہ کسی ملک میں عسکری طور پر دخل اندازی کی، چناں چہ جب ''چومبے'' نے یہ اعلان کیا کہ ''کٹنگا'' کا صوبہ ''کونگو'' سے آزاد ہو کر رہے گا، تو چومبے کو قتل کر دیا گیا اور سلامتی کونسل نے پہلی بار اقوام متحدہ کی فوج ''کونگو'' بھیجنے کا فیصلہ کیا، جہاں نام نہاد ''امن'' فوج نے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کیا اور ''کٹنگا'' کے باشندوں پر وحشت ناک مظالم کیے۔''(۲)

سلامتی کونسل میں اگر چہ امریکہ کے علاوہ دیگر ممالک بھی با اختیار ہیں؛ لیکن چلتی صرف امریکہ ہی کی ہے، اگر امریکی مفادات سے متعلق کوئی قرارداد پاس کرانے کا مسئلہ درپیش ہو، تو امریکہ کے لیے سلامتی کونسل کے اراکین سے اپنی بات منوانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ۱۳ فروری ۱۹۷۵ء میں ترکی اور یونان کے درمیان جنگ کے دوران، یونان کے تین ہزار سے زائد افراد مارے گئے، کیوں کہ یونان کی یہ تباہی امریکی مفادات کے مطابق تھی، اس لیے انجمن اقوام متحدہ کی طرف سے، جو امن کی پاس داری کے نام پر وجود میں آئی تھی، کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔

اسی طرح ۷/ دسمبر ۱۹۷۵ء میں جب امریکی صدر ''فورڈ'' اور ان کے مشیر ''ہنری کسینجر'' نے ''تیمور'' نامی جزیرے کا دورہ ختم کیا، تو تین گھنٹے کے

(۱) حوالۂ سابقہ ص:۹۶۔

(۲) مغربی میڈیا، ص:۵۰۔

بعد ہی، انڈونیشیائی فوج نے تیمور پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں ایک لاکھ سے دو لاکھ کے درمیان افراد ہلاک ہوئے، چوں کہ یہ حملہ امریکی مفادات کے مطابق تھا، لہٰذا جب انڈونیشیائی حکومت کے خلاف پابندی لگانے پر، اقوام متحدہ میں ووٹنگ ہوئی، تو امریکہ نے حملہ آوروں کے حق میں ہی ووٹ ڈالا، جس سے انڈونیشیا کے حوصلے بڑھے اور اس نے جزیرے کے باشندوں پر "نابالم" بموں کی بارش کی، آسٹریلیائی پارلیمنٹ نے اس بحران کو ایسی "نسل کشی" سے تعبیر کیا، جس کا ارتکاب دوسری جنگ عظیم کے بعد کبھی نہیں کیا گیا تھا، اسی وقت سے امریکی انتظامیہ کی طرف سے انڈونیشیا کی وقتاً فوقتاً اقتصادی امداد ہوتی رہی اور اربوں ڈالر انڈونیشیا کو دیے گئے، سابق صدر بل کلنٹن کے دور میں بھی ۴۰۰ملین ڈالر دیے گئے اور ۲۷۰ملین ڈالر کا اسلحہ انڈونیشیا کو فروخت کیا گیا؛ لیکن جب انڈونیشیا کے ساتھ امریکہ کی ان بن ہوئی، تو اسی "تیمور" جزیرے پر (جس پر امریکہ نے حملے کو جائز قرار دیا تھا) انڈونیشائی قبضے کو نادرست قرار دیا گیا اور "تیمور" کے باشندوں کی بھرپور امداد کی گئی، آخرکار اقوام متحدہ کے ذریعے "تیمور" میں ریفرنڈم کرانے کے بعد، اس کو آزاد کرایا گیا۔(۱)

ایک ہی علاقے کے بارے میں اقوام متحدہ کا متضاد کردار یہ یقین دلادیتا ہے کہ امن وامان کی حفاظت کی خاطر، وجود میں آنے والا یہ ادارہ صرف اور صرف امریکہ اور اس پر خفیہ حکومت کرنے والے یہودیوں کی

(۱) امریکا المستبدۃ ص:۹۶۔

خواہشات کو پورا کرتا ہے، خواہ اس کے لیے بدامنی اور جنگ کے حالات ہی کیوں نہ پیدا کرنے پڑیں۔

کچھ عرصے کی خاموشی کے بعد، پہلی خلیجی جنگ کے موقع پر، اقوام متحدہ نے ایک بار پھر اپنے نام نہاد اختیارات کا استعمال کیا اور امریکہ کو عراق کے خلاف دہشت گردی پھیلانے کی عام اجازت دے دی، عراق پر یورش ہوئی، لاکھوں ٹن بم برسائے گئے، بے شمار افراد لقمۂ اجل بن گئے اور جزیرۃ العرب میں ترقی اور خوش حالی کی مثال ''عراق''، ایک کھنڈر کی شکل اختیار کر گیا؛ لیکن اقوام متحدہ نے اسی پر بس نہیں کیا؛ بل کہ عراق پر طرح طرح کی پابندیاں لگائیں، حتی کہ غذائی اجناس اور پٹرول کی درآمد، برآمد پر مکمل پابندی لگادی، اپنے اسلحہ انسپکٹروں کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ جس وقت بھی چاہیں عراق میں گھس کر اسلحے کا معائنہ کرلیں، ان پابندیوں کے نتیجے میں عراقی عوام نے جن مصائب کا سامنا کیا ہے، ان کو احاطۂ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔

عراق کے بعد متفقہ طور پر سلامتی کونسل سے قرارداد منظور کرا کے افغانستان کی ''طالبان'' حکومت پر چڑھائی کی گئی، انسانی تاریخ نے بدترین نسل کشی کا مشاہدہ کیا، ہزاروں افراد کو موت کی نیند سلا دیا گیا اور امریکہ کی پٹھو حکومت افغانستان پر مسلط کردی گئی۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے کہ ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر جو ڈرامہ کھیلا گیا، اس کو پیش کرنے والے یہودی تھے، یورپ و امریکہ کے ہی بعض محققین نے اس راز کا انکشاف کیا اور اس ڈرامے کے پیچھے یہودی دماغ

کے کارفرما ہونے پر ٹھوس ثبوت فراہم کیے، اس کے باوجود ۱۱/ستمبر کے دھماکوں کا الزام ''القاعدہ'' کے سر لگایا گیا، اور اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کے جرم میں افغانستان پر حملہ کر دیا گیا اور یہ سب اقوام متحدہ کی منظوری کے بعد، ہوا جس سے اندازا لگایا جا سکتا ہے کہ یہودیوں کا امریکہ پر اور اس کے واسطے سے اقوام متحدہ پر کس قدر اثر ورسوخ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسرائیل (جو تقریباً نصف صدی سے فلسطینی عوام کا استحصال کر رہا ہے اور عربوں کی نسل کشی میں اس نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا) کے خلاف، سلامتی کونسل میں پیش کی جانے والی مذمتی قراردادوں کو امریکہ ویٹو کرتا رہا ہے اور اگر کبھی اسرائیل کے خلاف کوئی قرارداد منظور بھی ہوئی، تو اس کو کبھی نافذ نہیں کیا گیا۔

امریکہ نے عراق پر ۲۰۰۳ء میں ایک مرتبہ پھر حملہ کیا اور اپنی وحشت وبربریت کا کھلا ثبوت دیا، یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ سرکاری دہشت گردی کی اس سے بڑی مثال نہیں مل سکتی، عراق پر یہ حملہ ایٹمی اور جوہری ہتھیار رکھنے کا الزام لگا کر کیا گیا، اگرچہ آج تک امریکہ اپنے الزام کو، جرم ثابت نہیں کر سکا ہے، اس مرتبہ وہ اقوام متحدہ، جو ہمیشہ سے امریکی مفادات کا تحفظ کرتی آئی ہے فرانس، جرمنی، روس اور چین وغیرہ کی مخالفت کی وجہ سے، امریکہ کے کام نہ آسکی؛ لیکن عراق پر امریکی یورش سے اقوام متحدہ کی حقیقت اور حیثیت بھی کھل کر سامنے آگئی ہے، کہ امریکہ نے ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا مصداق بنتے ہوئے، پوری دنیا سمیت اقوام متحدہ کی مخالفت کے باوجود، عراق

کو تہ و بالا کر دیا اور آج امریکہ عراق کی "تعمیر نو" میں بھی اقوام متحدہ کے کسی کردار کو برداشت نہیں کر رہا ہے۔

لیکن اسرائیل (جس کے بارے میں دنیا جانتی ہے کہ وہ عرصۂ دراز سے ایٹمی صلاحیت کا حامل ہے اور بہت پہلے جوہری اور کیمیاوی ہتھیار بنا چکا ہے، جس کی وجہ سے عربوں کو زبردست خطرات لاحق ہیں) کے خلاف اقوام متحدہ میں کسی قسم کی قرارداد پاس کرنے کی جرأت نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اقوام متحدہ میں "مفادات کی سیاست" چلتی ہے، تو غلط نہ ہوگا، اس لیے سلامتی کونسل کے مستقل ممبران کو "ویٹو" کا جو حق حاصل ہے، وہ دراصل جنگل کے قانون کے زیادہ مشابہ ہے، سلامتی کونسل کے مستقل ممبران کو یہ حق ملا ہوا ہے کہ وہ اپنے مفادات کی خاطر کسی بھی قرارداد کو مسترد کر سکتے ہیں، خواہ اس سے امن و سلامتی کا جنازہ ہی کیوں نہ نکل جائے، امریکہ (جسے اپنے مفادات کی سب سے زیادہ فکر رہتی ہے) نے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان سب سے زیادہ ۶۰ مرتبہ "ویٹو" کے حق کا استعمال کیا، برطانیہ نے یہ حق ۲۶ مرتبہ استعمال کیا، جب کہ فرانس نے ۱۱ مرتبہ اور سابق سوویت یونین روس نے کل ۸ مرتبہ اس حق کا استعمال کر کے اپنی مرضی دنیا پر تھوپنے کی کوشش ہے۔

امریکہ کی مخالفت کرنے والے ممالک کے ساتھ سختی سے پیش آنے اور امریکی حلیفوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کی اسی دوہری سیاست نے اقوام متحدہ کے کردار کو مشکوک اور ناقابل اعتبار بنا دیا اور دنیا کے سامنے یہ آشکارا کر دیا ہے کہ

اقوام متحدہ امریکہ اور صہیونیوں کی غلام ہے، جو ایک ایسی نیم حکومت کی شکل اختیار کرچکی ہے، جس کو کسی بھی ملک کے داخلی وخارجی معاملات میں دخل اندازی کا مکمل حق ہے، اب اس نیم حکومت کے عالمی حکومت بننے میں صرف اتنی دیر ہے کہ مقامی حکومتوں کا خاتمہ کردیا جائے اور پوری دنیا میں اس ادارے کے بنائے ہوئے قوانین نافذ کردیے جائیں، اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری ڈاکٹر ''بطرس غالی'' لکھتے ہیں کہ:

''اقوام متحدہ کا ادارہ ایک طرح سے عالمی نظام حکومت کے قیام میں خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۱)

عالم اسلام اور یہودی مسیحی اتحاد

عالمی حکومت کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ، اسلام اور اس کے سچے پیروکار ہیں، جو عالم اسلام کے بہت سے ممالک میں اپنی سرگرمیوں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، اگرچہ غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی جانب سے بھی انھیں ''دہشت گرد'' جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے، لیکن وہ علوّ ہمتی اور سربلندی کے ساتھ پیش قدمی کررہے ہیں اور صہیونیوں کی سازشوں کا جواب دینے کی کوشش کررہے ہیں، صہیونی سامراج کو یہ بات چوں کہ ناپسند ہے، اس لیے ۱۱/ستمبر جیسے کثیر المقاصد ڈرامے کے ذریعے ان تنظیموں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے، جو صہیونی عزائم کے خلاف سرگرم عمل تھیں، نیز ان ممالک کے خلاف

(۱) عالمی حکومت، از بطرس غالی مطبوعہ ۱۹۹۷ء بہ حوالہ مغربی میڈیا ص: ۸۵۔

بھی بڑے پیمانے پر کارروائی کی گئی ہے جو اسلامی بیداری اور دینی حمیت کے مراکز تھے، ایسے ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، علاقوں کے علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا، بے شمار معصوم جانوں کا اتلاف کیا گیا، جب کہ اقتصادی بربادی کا تو حساب لگانا بھی ناممکن ہے۔

صہیونیوں نے اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، مسیحیوں کے ساتھ مفاہمت کی اور ان کی عقل و شعور پر قابض ہو گئے، آج دنیا میں جہاں بھی مسلمان تباہی و بربادی کا شکار ہیں، وہاں ظاہری طور پر کوئی بھی قوم اس جرم کی مرتکب ہو؛ لیکن دماغ صہیونیوں کا کارفرما ہے، حالت یہ ہو گئی ہے کہ مسیحی اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ وہ یہودی قوم کی غلامی کرتے ہیں اور اس کے اشاروں پر رقص کرتے ہیں، اپنے آپ کو مہذب کہنے والے لوگ، اب کھل کر انسانیت کش جرائم کے ارتکاب میں ملوث ہیں، اور فخریہ انداز میں اس کا اظہار کر رہے ہیں، وہ اپنے صہیونی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے یہ کہنے سے بھی نہیں ہچکچاتے کہ:

"اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہمیں ہر راہ سے گزرنا قابل قبول ہے، خواہ اس کے لیے انسانیت کا سودا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔"

ذیل میں ہم موجودہ امریکی صدر جارج بش (جونیر) کی تقریر کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں، جو یہودی مسیحی یونین کے اجلاس کے موقع پر، امریکی شہر نیومیکسیکو کے "ایلبوک یرک" مقام پر کی گئی، اس تقریر کو واشنگٹن پوسٹ میگزین نے ۳۱/ مئی ۲۰۰۲ء کے شمارے میں شائع کیا، جب کہ اس کا عربی ترجمہ "احمد

بشیر بابکر'' نے www.islamway.com نامی ویب سائٹ پر پیش کیا ہے۔

اس تقریر سے بہ آسانی یہ اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ آج امریکہ اور صہیونیت کی منزل ایک ہوچکی ہے، اپنے مقاصد کی تکمیل اور اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، نام نہاد ''مہذب'' دنیا کچھ بھی کرسکتی ہے؛ حتی کہ ان جیالوں کی اجتماعی نسل کشی بھی، جو صہیونیوں کی عالم گیر حکومت کے خلاف ہیں اور ''ظالم قوم'' کی بالادستی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ذیل میں تقریر کے عربی ترجمے کو اردو کا جامہ پہنا کر پیش کیا جارہا ہے۔

یہودی مسیحی یونین کا اجلاس اور جارج بش کی تقریر

صدر مجلس! اراکین کانگریس! اور امریکی عوام!

آج کی رات، میں نہایت فخر کے ساتھ آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سفید فام یہودی مسیحی اتحاد، بے انتہا طاقت ور ہوچکا ہے، ہماری تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ امریکی طاقت، امریکی بالادستی اور امریکی اقدار نے ایسی عظمت، ایسا احترام اور ایسی قبولیت حاصل کی ہو، جیسا کہ آج ان کو حاصل ہے، امریکی جھنڈا، امریکی مسلح افواج، ''سی آئی اے'' اور ''ایف بی آئی'' دہشت گردی کے خوف سے آزادی دلانے اور امن وامان قائم رکھنے کی خاطر ۱۰۰/ سے زائد ممالک میں موجود ہیں، امریکی باشندوں کو اپنی حکومت اور مسلح افواج کے مردوں اور عورتوں پر فخر کرنا چاہیے، جو امریکی طرزِ زندگی کی خاطر، زندگی کی رعنائیوں کو قربان کررہے ہیں۔

معزز برادران وطن!

مجھے آج آپ کو یہ بتلاتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ ''طالبان'' کا خاتمہ ہو چکا ہے، کابل آزاد ہو گیا ہے، اسامہ بن لادن اور ملا عمر یا تو ہلاک ہو گئے، یا وہ گرفتار ہونے والے ہیں اور چھپتے پھر رہے ہیں؛ لیکن بہت دن تک نہیں، اس لیے کہ میں نے ان دونوں کو زندہ یا مردہ انصاف کے سامنے پیش کرنے کا عزم مصمم کر رکھا ہے، مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بھی فخر محسوس ہو رہا ہے کہ افغان عورتیں ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے برقعوں سے آزاد ہو چکی ہیں؛ افغانستان کی لڑکیاں اسکولوں کو واپس لوٹ گئی ہیں، وہ یہ پڑھ رہی ہیں کہ کیسے ہمیں امریکہ اور مغرب نے کام رانی و کام یابی عطا کی۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی سب سے بڑی علامت - ٹیلی ویژن - افغان باشندوں کی زندگی میں ایک مرتبہ پھر جگہ بنا چکا ہے، افغانستان کے لوگ آج بڑے شاداں ہیں، کہ وہ اپنے ملک میں آزادانہ گھوم پھر سکتے ہیں؛ امریکیوں بالخصوص امریکی بچوں نے افغانستان کو کھانے پینے کی چیزیں اور مال واسباب بھیج کر جو عظیم کام انجام دیا ہے، اس پر وہ جتنا فخر کریں کم ہے، مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ میں افغانی بچوں کو اپنے عمدہ کھانوں سے لطف اندوز ہوتے دیکھ رہا ہوں، کہ وہ ''چیز''، ''جیلی'' اور ''بسکٹ'' کھا رہے ہیں۔

باوجودیکہ افغانستان کی جنگ قریب الختم ہے؛ لیکن ہمارے سامنے ایک طویل راستہ ہے، جس کو ہمیں بہت سے اسلامی اور عربی ممالک میں طے کرنا ہے، ہم اس وقت تک نہیں بیٹھیں گے، جب تک ہر مسلمان غیر مسلح،

داڑھی منڈا، غیر مذہبی، امن کا دل دادہ اور امریکہ سے محبت کرنے والا نہ ہو جائے اور مسلمان عورت اپنے چہرے کو نقاب سے چھپانا نہ ترک کر دے، میرا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے دوسرے صدارتی دور کے لیے، انتخاب سے پہلے پہلے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے، ہر قسم کے ذرائع استعمال کروں گا۔

حکومت کرنے کا ہمارا نیا نظریہ یہ کہتا ہے کہ حکومت فعّال ہونی چاہیے؛ لیکن ساتھ ساتھ محدود بھی ہو اور تمام تر ذمے داریاں سنبھال سکے، ہم آج توانائی کے میدان میں بہت بڑی پریشانی کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے ہمیں ایک قومی پالیسی بنانی ہوگی، ہمارے پاس امن کو وسعت دینے کے مواقع ہیں۔ ہم امن کی امریکی حدود کو وسیع کر کے محفوظ کر سکتے ہیں، ہم اپنے حلیفوں اور دوستوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے، تاکہ ہم بھلائی کے لیے طاقت اور آزادی کے لیے مددگار ثابت ہو سکیں، ہم آزاد منڈیوں، آزاد تجارت اور ان قوموں کے لیے مل کر کام کریں گے، جو آزادی کی خاطر پیش رفت بنائے ہوے ہیں، وہ قومیں اس کام میں امریکہ کو اپنا دوست پائیں گی، ہم اپنے اقدار اور سلامتی کو تقویت پہنچائیں گے، ہمیں امن و امان کی حفاظت کی خاطر نہایت طاقت ور مسلح فوج کی ضرورت ہے، کیوں کہ بن لادن کی آمد پر مطلع ہونا کسی کے بس میں نہ تھا، کوئی نہیں جان پاتا کہ وہ ہماری قوم میں کیا کچھ تباہی پھیلائے گا اور داخلی و خارجی پالیسیوں کو کس طرح نشانہ بنائے گا، غیر انسانی و غیر اخلاقی اعمال کو انجام دینے والوں کی موجودگی کے باوجود، میں نے امریکی عوام سے کیے ہوے وعدے پورے کیے ہیں، صرف ایک کا استثنا کیا

جا سکتا ہے، اس لیے کہ دہشت گردی کے خلاف ہماری جنگ نے بڑی حد تک ہماری حکومت کی توسیع کو روکا ہے اور یہ جنگ داخلی سیکیورٹی اور وزارت دفاع (پنٹاگن) پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم امن اور خفیہ معلومات کے میدان میں اپنے کردار کو وسیع کریں، فیڈرل بیورو انوسٹی گیشن (ایف بی آئی) اور ''سی آئی اے'' امریکی مسلمانوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، جن میں سے ہزاروں گرفتار ہو چکے ہیں، ہم نے حقوق اور شہری آزادی کو بہت مقید کر دیا ہے، ہم نے ذرائع ابلاغ اور اظہار رائے کی آزادی پر بھی کچھ پابندیاں لگائی ہیں، نیز ہم نے ایرپورٹ اور ہوائی اڈوں پر مسافرین کے سامان وغیرہ کی تلاشی میں سختی برتی ہے، مجھے خوشی ہے کہ امریکی عوام سیکیورٹی کے ان اہم کاموں میں میری مدد کر رہے ہیں، سفید فام مسیحیوں و یہودیوں کے علاوہ دیگر اقوام کا ہمارے ملک میں وجود، خواہ وہ قانونی طور پر ہو، یا غیر قانونی طور پر، ہماری قوم کے لیے خطرہ ہے، آپ سب کا صدر ہونے کی حیثیت سے، آپ کو امن و سلامتی فراہم کرنا میری ذمے داری ہے۔ ''ایمیگریشن'' (ترک وطن) سے متعلق بھی ہماری خارجہ پالیسی میں تبدیلی آئے گی، تاکہ ہم اپنی سلامتی کو یقینی بنا سکیں؛ لیکن اس کے لیے جب مناسب وقت آئے گا، تب ہی کوئی قدم اٹھایا جائے گا، تب مستقبل کا نیویارک شہر، جس نے بہت زیادہ مصیبتیں جھیلی ہیں، ایک بار پھر سفید فام لوگوں کا شہر ہوگا۔

امریکی وزیر دفاع ''ڈونالڈ رمس فیلڈ'' ڈاکٹر ''کونڈالیزا رائس''،

"پال وولفیٹز"، "رچرڈ بیرل"، کانگریس کے یہودی وفد اور امریکی اسرائیلی کمیٹی برائے تعلقات عامہ (AIPAC) کی مدد سے، ہم نے امریکہ کی عالمی خارجہ پالیسی کو زبردست ترقی عطا کی ہے، لہٰذا امریکہ آج کے بعد کسی بھی ایسے عالمی معاہدے میں فریق کا کردار ادا نہیں کرے گا، جو ہمارے اقتصادی اور عسکری مقاصد کے لیے خطرہ ہو، میں یہاں اپنے دوست "شیرون" (اسرائیلی وزیر اعظم) کا قول مستعار لوں گا کہ ہم ان تمام عالمی تنظیموں کو، جو امریکہ یا اسرائیل کے قومی مفادات کے خلاف ہیں لاتعلق سمجھتے ہیں، خواہ اقوام متحدہ ہو، یورپی یونین ہو، یا پھر عرب لیگ ہو (جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ اس کو فوری طور پر تحلیل کر دینا چاہیے) ریڈ کراس کی عالمی کمیٹی ہو، یا ویٹیکن ہو، یا پھر تمام اسلامی تنظیمیں۔

باوجودیکہ غیر انسانی افعال کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف جنگ، بہت بڑے بجٹ کی متقاضی ہے؛ لیکن اس کے باوجود میں نے ۵ ارب ڈالر (جو مقدار ہم سالانہ اسرائیل کو بہ طور امداد دیتے ہیں) "سینیر. سٹیزنس" (عمر رسیدہ شہریوں) کی امداد کے لیے پاس کیے ہیں، تاکہ وہ اپنے لیے علاج ومعالجے کا انتظام کرسکیں۔

ہم بہت جلد امریکہ کے مختلف علاقوں میں زمینی کھدائی کا کام بھی شروع کرنے جارہے ہیں، تاکہ وہاں پٹرول کی تلاش کی جاسکے، مزید برآں ایران، عراق، خلیج اور سعودی عرب سے ہوتے ہوئے نیویارک تک، سمندر کی راہ سے پانی کی سطح کے نیچے، پائپ لائن بھی بچھائی جائے گی، جس کا خرچ وہ

ہی برداشت کریں گے، اس کے بدلے ان کو مسلسل امدادی پیکج دیے جائیں گے، میں اس سے پہلے ۲/ستمبر ۲۰۰۱ء کو بھی یہی بات کہہ چکا ہوں۔

خواہ ہم اپنے دشمنوں کو انصاف کے سامنے پیش کریں، یا ان پر انصاف نافذ کریں، بہ ہر حال وہ انصاف کا سامنا ضرور کریں گے۔ برطانوی وزیراعظم ''ٹونی بلیر'' کے بہ قول اب وقت آچکا ہے کہ ہم اعلان کردیں کہ:

''ہمیں دنیا کی تشکیل از سرِ نو کرنے دو؛ تاکہ سارا عالم ہماری طرح ہوجائے''

خدا کے فضل سے ہم سفید فام تہذیب یافتہ اور شہری لوگ اُس دنیا پر اپنے آزادانہ، رحم دلانہ اور خوبصورت عقائد مسلط کر کے رہیں گے، جو ہمارے مال و دولت اور ہمارے آفاقی پیغام کی بھوکی ہے، آج کے بعد مردوں کو داڑھی رکھنے کا پابند نہیں ہونا پڑے گا اور خواتین کو اپنے چہرے اور جسم چھپانے پر مجبور ہونا نہیں پڑے گا، آج سے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے، ہر جگہ کے لوگ شراب پی سکیں گے، سگریٹ نوشی کرسکیں گے اور ہم جنس پرستی سے لطف اندوز ہوسکیں گے، وہ آزاد ہیں، اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے، خواہ وہ ہوٹلوں میں یا اپنے بیڈروموں میں جنسی فلمیں دیکھیں، یا خود اس عمل میں حصہ لیں، جہاں تک ہماری ان کمپنیوں کا تعلق ہے، جو اس طرح کی مصنوعات تیار کرتی ہیں، مستقبل قریب میں وہ کسی بھی ایسے ملک کی پابندیوں کے بغیر (جو اپنے عوام کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہے) دنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکیں گی۔

مسلمان دہشت گرد اپنے ہی عقیدے اور مذہب کے ساتھ خیانت

کرر ہے ہیں، وہ حقیقتاً اسلام ہی کو اغوا کر لینا چاہتے ہیں، اسی لیے ہم مسیحی اور یہودی اپنی سیاست کو، اپنے عقیدے سے الگ رکھتے ہیں، ہم اپنی جنگوں اور لڑائیوں کو مذہب سے دور رکھتے ہیں، اسی لیے آپ کبھی بھی میڈیا پر نہیں دیکھیں گے کہ ''یہودی'' یا کیتھولیکی'' دہشت گردی کا نام لیا جارہا ہو، ہم جب قتل کرتے ہیں، تو ایمان کے نام پر نہیں؛ بل کہ اپنی آزادی اور اپنی تہذیب کے دفاع کے نام پر قتل کرتے ہیں۔ وہ کیوں ہم کو ناپسند کرتے ہیں؟ وہ درحقیقت اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں، جو میں اس مجلس میں دیکھ رہا ہوں، کہ مردوں اور عورتوں کا انتخاب جمہوری طرز پر، انرون کمپنی، پٹرول، موبائل اور انشورنس کمپنیوں کے مالی تعاون سے ہوا ہے، اس سے بھی زیادہ جو چیز ان کے لیے ناپسندیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے امریکی یہودی شہری، انگلینڈ کے علاوہ دنیا میں ہمارے یکتا حلیف اسرائیل کے لیے، آپ کی ابدی حمایت حاصل کرنے کی خاطر کروڑوں ڈالرز خرچ کرتے ہیں۔

وہ لوگ چاہتے ہیں کہ بعض اسلامی ملکوں کی حکومتوں کو ختم کردیا جائے؛ لیکن ہم ایسا ہونے نہیں دیں گے، ہمارے دشمن مشرق وسطی سے اسرائیل کو مٹانا چاہتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ یہودی قوم کو ہمارے یہودی صوبے نیویارک بھیج دیں، مزید برآں وہ ایشیا اور افریقہ کے وسیع وعریض علاقوں کے، غیر سفید فام یہودیوں اور مسیحیوں کو یہاں آباد ہونے پر مجبور کردینا چاہتے ہیں؛ لیکن یہ میری لاش پر سے گزر کر ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف اس مہم میں صرف افغانی باشندے ہی مقتول

نہیں ہوے؛ بل کہ پوری دنیا میں، غیر یہودی اور مسیحی بنکوں اور خیراتی اداروں کو بند کر کے ہم نے دہشت گردوں کو مال سے بھی محروم کر دیا، اب بھوکے بچوں کو کھانا دینے کے بہانے کو قبول نہیں کیا جائے گا، جنوبی کرۂ ارض کے نصف علاقے میں ہم نے ہر ملک کو یہ کہہ دیا ہے کہ وہ ہماری موجودہ حکومت کے خلاف اٹھنے والی آواز کو سختی کے ساتھ دبادیں، ہر ملک کو اب یہ اختیار کرنا ہی ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے، یا دہشت گردوں کے ساتھ؛ مجھے آپ کو یہ خبر سناتے ہوے خوشی محسوس ہورہی ہے کہ تمام ملکوں نے ہماری بات مان لی ہے، ہر ملک کی حکومت ان داخلی دشمنوں کے خلاف مؤثر کارروائی کررہی ہے، جو امریکہ کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں، میرے والد (جارج بش سینیر) کی قیادت میں اگر چہ امریکہ نے سرد جنگ لڑی ہے؛ لیکن آج ہمارے پاس موقع ہے کہ ہم اپنے پرانے دشمنوں -روس، چین اور ہندوستان- کے ساتھ مل کر مضبوط اور طاقت ور اتحاد قائم کریں، امریکہ نے عالمی سطح پر، بنیاد پرستوں کو اکھاڑ پھینکنے اور ان ممالک میں آزادی کی فضا سازگار کرنے کے لیے اشتراک کیا ہے اور کرتا رہے گا، ان ممالک کو (جن میں دنیا کی تقریباً آدھی آبادی ہے) اسلامی بنیاد پرستی کو اکھاڑ پھینکنے اور اس کا قلع قمع کرنے کی وجہ سے ہماری مکمل معاونت حاصل ہے۔

لیکن میں سب سے پہلے دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا اسرائیل کے ساتھ اتحاد لوہے کی طرح مضبوط ہے، میں پرزور انداز میں، کلی طور پر دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کی حمایت کرتا ہوں؛ جس کی

قیادت اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون کررہے ہیں، میں آج یہ اعلان کرتا ہوں کہ امریکہ، عرفات اور مجرمانہ افعال کا ارتکاب کرنے والے ان کے ماتحتوں سے تمام تعلقات منقطع کردے گا، جو ہمارے یہودی بھائی اور بہنوں کو قتل کررہے ہیں اور انھیں دھماکوں سے اڑارہے ہیں، ہم آج کے بعد سلامتی کونسل کی قرارداد ۲۴۲ کی حمایت نہیں کریں گے، جس کی موافقت میں امریکہ نے ۱۹۶۷ء میں امن وامان کی خاطر ووٹ دیا تھا، مسٹر شیرون نے یہ واضح کردیا ہے کہ ہم دو کشتیوں میں ایک ساتھ سوار نہیں ہوسکتے، کہ ہم بن لادن کی قیادت میں جاری اسلامی دہشت گردی کے خلاف جنگ بھی کریں اور اسرائیل کی جانب سے شروع کی گئی اسی طرح کی جنگ کی مخالفت بھی کریں، اسرائیل نے ۵۳ سالوں میں عرب فوجوں اور فلسطینی قبضے کا سامنا کیا ہے، میں جانتا ہوں کہ امریکی وزیر خارجہ نے ماضی میں، اسرائیل کے ایف ۱۶ طیاروں کے ذریعے بیت لحم پر بمباری کرنے کی بنا پر مذمت کی ہے؛ لیکن میں مکمل اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وزیر خارجہ کولن پاویل اور میں ایک ہی سوچ رکھتے ہیں، اس لیے مجھے یقین ہے کہ وزارتِ خارجہ میں ان کا بقیہ دور، اسرائیل کی امن وسلامتی کی خاطر گزرے گا، ہم اسرائیل کی ۱۱/ستمبر کے حملوں کی وجہ سے ہونے والے اقتصادی نقصانات کے عوض میں دو ارب ڈالر کی امداد بھی کررہے ہیں، ہم ان دہشت گرد تنظیموں کو نہیں چھوڑیں گے، جو اس ملک (اسرائیل) کے یا ہمارے دیگر حلیفوں کی مخالف ہیں۔ امریکہ کا نقطۂ نظر واضح ہوچکا ہے، ہم آج کے بعد کسی بھی قسم کے ردّعمل کی پرواہ نہیں کریں گے،

امریکہ اب ایسا ملک نہیں رہ گیا، جس کے پاس دنیا امن قائم کرنے کی خاطر آئے؛ بل کہ امریکہ کا نظریہ اب دنیا کے سامنے آ چکا ہے، ہم ہی ہر اس ملک کے خلاف جنگ چھیڑیں گے، جس کو ہم اپنا نشانہ بنائیں گے، ہم ہی اس ملک کو دوبارہ تعمیر سے پہلے تباہ و برباد کر دیں گے، ہم آج کے بعد ہاتھ باندھے دنیا کو خون میں ڈوبتا ہوا نہیں دیکھیں گے، امریکہ امن کے لیے کام کرے گا؛ لیکن اگر ہمیں خون بہانے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو ہم یہ کام انجام دیں گے، آج سے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے، امریکہ ہی فیصلہ کرے گا، کہ کب، کہاں، کیسے اور کیوں جنگ کی جائے اور امن قائم کیا جائے۔

میرے والد نے اسی یونین کے اجلاس میں، جو ۲۹/ جنوری ۱۹۹۱ء میں منعقد ہوا تھا، کہا تھا کہ: میں اس ایوانِ بالا میں آپ کو اور تمام امریکیوں کو یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ آج ہم ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑے ہیں، دنیا کے مختلف حصوں میں ہم فضا، سمندر اور ریتیلے میدانوں میں زبردست جد و جہد کر رہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ہم وہاں کیوں ہیں، اس لیے کہ ہم امریکی ہیں اور اپنے سے بڑے ایک عالم کا اہم جزو ہیں، جس نے دو صدیاں آزادی کے حصول کے لیے محنت شاقہ میں بتا دیں، ہم اصولوں اور انسانیت کو لاحق خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے دنیا کی قیادت کر رہے ہیں۔

ڈیڈی! مجھے امید ہے کہ میں نے گزشتہ دس سالوں میں عربوں اور مسلمانوں سے جنگ کر کے اور ان کے ممالک میں انتشار پھیلا کر، آلِ بش کی وراثت کی حفاظت کی ہے، اب ہمیں کوئی بھی بادشاہ یا کوئی بھی عرب فرماں روا

اپنی گاڑیوں میں ایندھن بھرنے سے نہیں روک سکتا، کم از کم یہ اس وقت تک تو نہیں ہوسکتا جب تک میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا صدر ہوں، وہ لوگ مجبور ہوں گے کہ پٹرول کی پیداوار میں اضافہ کریں اور قیمتوں میں کمی لائیں، اسی طرح میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بن لادن اور غیر انسانی جرائم کا ارتکاب کرنے والے اس کے مددگاروں سے انتقام کے دوران ہم سبھی امریکیوں کو دولت کمانے کا موقع فراہم کریں، ۱۱/ستمبر کے موقع پر شہید ہونے والے اپنے ہیروز کا ہم شاید اسی طرح اعزاز کرسکتے ہیں، شکریہ۔

(خدا امریکہ کی حفاظت کرے)

عالم گیریت بش کی تقریر کے تناظر میں

امریکی صدر جارج بش (جونیر) کی مذکورہ بالا تقریر سے امریکی عزائم اور مقاصد کھل کر دنیا کے سامنے آگئے ہیں، اگرچہ امریکی صدر نے اپنی تقریر میں کوئی نئی بات نہیں کہی ہے؛ بل کہ ان باتوں کا اظہار کیا ہے، جن پر امریکہ گزشتہ کئی سالوں سے عمل کرتا آرہا ہے اور مستقبل میں بھی عمل کرتا رہے گا؛ لیکن ان عزائم کا اتنے کھلے انداز اور جارحانہ الفاظ میں اظہار شاید پہلی بار ہوا ہے۔

اس تقریر میں صدر نے اگرچہ "گلوبلائزیشن" کا نام نہیں لیا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پوری تقریر گلوبلائیزیشن کے اصل مقصد کو ہی پورا کرنے کے عزم وارادے کی غماز ہے، کیوں کہ عالم گیریت کا اصل مقصد "امریکہ کاری" کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جارج بش نے امریکی اقتدار، امریکی بالادستی اور

چودھراہٹ کو پوری دنیا پر مسلط کرنے ہی کا عزم مصمم کیا ہے اور ماضی میں اپنے کرتوتوں اور اسلام دشمنی پر فخر کا اظہار کیا ہے۔

جارج بش نے اسلام دشمنی اور امریکی بالادستی کو پوری دنیا پر نافذ کرنے کا صرف ارادہ ہی نہیں کیا ہے؛ بل کہ اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا ہے، اس تقریر سے پہلے اور بعد میں دنیا کے پردے پر رونما ہونے والے اہم واقعات کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، پہلی خلیجی جنگ سے لے کر افغانستان کی تباہی اور پھر عراق کی بربادی تک، تمام واقعات اسی سلسلے کی کڑی ہیں، جن میں مہذب ہونے کا دعوی کرنے والی قوم نے بربریت وحیوانیت کا جو مظاہرہ کیا ہے، اس کی مثال ملنا مشکل ہے؛ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ پوری دنیا اس بربریت پر خاموش تماشائی ہے؛ بل کہ جنگی جرائم کا ارتکاب کرنے والے امریکی فوجیوں کو تحفظ دے رہی ہے۔

دنیا کے ۴۳ غریب ممالک نے امریکی دھمکیوں کے بعد ایسے معاہدوں پر دستخط کیے ہیں، جن کے تحت وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے پر کسی بھی امریکی شہری، فوجی اور سرکاری اہل کار کے خلاف مقدمات جنگی جرائم کی عالمی عدالت (آئی سی سی) میں نہیں بھیجیں گے، ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکہ نے ان ممالک کو تنبیہ کی تھی کہ ۳۰ جون تک اس ضمن میں معاہدے پر دستخط کردیے جائیں، بہ صورت دیگر ان ممالک کی فوجی واقتصادی امداد بند کردی جائے گی، اخبار کے مطابق اس

وقت دنیا کے ۱۴۰ ممالک میں امریکی فوجی تعینات ہیں۔(۱)

بہ ہر حال دنیا آج ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے، یا تو وہ اپنے لیے تباہی و بربادی کا انتخاب کرلے، یا پھر امریکی بالادستی اور اجارہ داری قبول کر کے غلامی اختیار کرلے اور عالمی حکومت کا حصہ بن جائے، حقیقت یہی ہے کہ عالم گیریت کے پالیسی ساز اداروں نے جس عالمی حکومت کا نظریہ پیش کیا تھا، اس کا نقشۂ راہ طے ہو چکا ہے، اس حکومت کے قیام میں صرف اتنی دیر باقی ہے کہ ملکوں کی مقامی حکومتوں کو ختم کر کے، اقوام متحدہ کی ماتحتی میں دے دیا جائے، جو بہ ظاہر کچھ مشکل معلوم نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆

(۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی، ۳۰/ جولائی ۲۰۰۳ء۔

تیسرا باب

اقتصادی عالمگیریت

مادّیت پرستی اور عالم گیریت
اقتصادی عالم گیریت کا طریقۂ کار
سرمایہ دارانہ نظام
سرمایہ دارانہ نظام نے ان مسائل کو کیسے حل کیا؟
سرمایہ دارانہ نظام کے اصول
سرمایہ دارانہ نظام پر ایک نظر
سرمایہ دارانہ نظام قدیم مغربی فلسفہ
اقتصادی عالم گیریت کو فروغ کیسے ملا؟
اقتصادی گلوبلائزیشن کے مقاصد
گاٹ معاہدہ..اقتصادی گلوبلائزیشن کے لیے عملی کوشش
گاٹ معاہدے کا مقصد
گاٹ معاہدے کے اہم اصول
گاٹ معاہدے کے نتائج
عالمی نقدی نظام
بریٹن ووڈز کا نیا نظام زر
عالمی مالیاتی فنڈ
عالمی بنک
اقتصادی عالم گیریت کا سب سے بڑا نقیب
تنظیم کے مقاصد
عالمی تجارتی تنظیم کا پالیسی سازی میں کردار
تنظیم کا انتظامی ڈھانچہ
ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن ایک تنقیدی جائزہ
ملٹی نیشنل کمپنیاں عالمی دولت کی اصل مالک
کرۂ ارضی پر آزادانہ تجارت
ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وسعت
توسیع کے لیے ملٹی نیشنل کمپنیوں کا طریقۂ عمل
اقتصادی گلوبلائزیشن اور خطرات و مفاسد

مادّیت پرستی اور عالم گیریت

تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس قوم نے بھی کوئی ایسی منفی تحریک شروع کی، جس کا اثر براہ راست یا بالواسطہ دیگر اقوام پر پڑتا ہو، تو اس کا سبب مادّیت پرستی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہا ہے، اس قسم کی ہر تحریک کے پیچھے یہی عامل کارفرما رہا ہے کہ ایک قوم کے افراد کو دیگر اقوام پر مادّی تفوق اور بالادستی حاصل ہو جائے، تاکہ ان کے عیش وعشرت اور سکون میں مال و دولت کی عدم فراہمی کا احساس مخل نہ ہو، قدیم زمانے ہی سے انسانی تاریخ ایسے نظام سے واقف ہے، جس میں دولت کی ہوس اور بے تحاشہ مال وثروت کی خواہش کے نتیجے میں، طاقت ور قوم کم زور قوموں کا استحصال کرتی ہے، مادّی طور سے خود کو مضبوط کرنے کے لیے مخالف قوموں پر مختلف حربے استعمال کرتی ہے، ان پر حملے کرتی ہے، لوگوں کو غلام بنا لیتی ہے اور ان کے اموال و جائداد کو اپنے قبضے میں کر لیتی ہے، حیوانیت کا یہ ننگا ناچ مال و دولت کے حصول ہی کے لیے کیا جاتا رہا ہے۔

یورپ نے جب جدید دور میں قدم رکھا، تو سائنس کو محض ایک تھیوری یا نظریہ نہیں بنایا؛ بل کہ اسے تجرباتی طریقے پر اپنایا اور مختلف ایجادات کیں، تب ہی سے یورپ نے لالچی نگاہوں سے مشرق کی دولت کی طرف بھی دیکھنا شروع کر دیا تھا، چناں چہ سامراجیت کا یہ سیلاب مغرب سے بہتا ہوا، مشرق میں ایشیا اور جنوب میں افریقہ کی طرف بڑھا اور دنیا کے طویل وعریض علاقے کو اپنی کالونی بنالیا، اگر اس زمانے کی سامراجیت کے مقصد پر غور کیا جائے، تو مادّیت پرستی ہی کی طرف ذہن جاتا ہے، مال ودولت ہی کا نشہ تھا، جو مغربی اقوام کو کھینچ کر مشرق کی طرف لایا تھا؛ لیکن بیسویں صدی کے آفتاب نے جب کرنیں بکھیریں تو استعمار کی شفق نے بھی اپنی چادر پھیلا دی، پچاس برس گزرے بھی نہ تھے کہ سامراجیت مکمل غروب ہوگئ اور سالہا سال سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ممالک نے آزادی کی نئی صبح میں قدم رکھا؛ لیکن چند سالوں کی خاموشی کے بعد سامراجیت نے ایک بار پھر اپنی سابقہ کالونیوں کا رخ کیا، گویا کہ اس کے پیش نظر یہ بات تھی کہ دوبارہ پھر واپس آنا ہے، اگر چہ اس مرتبہ اس کی شکل وصورت اور لباس بدلے ہوئے تھے اور ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کی قیادت کر رہی تھیں، ان کمپنیوں کا اُس وقت وطن تو تھا؛ لیکن یہ سرحدوں سے ناآشنا تھیں، اس لیے یہ ملکی حدود کی پرواہ کیے بغیر بڑھتی ہی چلی گئیں اور مشرق کو ایک بار پھر اپنے دام میں جکڑ لیا۔

گلوبلائزیشن کے یوں تو مختلف میدانِ کار ہیں؛ لیکن اقتصادی میدان میں اس کی کرم فرمائیاں سب سے زیادہ ہیں، حتی کہ مفکرین کے ایک طبقے نے

تو گلوبلائزیشن کا صرف اقتصادی اعتبار ہی سے جائزہ لیا ہے، اقتصادی گلوبلائزیشن یہ چاہتا ہے کہ صنعت وتجارت کے میدان، ملکی حدود میں محدود نہ رہیں؛ بل کہ ہر شخص کو انفرادی طور پر یا کسی گروپ کی شکل میں یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ دوسرے ملک کی تجارت میں سرمایہ کاری کرے اور اس کے بدلے نفع حاصل کرے، اسی کو اصطلاح میں عالمی تجارت سے تعبیر کیا گیا؛ لیکن عالمی تجارت کے سودمند ہونے کے لیے یہ ضروری تھا کہ تجارتی میدان میں کسی بھی قسم کی قید اور پابندی کو روا نہ رکھا جائے؛ بل کہ ہر شخص کے لیے اس کی وطنیت اور قومیت سے صرف نظر کرتے ہوے، تمام منڈیوں کے دروازے کھول دیے جائیں، اس لیے عالم گیریت کے علم برداروں نے اس مقصد کے حصول کے لیے یہ نظریہ پیش کیا کہ ''جانے دو، کام کرنے دو'' اس سے قطع نظر کہ کوئی کہاں جارہا ہے اور کیا کام کررہا ہے۔

ظاہر ہے کہ شخصی اور انفرادی طور پر عالمی تجارت میں بڑی سرمایہ کاری کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے کمپنیوں کا وجود ہوا، جنھوں نے مختلف ممالک کے تجارتی سیکٹروں میں سرمایہ کاری کی اور اپنے مالکان کی پیٹ بھرائی کی۔

اقتصادی عالم گیریت کا بہ ظاہر یہ دعوی رہا ہے کہ عالمی تجارت سے خوش حالی بڑھے گی، غربت کا خاتمہ ہوگا، ہر سامان مناسب قیمتوں اور وافر مقدار میں دست یاب ہوگا، ہر ملک کا سامان ہر بازار میں فروخت ہوگا اور اس دور کا خاتمہ ہو جائے گا، جس میں مختلف اشیا حتی کہ کھانے پینے کی چیزوں تک بھی صرف مال داروں کی رسائی ہوتی ہے؛ لیکن اگر اقتصادی عالم گیریت کا

گہرائی سے جائزہ لیا جائے، تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ گلوبلائزیشن خوش حالی عطا کرنے اور معیار زندگی بلند کرنے کے بجائے، غربت اور فقر و فاقہ پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے، اس نظام سے خوش حالی ضرور آتی ہے لیکن صرف ان کمپنیوں کے مالکان کے گھروں میں آتی ہے، جو مختلف ملکوں میں عوام کے پیسے سے اپنے مالکان کا پیٹ بھرنے میں لگی ہوئی ہیں، جب کہ ترقی پذیر ممالک، جو ترقی یافتہ بننے کی خواہش میں اس نظام کو قبول کرتے ہیں، وہ مسلسل غربت سے دوچار رہتے ہیں۔(۱)

اقتصادی عالم گیریت کا طریقۂ کار

اقتصادی عالم گیریت نے دراصل سرمایہ دارانہ نظام کو بنیاد بنایا اور اس کے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں اپنے مادّی سفر کا آغاز کیا، گلوبلائزیشن کے پالیسی سازوں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ جہاں اس نظام سے کمپنیوں اور ان کے مالکان کو بلا حد و حساب فائدہ ہو، وہیں ان ممالک کو بھی فائدہ حاصل ہوتا رہے، جن کی طرف یہ کمپنیاں منسوب ہیں، ان کی منصوبہ بند سازش رہی ہے کہ عالمی اقتصادیات پر چند گنی چنی کمپنیوں کا قبضہ ہو، برآمدات و درآمدات انھی کی تحویل میں ہوں اور عوام کی کمائی کا بڑا حصہ ان کے مالکان کے بنک اکاؤنٹس میں محفوظ ہوتا رہے، جب کہ دوسری طرف یہ کمپنیاں ان ممالک کو جہاں یہ تجارت کر رہی ہیں، مختصر سا ٹیکس دے کر دامن جھاڑ لیں اور اپنی

(۱) ما العولمة ۱۷، از حسن حنفی ص: ۲۴۔

حکومتوں کو وافر مقدار میں ٹیکس ادا کر کے، اپنے ملکوں کی معاشی حالت مستحکم رکھیں، ظاہر ہے کہ جب ہر ملک کی چھوٹی بڑی منڈی میں چند ممالک کی کمپنیوں کے سامان فروخت ہوں گے، تو ان کمپنیوں کو کبھی کوئی بڑا خسارہ نہیں ہوگا، نتیجتاً مالکان کی جانب سے اپنی حکومتوں کو ٹیکس بھرتے رہنے کی بنا پر، ان ممالک کی معاشی حالت ہمیشہ مضبوط رہے گی، مثال کے طور پر ایک روپے کے سامان پر ۴۰ پیسے جہاں اس کو بنانے میں صرف ہوتے ہیں، وہیں صرف ۱۰ پیسے مقامی حکومت کو بہ طور ٹیکس دیے جاتے ہیں، جب کہ ۲۵ پیسے مالکان اپنے ملک کو ٹیکس کے طور پر ادا کرتے ہیں اور بقیہ ان مالکان کے پیٹ میں جاتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ہر منفی تحریک کے پیچھے مادیت پرستی کارفرما ہوتی ہے، اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عالم گیریت کا ایک اہم اور بڑا عامل یہی مادیت اور معاشی اعتبار سے مستحکم ہونے کی ہوس ہے، صہیونی پالیسی سازوں نے اس نظام کو جہاں پوری دنیا پر حکومت کرنے کے لیے وضع کیا ہے، وہیں اس مقصد سے بھی اُس کو وجود بخشا ہے کہ جب پوری دنیا ان کے بنائے ہوے نام نہاد قوانین کے تابع ہوگی، تو ہر ملک کے ہر فرد کی کمائی کا بڑا حصہ ان کی غذا بن سکے گا؛ لیکن کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ صہیونی منصوبہ اب تک کس مرحلے تک پہنچا ہے؟ اس کا طریقۂ عمل کیا ہے؟ اقتصادی عالم گیریت کے اثرات کیا ہیں؟ ان سب سوالات کے جوابات تلاش کرنے سے پہلے آیئے سرمایہ دارانہ نظام پر ایک نظر ڈالیں، جو اقتصادی عالم گیریت کی بنیاد ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) ایک معاشی نظام ہے، جو مغربی دنیا کی پیداوار ہے، دنیا کے دیگر معاشی نظام بھی جس طرح انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے وجود میں آئے، اسی طرح یہ نظام بھی انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وجود پذیر ہوا، اس بات سے قطع نظر کہ اس نظام نے لوگوں کی ضروریات کو پورا کیا، یا ان کے منھ سے لقمہ چھین کر چند سرمایہ داروں کے منھ میں ڈال دیا۔

دنیا کا کوئی بھی معاشی نظام ہو وہ چند ایسے مسائل سے بحث کرتا ہے، جن کو حل کیے بغیر وہ نظام کار آمد نہیں ہوسکتا، عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بنیادی مسائل چار ہیں:

(۱) ترجیحات کا تعین (Determination of Priorities)

اس مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی ضروریات اور خواہشات بے شمار ہیں اور ان کے مقابلے میں وسائل محدود ہیں، جن سے تمام ضروریات وخواہشات کو پورا نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کچھ ضروریات اور خواہشات کو مقدم کرنا پڑے گا اور کچھ کو مؤخر، لہذا انسان کے پاس جو محدود وسائل ہیں، ان کی بنا پر وہ یہ متعین کرے کہ کس چیز کی پیداوار کو ترجیح دی جائے، اور کس کی پیداوار نہ کی جائے؟ کس سامان کو بازار میں لایا جائے اور کس کو نہ لایا جائے؟ غرض یہ کہ ان وسائل کو کس کام میں صرف کیا جائے؟ اسی کا نام ترجیحات کا تعین ہے۔

(۲) وسائل کی تخصیص (Allocation of Resources)

کسی کے پاس وسائلِ پیداوار ہیں، یعنی سرمایہ، محنت اور زمین وغیرہ، ان وسائل کو کن کاموں میں، کس مقدار میں صرف کیا جائے، اگر زمین ہے تو اس کے کتنے حصے پر گندم کی کاشت کی جائے، کتنے پر چاول کی اور کتنے پر روئی کی یا کارخانے لگانے کی صلاحیت موجود ہے، جہاں مختلف سامان بنائے جاسکتے ہیں، لیکن کتنے کارخانے مثلاً کپڑے بنانے کے لیے لگائے جائیں اور کتنے جوتے بنانے کے لیے؟ اسی کو معیشت کی اصطلاح میں ''وسائل کی تخصیص'' کہا جاتا ہے۔

(۳) آمدنی کی تقسیم (Distribution of Income)

یعنی مندرجہ بالا وسائل کو کام میں لگانے کے بعد، اس کے نتیجے میں جو آمدنی حاصل ہوتی ہے، اس کو کس طرح معاشرے میں تقسیم کیا جائے؟ اور کس بنیاد پر تقسیم کیا جائے؟ اس کو معاشیات کی اصطلاح میں ''آمدنی کی تقسیم'' کہا جاتا ہے۔

(۴) ترقی (Development)

یعنی اپنی معاشی حاصلات کو کس طرح ترقی دی جائے؟ تاکہ جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے، وہ معیار کے لحاظ سے پہلے سے زیادہ اچھی ہو اور مقدار کے اعتبار سے اس میں اضافہ ہو، کس طرح نئی ایجادات اور مصنوعات وجود میں لائی جائیں، تاکہ معاشرہ ترقی کرے، اس کو اصطلاح میں ''ترقی''

سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۱)

سرمایہ دارانہ نظام نے ان مسائل کو کیسے حل کیا؟

سرمایہ دارانہ نظام کا کہنا ہے کہ ان چاروں مسائل کو حل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر انسان کو تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کے لیے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اسے یہ چھوٹ دی جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے، جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرے، اس طرح معیشت کے چاروں مسائل خود بہ خود حل ہوتے چلے جائیں گے، کیوں کہ جب ہر شخص کی فکر یہ ہوگی کہ میں زیادہ سے زیادہ نفع کماؤں، تو ہر شخص معیشت کے میدان میں وہی کام کرے گا، جس کی معاشرے کو ضرورت ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ رسد وطلب (Demand And Supply) کا قدرتی قانون ہی درحقیقت زراعت پیشہ افراد کے لیے اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ اپنی زمینوں میں کیا چیز اگائیں اور یہی قانون صنعت کاروں اور تاجروں کے لیے اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ کیا چیز کتنی مقدار میں بازار میں لائیں، کیوں کہ رسد وطلب کا قانون یہ ہے کہ بازار میں جس چیز کی رسد اور سپلائی طلب کے مقابلے میں زیادہ ہو اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور جس چیز کی طلب اس کی رسد کے مقابلے میں بڑھ جائے، تو اس کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔

(۱) دیکھیے: اسلام اور جدید معیشت وتجارت، از حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب ص: ۲۰ وص: ۲۱۔

طلب ورسد کے قانون سے ترجیحات کا تعین اس طرح ہوتا ہے کہ جب ہم نے ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا، تو ہر شخص اپنے منافع کی خاطر وہی چیز بازار میں لانے کی کوشش کرے گا، جس کی ضرورت اور طلب زیادہ ہوگی، تاکہ اس کو زیادہ قیمت مل سکے، اس طرح قانون رسد وطلب اس کو مجبور کرے گا کہ وہ کس چیز کی پیداوار کرے اور کس چیز کی نہ کرے، یہی قانون دوسرے مسئلے یعنی ''وسائل کی تخصیص'' کو بھی حل کرتا ہے، کیوں کہ جس چیز کی ضرورت بازار میں جتنی ہوگی، تاجر اس کو بازار میں مطلوبہ مقدار میں لانے کے لیے اسی حساب سے وسائل مہیا کرے گا، مطلوبہ مقدار سے زیادہ یا کم وسائل، وہ کام میں نہیں لائے گا، کہ اس کو نقصان نہ ہو جائے۔

تیسرا مسئلہ ہے آمدنی کی تقسیم کا، کہ عمل پیدائش کے نتیجے میں جو پیداوار یا آمدنی حاصل ہوئی، اسے معاشرے میں کس بنیاد پر تقسیم کیا جائے، سرمایہ دارانہ نظام کا کہنا ہے کہ جو کچھ آمدنی حاصل ہو، وہ انھی عوامل کے درمیان تقسیم ہونی چاہیے، جنھوں نے پیدائش کے عمل میں حصہ لیا ہے، ایسے عوامل کل چار ہیں۔

(۱) زمین (۲) محنت (۳) سرمایہ (۴) آجر یا تنظیم۔

آجر یا تنظیم سے مراد وہ شخص ہے، جو ابتداءً کسی عمل پیدائش کا ارادہ کرے اور بقیہ تینوں عوامل کو جمع کرے، یہ عامل نفع ونقصان کا خطرہ مول لیتا ہے، سرمایہ دارانہ نظام کا کہنا ہے کہ عمل پیدائش کے نتیجے میں جو کچھ آمدنی ہو وہ اس طرح تقسیم ہونی چاہیے کہ زمین مہیا کرنے والے کو کرایہ دیا جائے، محنت

کرنے والے کو اجرت دی جائے، سرمایہ فراہم کرنے والے کو سود دیا جائے اور وہ عامل جو اس عمل پیدائش کا اصل محرک تھا، اسے منافع دیا جائے۔

پھر اس بات کی تعیین کے لیے کہ کس عامل کو کتنا ملنا چاہیے، سرمایہ دارانہ نظام اسی قانونِ رسد وطلب کی طرف رجوع کرتا ہے، لہٰذا جس عامل کی طلب زیادہ ہوگی، اس کا معاوضہ بھی زیادہ ہوگا۔

اگر کارخانہ لگانے والے کے پاس زمین نہیں ہے، تو وہ زمین کرایے پر لے گا، اگر اجرت پر زمین دینے والے بہت ہیں، تو اس کی اجرت کم ہوگی اور اگر ان کی تعداد کم ہے، تو اجرت زیادہ ہوگی، اسی طرح کارخانے میں سرمایے کی بھی ضرورت ہے، اس نظام میں سرمایہ فراہم کرنے والوں کو سود دینا پڑتا ہے، لہٰذا سرمایہ فراہم کرنے والے اگر زیادہ ہیں، تو سود کم شرح پر ہوگا اور اگر کم ہیں تو شرح سود زیادہ ہوگی، اسی طرح مزدوری کرنے والے افراد اگر زیادہ ہیں، تو ان کی اجرت کم ہوگی اور اگر ان کی تعداد کم ہے، تو اجرت زیادہ ہوگی۔

چوتھا مسئلہ معاشی ترقی کا ہے، سرمایہ دارانہ نظام کے فلسفے کے مطابق یہ مسئلہ بھی اسی بنیاد پر حل ہوتا ہے کہ ہر شخص کو جب زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا، تو رسد وطلب کے قدرتی قوانین اسے خود بہ خود اس بات پر آمادہ کریں گے کہ وہ نئی سے نئی چیزیں اور بہتر سے بہتر کوالٹی بازار میں لائے، تاکہ اس کی مصنوعات کی طلب زیادہ ہو اور اسے زیادہ نفع حاصل ہو۔(۱)

(۱) ایضاً ص:۲۴ تا ص:۲۵۔

سرمایہ دارانہ نظام کے اصول

سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی طور پر تین اصول ہیں۔

(۱) ذاتی ملکیت (Private Property)

اس نظام میں ہر انسان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں اشیا بھی رکھ سکتا ہے اور وسائلِ پیداوار بھی، اشتراکی نظام میں اشیا کو ملکیت میں رکھنا تو درست ہے؛ لیکن وسائلِ پیداوار مثلاً زمین یا کارخانہ وغیرہ ذاتی ملکیت میں نہیں رکھے جا سکتے۔

(۲) ذاتی منافع کا محرک (Profit Motive)

دوسرا اصول یہ ہے کہ پیداوار کے عمل میں جو محرک کارفرما ہوتا ہے، وہ ہر انسان کے ذاتی منافع کے حصول کا محرک ہوتا ہے۔

(۳) حکومت کی عدم مداخلت (Laissez Faire)

سرمایہ دارانہ نظام کا تیسرا اصول یہ ہے کہ حکومت کو تاجروں کی تجارتی سرگرمیوں میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، وہ جس طرح کام کر رہے ہیں، اس میں مداخلت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ان پر حکومت کی طرف سے زیادہ پابندیاں عائد ہونی چاہییں، اسی بنیاد پر یہ کہا جا رہا ہے کہ:

''سب سے اچھی حکومت وہ ہے، جو کم حکومت کرے'' یعنی مداخلت نہ کرے۔(۱)

---

(۱) ایضاً ص:۲۶۔

سرمایہ دارانہ نظام پر ایک نظر

اشتراکیت کی ناکامی کے بعد مغربی دنیا بڑے طمطراق کے ساتھ بغلیں بجارہی ہے اور یہ دعویٰ کیا جارہا ہے، کہ چوں کہ اشتراکیت ناکام ہوگئی، اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کی حقانیت ثابت ہوگئی۔ دراصل سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی فلسفے میں، اس حد تک تو بات درست تھی کہ معاشی مسائل کے حل کے لیے ذاتی منافع کے محرک اور بازار کی قوتوں یعنی رسد و طلب سے کام لینے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے؛ لیکن غلطی درحقیقت یہاں ہوئی کہ ایک فرد کو زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کی بے لگام آزادی دی گئی، جس میں نہ اخلاقی ذمے داریوں کو روا رکھا گیا اور نہ اجتماعی فلاح کی طرف توجہ دی گئی، اس نظام نے ایک فرد کو ایسے طریقے بھی اختیار کرنے کی اجازت دے دی، جن کے نتیجے میں وہ زیادہ سے زیادہ دولت مند بن کر، بازار پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے۔

جہاں تک اس نظام کے نتیجے میں معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پھیلنے کا تعلق ہے، تو اس کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی ہوس نے اکثر لوگوں کے سفلی جذبات کو اپیل کرکے، ان کی غلط خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کیا ہے، چناں چہ مغربی ممالک میں عریانی اور فحاشی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ عریاں تصاویر اور فلموں کا ایک سیلاب ہے، جسے معاشرے میں پھیلا کر لوگ ذاتی منافع کے محرک کی تسکین کر رہے ہیں،

عورتیں اپنے جسم کا ایک ایک عضو اس محرک کے تحت بازار میں فروخت کر رہی ہیں، ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق سروسز (خدمات) کے کاروبار میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار ''ماڈل گرلز'' کا ہے، جو اپنی تصویریں صنعت کاروں کو، اپنی مصنوعات پر چھاپنے کے لیے، یا اشتہار کا حصہ بنانے کے لیے فراہم کرتی ہیں اور اس کا بہت بھاری معاوضہ وصول کرتی ہیں، یہاں تک کہ ان کا طبقہ امریکہ کے سب سے زیادہ کمانے والوں میں شامل ہے، ظاہر ہے کہ ان پر جو لاکھوں ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں، وہ بالآخر پیداوار کی لاگت میں شامل ہو کر عام صارفین کی جیب پر پڑتے ہیں، اس طرح پوری قوم ان بداخلاقیوں کی مالی قیمت بھی ادا کرتی ہے۔(۱)

مذکورہ رپورٹ سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اخلاقی گراوٹ سے متعلق تھی، اقتصادیات (جو اس نظام کا اصل موضوع ہے) بھی سرمایہ دارانہ نظام کے فلسفے کی وجہ سے، پستی کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکی، دولت سمٹ کر چند لوگوں کی مٹھی میں آ گئی اور حقیقت میں یہی اس نظام کا مقصد بھی ہے، کہ پوری دنیا کے سرمایے پر چند گنے چنے لوگوں کی اجارہ داری ہو، تھوڑی سی تعداد ان لوگوں کی ہو، جن کو روزی روٹی کسی نہ کسی طرح مل جاتی ہو، جب کہ بقیہ تعداد ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہو جائے؛ حتی کہ اس کو ایک وقت کے کھانے کے لیے بھی سوچنا پڑے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں بے کاری کی شرح میں زبردست اضافہ

---

(۱) ایضاً ص:۳۶۔

ہوا ہے، اعداد و شمار سے حیرت انگیز حقائق سامنے آتے ہیں، چناں چہ دنیا میں ۸۰۰ ملین افراد بے کار ہیں، ان کے پاس کوئی کام نہیں ہے، یہ تعداد روز افزوں ہے، گزشتہ دس سالوں میں سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے، فروغ پانے والی دنیا کی ۵۰۰ بڑی کمپنیوں نے ہر سال تقریباً چار لاکھ مزدوروں کی چھٹی کی ہے، حال آں کہ ان کمپنیوں کے منافع میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے؛ بل کہ ہر نئے سال میں نفع کے تناسب میں اضافہ ہی دیکھنے میں آتا ہے، چناں چہ ان میں سے ایک کمپنی نے اپنے ہر سرمایہ دار کو ۵ ملین ڈالر بہ طور نفع دیے ہیں۔(۱)

سرمایہ دارانہ نظام قدیم مغربی فلسفہ

مغرب نے اپنی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے جو نظریہ پیش کیا ہے، وہ کوئی جدید فلسفہ نہیں ہے؛ بل کہ اس کا تعلق قدیم یونانی فلسفے سے ہے، حتی کہ اس نظام پر یونانی فلسفی ''افلاطون'' اور فرقۂ سفسطائیہ کے درمیان اختلاف بھی پایا جاتا ہے، مغربی قلم کار ''جان بونکر'' اور ''ہنری ٹرومین'' لکھتے ہیں کہ:

''فرقۂ سفسطائیہ یونان میں اقتصادی آزادی کا علم بردار تھا، اس کا یہ کہنا تھا کہ ہر شخص کو مکمل تجارتی آزادی حاصل ہونی چاہیے، حکومت یا کسی ادارے کو اس کی تجارت اور اس کی معاشی سرگرمیوں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے، جب کہ ان لوگوں کے مقابلے میں مشہور یونانی حکیم ''افلاطون'' کا کہنا تھا کہ: اقتصادیات کے میدان میں اتنی ڈھیل نہ دی جائے کہ دولت چند افراد تک محدود ہو کر رہ جائے اور بقیہ لوگ اس سے محروم رہیں، اس کا کہنا تھا کہ: ''روے زمین

---

(۱) العرب والعولمة ص:۱۴۱۔

پر زندگی کے لیے زیادہ سے زیادہ عدل و مساوات ضروری ہے، تا کہ لوگوں میں محفوظ ہونے کا احساس پیدا ہو سکے، اس لیے ایسے قوانین بنائے جائیں، جو ملک میں انصاف کی بالا دستی کے ضامن ہوں۔"

افلاطون کے تجویز کردہ قوانین کی رو سے ہر شخص کے حصے میں اتنی ہی دولت آنی چاہیے جتنا اس نے کام کیا ہے، یا اس کام میں شرکت کی ہے۔

افلاطون کے بعد دوسرے مشہور یونانی فلسفی "ارسطو" نے ایک درمیانی نظریہ پیش کیا، اس نے کہا کہ:

"ہر شخص کو اقتصادی آزادی تو حاصل ہونی چاہیے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر شہر میں ایسے اداروں کا قیام بھی ضروری ہے، جو تاجروں کی نگرانی کریں اور ملک کو اقتصادی عدم توازن سے محفوظ رکھیں۔"

امریکی معماروں کے سامنے بھی یونانی فلاسفہ کا اختلاف تھا؛ لیکن انھوں نے فرقۂ سفسطائیہ کا نظریہ اپنانے کا فیصلہ کیا، "جارج واشنگٹن"، "فرینکلن" اور "جیفرسن" جیسے سامراجیت پسند لوگ جانتے تھے، اقتصادی کھلاپن سامراجیت کو کس قدر فروغ دے سکتا ہے، اس لیے انھوں نے افلاطون کے نظریے کو مسترد کرتے ہوئے سفسطائیہ کا نظریہ قبول کیا اور اسی کو امریکی اقتصادیات کی بنیاد قرار دیا، (۱) آگے چل کر سرمایہ دارانہ نظام کا یہی فلسفہ عالم گیریت کی بنیاد بنا، کیوں کہ جس طرح سرمایہ دارانہ نظام اقتصادی کھلے پن کا داعی ہے، اسی طرح گلوبلائزیشن بھی تجارتی آزادی اور اقتصادی میدان کو ہر قسم کی پابندیوں سے جدا رکھنے کا علم بردار ہے، اس لیے یہ نتیجہ نکالنا کوئی مشکل نہیں رہ جاتا کہ

(۱) أمریکا المستبدة، الولایات المتحدة وسیاسة السیطرة علی العالم، ص ۲۰۔

اقتصادی عالم گیریت میں پوری دنیا کی دولت، چند افراد تک سمٹ کر آرہی ہے اور وہی لوگ ہر شخص کی کمائی کے اصل مالک اور حق دار بنے بیٹھے ہیں، جب کہ پوری دنیا محرومیت کی نگاہوں سے ان کو تک رہی ہے۔ جن ممالک میں اقتصادی عالم گیریت نافذ العمل ہوچکی ہے، وہاں مال دار طبقہ تو ان افراد پر مشتمل ہے، جو بڑی بڑی انڈسٹریز میں حصے دار ہیں؛ لیکن متمول طبقے سے لے کر ادنی طبقے تک، ہر شخص کسی نہ کسی ادارے یا بنک کا مقروض ہے اور سود کے بوجھ تلے دبا جارہا ہے۔ ان ممالک کے باشندے چارو ناچار قرض لیتے ہیں اور پھر اپنی عمر کے ایک بڑے حصے کو قرض اتارنے کے لیے وقف کر دیتے ہیں، ایک فرد کسی بنک کو، وہ بنک کسی مرکزی بنک کو اور وہ مرکزی بنک کسی ملٹی نیشنل ادارے کو قرض ادا کرتا رہتا ہے، قرض در قرض اور سود در سود کا یہ تسلسل، جس شخص یا جس ادارے پر منتہی ہوتا ہے، وہی دراصل عوام کی کمائی کا اصل مالک ہوتا ہے، جو مزے سے ان کی روزی روٹی پر سانپ بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ یہی اقتصادی عالم گیریت کا مقصد بھی ہے کہ چند گنے چنے گلوبلائزیشن کے پالیسی ساز، دنیا کی دولت پر قابض ہوں اور ہر سیاہ وسفید کے مالک رہیں اور عوام الناس کے پیٹ میں جانے والا روٹی کا ٹکڑا بھی، انھی کی اجازت سے حلق کا راستہ طے کرے۔

اقتصادی عالم گیریت کو فروغ کیسے ملا؟

سرمایہ دارانہ نظام کو بنیاد بنانے والے اقتصادی گلوبلائزیشن کی فروغ کاری کے لیے، سب سے زیادہ ضروری چیز عوام کے ذہنوں کی تطہیر تھی، انھیں اس بات کا عادی بنانا تھا کہ وہ عالمی تجارت کو ترقی دینے کے لیے اپنے ملک کی

مصنوعات سے زیادہ، غیر ملکی مصنوعات کو ترجیح دیں، تاکہ تدریجی طور پر مقامی مصنوعات کا خاتمہ ہو جائے، یا ان کا خریدار دوسرے ملک میں تو موجود ہو؛ لیکن وہ اپنے ملکی خریدار کو ترس جائیں، حتی کہ ایک ملک کا سامان اس کی حدود میں محدود نہ رہ کر ساری دنیا میں پھیل جائے۔

اسی مقصد کے پیش نظر "گاٹ" (GATT) نامی معاہدہ (جس پر ہم تفصیل سے آگے روشنی ڈالیں گے) عمل میں آیا، جس کی رو سے اس معاہدے پر دستخط کرنے والے ہر ملک کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ ملکی اور غیر ملکی مصنوعات کے درمیان ٹیکس وغیرہ کے اعتبار سے کسی بھی قسم کا امتیاز نہ کرے؛ بل کہ تمام مصنوعات اور پراڈکٹس کو ایک ہی نگاہ سے دیکھے، تاکہ غیر ملکی کمپنیاں زیادہ ٹیکس نہ دینے کی وجہ سے اپنے سامان سستے داموں میں فروخت کر سکیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر ملکی اشیا ملکی پیداوار اور مصنوعات کے مقابلے زیادہ پرکشش ہونے کی بنا پر، منڈیوں میں عام ہو جائیں گی اور مقامی مصنوعات پر غالب آ جائیں گی، خصوصاً ان ممالک میں جہاں معیار زندگی نسبتاً پست ہے، جیسے برصغیر، ایشیائی اور افریقی ممالک، جہاں کی معیشت کو غیر ملکی خصوصاً مغربی کمپنیاں نگلتی جا رہی ہیں۔

ہر ملک کے بازار میں کمپنیوں کی اجارہ داری کا جو خواب عالم گیریوں نے دیکھا تھا، اس کو حقیقت میں بدلنے کے لیے، انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ چھوٹے تجارتی ادارے (Small Business) ختم کر دیے جائیں اور مختلف کمپنیاں اپنی اپنی شاخیں (Branchs) اور فروعات،

شہر در شہر، قریہ در قریہ پھیلا دیں، تاکہ لوگ کمپنی کا سامان ہی خریدنے پر مجبور ہو جائیں، اور ان کی جیب سے ایک روپے میں، ۹۰ پیسے ان کمپنیوں کے مالکان کا پیٹ بھریں؛ لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب کہ عوام کی دماغی تطہیر اور ذہن سازی کی جاتی، اس لیے بڑے زور و شور سے اس بات کی تشہیر کی گئی کہ ذاتی دکانوں کے بجائے، کمپنی کی برانچوں سے سامان خریدنا معیاری زندگی کی دلیل ہے، عوام کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا گیا کہ چھوٹی دکانوں سے خریداری کی بہ نسبت، کمپنی کی برانچوں سے خریداری کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔

مغربی بالخصوص امریکی عوام سب سے پہلے اس شعبدہ بازی سے متاثر ہوے، چناں چہ امریکہ میں ذاتی دکانوں کا تناسب بہت کم ہے، عوام مختلف کمپنیوں کی برانچز یا ان تجارتی مراکز ہی سے خریداری کو ترجیح دیتے ہیں، جن کی برانچیں تقریباً ہر شہر میں قائم ہیں، گھریلو ضروریات اور عام استعمال ہونے والے سامان تک، انھی مراکز سے خریدے جاتے ہیں، ایسے مراکز میں WAL MART (وال مارٹ) کا بھی نام آتا ہے، جس کی تقریباً ایک ہزار برانچز پورے امریکہ میں قائم ہیں، ۱۹۹۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق اس ادارے کا مالک ۸ بلین ڈالر کا بنک بیلنس اپنے پاس رکھتا ہے۔

اس طرح کی تشہیر اب غیر ترقی یافتہ ممالک میں بھی ہونے لگی ہے، حتی کہ مغرب زدہ عرب ممالک میں بھی اس نظریے کا رواج بہت عام ہو گیا اور اب برصغیر کی دولت لوٹنے کی غرض سے، اس نظریے کو پوری قوت کے ساتھ عام کیا جا رہا ہے، نج کاری اور پرائیوٹائزیشن کے نام پر غیر ملکی کمپنیوں کو عوام

کی کمائی ہڑپ کرنے کی دعوت دی جارہی ہے، مرعوبیت کا عنصر رکھنے والے برصغیر کے لوگ اس پروپیگنڈے سے بے حد متاثر ہورہے ہیں اور غیر ملکی کمپنیوں کا سامان استعمال کرنے ہی کو اعلیٰ معیارِ زندگی قرار دے رہے ہیں، نتیجہ یہی نکل رہا ہے کہ مغربی کمپنیاں ہر ملک میں اپنی اجارہ داری قائم کررہی ہیں، جو مستقبل میں ان ممالک کے اندرونی معاملات میں بھی دخل اندازی کرکے، حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

عالم گیریت کے علم برداروں نے اقتصادی میدان میں بہ ظاہر ایسی کوئی قید نہیں لگائی ہے، جس کی رو سے مشرقی اور ایشیائی کمپنیوں کو مغرب اور دیگر ممالک میں تجارت کرنے کی ممانعت ہو؛ لیکن اتنا تو انھیں بھی معلوم تھا کہ جاپان کو مستثنیٰ کرنے کے بعد، کوئی بھی مشرقی یا ایشیائی کمپنی کبھی بھی اس پوزیشن میں نہیں آسکتی کہ وہ عالمی سطح پر کاروبار کرے اور مغربی کمپنیوں کے لیے چیلنج ثابت ہو اور اس وقت صورت حال بھی یہی ہے کہ میدان میں صرف مغربی اور زیادہ سے زیادہ جاپانی کمپنیاں ہیں، جو آپس میں مقابلہ آرائی کے ذریعے قیمتیں کم کرکے، صارفین کی آمدنیوں کو ہڑپ کررہی ہیں، انھوں نے ہر ملک کی مشہور شخصیات کے ذریعے ٹی وی پر اشتہارات پیش کرکے، ''مکڈانلڈ'' کھانے، کوک اور پیپسی پینے ''جینز'' اور ''ٹی شرٹ'' پہننے ہی کو اعلیٰ معیار زندگی بنادیا ہے، حالت یہاں تک آپہنچی کہ امریکی ''فاسٹ فوڈ'' ریستوراں مکڈانلڈ (Micdonald) جب پہلی بار سعودی عرب کے دارالسلطنت ریاض میں کھلا تو مغربی تہذیب کی تقلید سے سرشار، عرب ردّ سا اتنی بڑی تعداد

میں اپنی اپنی گاڑیوں سے وہاں پہنچے کہ آس پاس کی تمام بڑی شاہ راہوں (ہائی ویز) پر ٹریفک جام ہوگیا، محکمۂ ٹریفک کی تحقیقات سے پتا چلا کہ سب لوگ ''مکڈانلڈ'' میں ''فاسٹ فوڈ'' کھانے جارہے ہیں۔

گلوبلائزیشن نے بڑی بڑی کمپنیوں کو کھلی چھوٹ دے دی ہے، کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کی تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرلیں اور اپنی پرکشش مصنوعات کے ذریعے ان پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیں، ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بغیر کسی تاخیر کے اپنی دیرینہ تمنا کو پورا کر ہی لیا، چناں چہ ترقی یافتہ ممالک کے بعد، ترقی پذیر ممالک میں بھی انھوں نے اپنی مصنوعات کے سیلاب سے مقامی مصنوعات کو مات دے دی اور ہر ملک کے بازار پر قبضہ کرلیا، آج ماہرین اقتصادیات کے مطابق ملٹی نیشنل (کثیر الملکی) کمپنیوں کی وسعت کا اندازہ نہ سرمایے سے ممکن ہے اور نہ پیداوار کی مقدار سے؛ بل کہ اس کا اندازا آمدنی سے لگایا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر ''جنرل موٹرز'' (G.M.) ان کمپنیوں میں سرفہرست ہے، جن کی آمدنی بہت سے ملکوں کے سالانہ بجٹ سے بھی زائد ہے، چناں چہ ''جنرل موٹرز'' کو ہر سال تقریباً ۱۶۸ ملین ڈالر سے زائد کی آمدنی ہوتی ہے، ''اے بی بی'' کمپنی (جو ساٹھ بڑی کمپنیوں کو ضم کرکے وجود میں لائی گئی ہے) ایشیاء وافریقہ کی ۱۳۰ اور یورپ کی ۴۱ کمپنیوں پر حاوی ہے، تنہا ''مصر'' میں اس کمپنی نے ۱۰۰ ملین ڈالر کا سرمایہ لگایا۔(۱)

ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کی ۷۵ فی صد اقتصادیات پر ۵۰۰ بڑی کمپنیوں کا قبضہ ہے، جن میں ۱۵۳ امریکہ کی، ۱۵۵ یورپ کی اور ۱۴۱ جاپان

کی ہیں (۱) اس رپورٹ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ، ابھی تک عالمی اقتصادیات کے نصف سے زائد حصے پر، امریکی و یورپی کمپنیوں کی اجارہ داری قائم ہوچکی ہے، جب کہ ان کمپنیوں میں یہودی بھی بڑے موثر طریقے سے دخیل ہیں، عالم گیریت کا نشانہ عالمی اقتصاد کے اس نصف حصے کو بھی پوری طرح اپنے زیر اثر کر لینا ہے، جس پر ابھی تک ان کا مکمل تسلط نہیں ہوا ہے، بہ الفاظ دیگر جاپان (جو دراصل مغرب نواز ملک ہے) کی کمپنیوں کا اس حصہ پر کنٹرول ہے، جو ایک ایشیائی ملک ہے، اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام کو اپنانے اور مغربی تقلید؛ بل کہ مغرب پرستی کرنے کی وجہ سے، وہ بھی عالم گیریوں کی صف میں کھڑا ہوا ہے۔

غرض یہ کہ عوامی تطہیر اور ذہن سازی کی وجہ سے ''کمپنی کلچر'' کامیاب ہوا ہے، جس کی بنا پر اقتصادی عالم گیریت اس منزل پر پہنچ سکی ہے، جہاں آج ہے؛ لیکن محض چند نوٹ کمانا ہی اس تحریک کا مقصد نہیں ہے، کیوں کہ سازشی ذہن جب کوئی کام کرتا ہے، تو وہ کثیر المقاصد ہوتا ہے، اس لیے اقتصادی گلوبلائزیشن کے پیچھے بھی بہت سے اغراض ومقاصد ہیں، ذیل میں ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں۔

اقتصادی گلوبلائزیشن کے مقاصد

گلوبلائزیشن اقتصادی میدان میں اپنے مقاصد، سرمایہ دارانہ نظام کو

(۱) اخبار العالم الاسلامی، عدد ۲۱ تا ۲۷، ۱۲،۱۴۲۳ صفر ۱۴۲۳ھ رپورٹ حسین محمد علی۔

رائج کر کے ہی پورے کر سکتا ہے، اس لیے اس نظام کو رواج دینے اور اس کو عام کرنے کے لیے ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' اور ''ورلڈ بنک'' جیسے اداروں کا سہارا لیا گیا، جنھوں نے عوام مخالف اقتصادی پالیسیوں کے ذریعے، اقتصادی میدان میں عالم گیریوں کے لیے بہت سے مقاصد کی تکمیل کی، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عالم گیریت کی تحریک کے ذریعے مغرب، عربوں کے مال کو ہتھیا کر خود اس کو سرمایہ کاری میں لگا رہا ہے، آج عالم عرب قرضوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق عالم عرب ہر منٹ پر تقریباً ۵۰ ہزار ڈالر قرض لیتا ہے، جب کہ اتنی ہی مقدار یورپ ہر منٹ سرمایہ کاری پر لگا رہا ہے، چناں چہ ۱۹۹۵ء میں یورپ نے ۴۶۵ ارب ڈالر سرمایہ کاری پر لگائے، جب کہ ۱۹۸۶ء میں یورپی ممالک نے ۲۸۰ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی تھی، یورپ کی جتنی دولت سرمایہ کاری میں لگ رہی ہے، اتنی ہی مقدار کا عالم عرب ہر سال مقروض بھی ہوتا ہے، سیاسی اور اقتصادی عدم استحکام اور مغرب کی نفسیاتی ماتحتی کا نتیجہ ہے کہ جب یہ رقم سود سمیت مغربی ممالک میں واپس آتی ہے، تو اس بھاری بھرکم نفع کو مغربی بالا دستی قائم کرنے ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔(۱)

(۲) عالم گیریت کا ایک مقصد، اقتصادی میدان میں مقامی حکومت کی قوت اور اقتدار کا خاتمہ کر کے، عالمی اقتصادیات پر امریکی بالا دستی قائم کرنا ہے،

(۱) رسالہ: البیان، مقالہ: العولمة حلقة في تطوّر آليات السيطرة، از خالد ابو الفتوح عدد ۱۳۶۔

بایں طور کہ اقتصادیات خواہ کسی بھی ملک کی ہو؛ لیکن اس ملک کی حکومت کا اپنی اقتصادیات کو ترقی دینے میں کوئی رول نہ ہو؛ بل کہ ساری دنیا کی اقتصادیات امریکہ کے رحم وکرم پر ہو، حکومت ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' کے تابع ہو، جو حکومت کو جس رخ پر چاہے موڑ دے۔ یہ ادارہ ترقی پذیر ممالک کو قرضے فراہم کر کے، امداد کرتا ہے؛ لیکن ساتھ میں ایسی شرائط لگا دیتا ہے، جن سے عوام کی حق تلفی ہو اور ملک ان امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کا مرہونِ منت ہو جائے، (۱) جو مقروض ممالک میں آزادانہ تجارت کریں اور عوام کی کمائی ہوئی دولت سے اپنی جیبیں بھریں۔ ترکی، میکسیکو اور ملیشیا وغیرہ ایسے ممالک کی فہرست میں شامل ہیں، جن کو امریکی سرمایہ داروں کے مفادات کی خاطر، عالم گیریت نے سخت نقصان پہنچایا، (۲) یہ ممالک عالمی اداروں سے قرضے لینے کے باعث گلوبلائزیشن کی پالیسیوں کو اپنانے پر مجبور تھے، اسی لیے ملیشیا کے موجودہ وزیر اعظم مآثر محمد (جو گلوبلائزیشن کے سخت مخالف سمجھے جاتے ہیں اور اسلامی ممالک کے درمیان اقتصادی یکجہتی کے بہت بڑے داعی ہیں) کا کہنا ہے کہ:

''عالم گیریت زدہ دنیا میں کبھی بھی عدل و مساوات قائم نہیں ہو سکتے؛ بل کہ دنیا طاقت ور اور بالادستی کی ہوس رکھنے والے ممالک کے تابع ہو جائے گی، جس طرح سرد جنگ کے خاتمے سے بہت سے لوگ ہلاکت کے منھ میں چلے گئے، اسی طرح عالم گیریت سے بھی لوگوں کی بہت بڑی تعداد لقمۂ اجل بن جائے گی، عالم گیریت زدہ دنیا میں مال دار ممالک کے لیے، بقیہ ممالک پر اپنی

---

(۱) العولمة: از محمد سعید ابوزعرور، ص: ۶۲۔

(۲) فخ العولمة ص: ۲۵۴۔

پالیسیاں تھوپنا بہت آسان ہو جائے گا، اس لیے ترقی پذیر ممالک کو یہ بات ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ ان کی حالت اس زمانے سے بہتر ہرگز نہیں ہو سکتی، جب وہ ترقی یافتہ ممالک کی کالونی ہوا کرتے تھے۔''(۱)

ڈاکٹر عماد الدین خلیل کہتے ہیں کہ:

''گلوبلائزیشن پوری دنیا کو ایک ایسی بستی میں تبدیل کر دے گا، جہاں قیادت امریکہ کے ہاتھ میں ہوگی اور حکم یہودیوں کا چلے گا، ملکوں اور قوموں کے مستقبل کے فیصلے انھی کے ہاتھ میں ہوں گے، وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جو چاہیں گے کریں گے، کوئی حکم عدولی کرنے والا نہ ہوگا، خواہ ان مفادات کے حصول کے لیے کسی قوم ہی کو اس کے تمام افراد سمیت قربانی کا بکرا کیوں نہ بنانا پڑے۔''(۲)

۱۹۹۵ء میں ہی عرب ممالک (جو عالم گیریت کے نشانے پر ہیں) کے غیر ملکی قرضے ۲۵۰ ارب ڈالر تک پہنچ گئے تھے، ہر منٹ میں عالم عرب ۵۰ ہزار ڈالر کا مقروض ہوتا چلا جا رہا تھا، آج بھی اس رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، اس لیے کسی شک وشبہ کے بغیر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جتنی تیزی کے ساتھ قرضوں میں اضافہ ہوگا، اتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ عالم عرب غلامی کے دلدل میں پھنستا چلا جائے گا اور مغرب خصوصاً امریکہ کو زیادہ سے زیادہ دخل اندازی کرنے کا موقع فراہم ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان قرضوں کی وجہ سے، جو ورلڈ بینک اور انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (جن کا مقصد ہی مقروض ممالک کو تباہ

(۱) رسالہ: الإسلام الیوم، عدد ۱۶، سنہ ۱۷ ۱۴۲۱ھ۔

(۲) تحدیات النظام العالمي الجدید http//:www.islamway.com

وبرباد کرنا ہے) سے حاصل کیے گئے ہیں، اکثر عرب ممالک کی اقتصادیات عدم استحکام کی شکار ہیں، یہ ممالک مسلسل قرضوں اور سود کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں، نتیجتاً وہی ماضی کی صورت حال دوبارہ سامنے آرہی ہے، جب مغربی ممالک کا عرب ممالک پر باقاعدہ اقتدار رہا کرتا تھا۔(۱)

دلیل کے طور پر ''الجزائر'' کو پیش کیا جاسکتا ہے، جو اقتصادیاتی کمیٹی کی جانب سے شائع کردہ رپورٹ کے مطابق، اپنے قرضوں کی وجہ سے گاٹ معاہدہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے، جس کی رو سے غیر ملکی کمپنیاں کھلے عام وہاں تجارت کررہی ہیں، چناں چہ ''الجزائر'' کو اپنی مقامی مصنوعات کے سلسلے میں، سالانہ ۵ء ا سے لے کر ۲ ارب ڈالر تک کا نقصان ہے؛ لیکن قرضوں تلے دبے ہونے کی وجہ سے، وہ غیر ملکی کمپنیوں کے لیے اپنے دروازے چوپٹ کھولنے پر مجبور ہے۔(۲)

(۳) عالم گیریت یہ بھی چاہتی ہے کہ پوری دنیا کی اقوام کے گلے پر چھری رکھ کر، مغرب کے مال دار ممالک اور ان کے حلیفوں کے مفادات کو پورا کیا جائے، خواہ اس مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک نیچے جانا پڑے اور کتنی ہی گھناؤنی سازشیں کیوں نہ کرنی پڑیں، چناں چہ ''انڈونیشیا'' اور ''ملیشیا'' نے، جن کو ''ایشین ٹائیگرس'' کہا جاتا ہے، جب اپنی ترقی کی خاطر الگ اقتصادی راہ اپنائی اور اپنے عوام کے مطلوبہ اقتصادی مفادات کی تکمیل

---

(۱) رسالہ البیان، مقالہ: العولمة حلقة في تطور آليات السيطرة: از خالد ابوالفتوح عدد ۱۳۶۔

(۲) رسالہ المجتمع، مقالہ: العولمة ورموز السيادة الوطنية، ۱۳۱۲ھ۔

کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے، تو ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ان کی سرپرستی کرنے والی مغربی حکومتوں نے، اس نئے تجربے کو ناکام بنانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا، کیسی کیسی سازشیں نہیں رچی گئیں، محض اس وجہ سے کہ اگر ''ایشین ٹائیگرس'' نے مغربی ممالک کی امداد اور عالم گیریت کے سانچے میں ڈھلے بغیر اقتصادی میدان میں ترقی کر لی، تو کہیں لندن اور نیویارک کی اونچی اونچی عمارتوں میں بیٹھے ہوے ارب پتی تاجروں کے سامنے خطرے کی گھنٹی نہ بج جائے، کیوں کہ ان کے تجربے کی کام یابی کے بعد دیگر ممالک بھی انھی کے نقش قدم پر چلیں گے، اس لیے سازشی دماغوں نے ان ممالک کے اقتصادی تجربے کو ناکام کرنے کے لیے، اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا، انجام کار انڈونیشیا سخت اقتصادی بحران کا شکار ہوا، ارب پتی تاجر اور گلوبلائزیشن کے ایک بڑے ہم نوا ''جارج سورش'' نے مذکورہ بالا ایشیائی ممالک کے اسٹاک ایکس چینجز میں ایسا کھیل کھیلا کہ اقتصادی ترقی کا عمل یک لخت رک گیا؛ بل کہ ملک کا ہر تجارتی سیکٹر اقتصادی زبوں حالی کی گواہی دینے لگا۔(۱)

مغربی ملٹی نیشنل کمپنیاں روے زمین کو ایک ایسی منڈی میں تبدیل کر رہی ہیں، جہاں آپسی رسہ کشی اور مقابلہ آرائی کے بیچ، اخلاقی اقدار کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی؛ بل کہ اس منڈی کے گاہکوں کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے پر تمام تر توجہات صرف کی جاتی ہیں۔ یہ کمپنیاں عالمی منڈی میں کبھی تو طویل المدتی سرمایہ کاری کرتی ہیں، جس کا نفع ان کو دیر میں اور دیر تک ملتا رہتا ہے اور کبھی

---

(۱) الإسلام والعولمة ص:۱۲۵۔

قصیر المدتی سرمایہ کاری کرتی ہیں، دونوں ہی صورتوں میں ان کو زبردست نفع ہاتھ لگتا ہے، جب کہ مقامی صنعت کار منھ تکتے رہ جاتے ہیں، مقامی صنعت کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عالمی کمپنیاں جس ملک میں بھی سرمایہ کاری کرتی ہیں، مغربی حکومتیں اس ملک پر دباؤ ڈال کر، ان کمپنیوں کو سیاسی اور اقتصادی سہولتیں میسر کرا دیتی ہیں، حال آں کہ یہ سہولتیں مقامی صنعت کے حصے میں نہیں آتیں، یہ امتیازی سلوک روزمرہ کے استعمال ہونے والے سامانوں تک میں ہوتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقامی تجارتی ادارے اور صنعت کار، عالمی کمپنیوں کے سامنے ٹک نہیں پاتے اور زبردست خسارے کا سامنا کرتے ہیں۔(۱)

ڈاکٹر ''مجدی قرقر'' کہتے ہیں کہ:

''ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وسعت اور ترقی کی وجہ سے، اقتصادی عالم گیریت کو قدم جمانے کا بہترین موقع ملا ہے، سرمایہ کاری، پروڈکشن نقل وحمل اور تقسیم ومضاربت جیسے سبھی میدانوں میں، یہ کمپنیاں اپنی کارکردگیوں کی وجہ سے، ملکوں کی سیاست اور ثقافت میں بھی اثر انداز ہونے لگی ہیں اور اس راہ سے وہ دیگر ممالک پر مغربی افکار اور نظریات مسلط کرتی ہیں، تاکہ مغربی ممالک کے مفادات کا تحفظ کیا جا سکے، صرف ایک سامان کو بازار میں لانے تک کے عمل میں کئی ممالک کے مزدور پیشہ افراد شریک ہوتے ہیں، کہیں وہ سامان بنتا ہے (خصوصاً ایسی جگہ جہاں مزدور سستی اجرت پر مل جاتے ہیں)، تو کہیں اس کی

---

(۱) رسالہ: البیان، عدد ۱۵۱، مقالہ: طوفان العولمة واقتصادياتنا المسلمة، ص: ۷۲۔

پیکنگ ہوتی ہے اور پھر کہیں جا کر اس کو فروخت کیا جاتا ہے، ایک ایک سامان کے سلسلے میں کئی ممالک کو شریک کرنے اور وہاں اپنے کارخانے کھول دینے کے باعث، یہ کمپنیاں ان ممالک کو بہ آسانی بلیک میل کر سکتی ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق وہاں کی سیاست کا رخ تبدیل کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔(۱)

۱۹ جون ۲۰۰۰ء میں ۱۵ ترقی پذیر افریقی و ایشیائی ممالک کی کانفرنس منعقد ہوئی، اجلاس کے شرکا نے اس بات کا اعتراف کیا کہ جدید عالمی اقتصادیات کا فائدہ ایک چھوٹی سی جماعت ہی کو ہوگا، جس سے اس کی مال داری میں مزید اضافہ ہو جائے گا، جب کہ ترقی پذیر ممالک کی غربت ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھے گی۔ عرب ماہرین اقتصادیات نے شرکائے کانفرنس کے مباحثوں کو مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا ہے:

(الف) حکومت کا اپنی ہی قومی اقتصادیات سے رابطہ ختم ہو جائے گا۔

(ب) ملک کی اقتصادی اکائیوں کی عالم کاری کی جائے گی اور بیرون ملک سے ان کا کنٹرول سنبھالنے کے لیے، ان کا عالمی بازاروں کے ساتھ الحاق کیا جائے گا۔

(ج) غیر ملکی منڈیوں کی جانب سے عربوں کے بازاروں کو سخت نقصان پہنچا کر ختم کر دیا جائے گا۔

(د) مقامی اقتصادیات کو ملکی ترقی کے تقاضے پورا کرنے کے بجائے، عالمی قوانین کے مطابق چلایا جائے گا۔

---

(۱) الإسلام والعولمة، ص:۷۰۔

(۵) عالمی بلاکوں اور مغربی نظریات کے مطابق، مشرق وسطی کے ڈھانچے کی از سرِ نو تشکیل کی جائے گی اور ''مشرق وسطی'' کی اصطلاح جس موجودہ علاقے پر بولی جاتی ہے، اس کو کالعدم قرار دے دیا جائے گا۔(۱)

(۶) گلوبلائزیشن کا ایک مقصد یہ ہے کہ، ترقی پذیر ممالک پر اس طرح اقتصادی ماتحتی تھوپ دی جائے، کہ وہ سالہا سال کی کوششوں کے بعد بھی مغرب ہی کے محتاج رہیں اور ہمیشہ اقتصادی ماتحتی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے رکھیں، اس مقصد کے لیے مغربی کمپنیوں کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ ترقی پذیر ممالک سے خام مال سستے داموں میں خریدتی ہیں، پھر اس کو تیار کر کے انھی ممالک میں مہنگے داموں میں فروخت کر دیتی ہیں، اسی طرح عالم عرب میں پٹرول کے میدان سے تعلق رکھنے والی تمام کمپنیاں مغربی ہیں، جو پٹرول نکالنے سے لے کر اس کی صفائی کرنے، کارآمد بنانے اور اس کو فروخت کرنے تک، تمام مراحل طے کرتی ہیں، جس کے لیے وہ عرب حکومتوں سے بھاری معاوضہ وصول کرتی ہیں، یہی دولت مغربی ممالک پہنچتی ہے، اس سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مغربی ممالک کی طرف سے تیل برآمد کرنے کے اس عمل پر (جو کہ عالم عرب میں ہو رہا ہے) ٹیکس بھی عائد کیا جاتا ہے، اس ٹیکس کو ''کربون ٹیکس'' کہا جاتا ہے، عرب ممالک یہ ٹیکس ادا کرنے کے محض اس وجہ سے پابند ہیں، کیوں کہ تیل برآمد کرنے کے عمل سے مغربی ممالک کی

---

(۱) رسالہ: آفاق عربیة، عدد ۱۱، ص: ۴۰ مقالہ: الاقتصاد العربي في مواجهة تحديات النصف الثاني من عقد التسعينات.

فضا خراب ہوتی ہے۔(۱) حال آں کہ جو تیل عرب ممالک میں برآمد ہوتا ہے، اس کا سب سے زیادہ استعمال یورپ وامریکہ ہی میں ہوتا ہے، جس کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عالم عرب ایک زمانے میں شاہ فیصل مرحوم کی قیادت میں، تیل کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر چکا ہے اور مغرب کی من مانی پر تیل کی پیداوار بند کردینے کی دھمکی دے چکا ہے، جس سے یورپ وامریکہ کے ایوان سیاست لرزہ براندام ہو گئے تھے، آخر کار انھوں نے اس بحران کا حل، شاہ فیصل مرحوم کو شہید کرا کے نکالا۔

مذکورہ بالا مقاصد اگر چہ اپنے الفاظ اور طریق کار کے اعتبار سے مختلف ہیں؛ لیکن معانی اور انجامِ کار کے لحاظ سے ایک ہی ہیں، مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ اقتصادی گلوبلائزیشن کے ذریعے مغرب بالخصوص امریکہ اور اس پر خفیہ حکومت کرنے والے یہودی، یہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اقتصادی اعتبار سے ان کی ماتحت؛ بل کہ ان کی غلام ہو جائے، لوگوں کو وہی لقمہ، حلق سے نیچے اتارنے کی اجازت ہو، جو ان کے سامنے ڈال دیا جائے، پوری زندگی وہ جو کچھ کمائیں، اس سے خود ان کی ذات کو کچھ فائدہ ہو یا نہ ہو؛ لیکن اس کا بڑا حصہ، پہلے ہی سے بدہضمی کا شکار، مغربی صنعت کاروں کے پیٹ میں ضرور پہنچے، غرض یہ کہ عالمی اقتصادیات پر قبضہ کر لینے ہی کی خاطر، عالم گیریوں نے اقتصادی گلوبلائزیشن اور اس کی بنیاد "سرمایہ دارانہ نظام" کو ساری دنیا میں رائج کرنے کے لیے، مختلف طریقے اپنائے اور طرح طرح کی پالیسیاں

---

(۱) العولمة وقضايا العصر، از سید دسوقی حسن http://www.islamway.com

بنائیں، معاہدے ہوئے، تنظیمیں بنیں، کانفرنسیں ہوئیں، سب کچھ اسی لیے ہوا کہ دنیا کی دولت کا رخ مغرب کی طرف ہو جائے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اسباب وعوامل کیا ہیں، جو اقتصادی عالم گیریت کو نافذ العمل بنانے میں کارفرما ثابت ہوئے؟ کس راہ پر چل کر اس کے لیے میدان صاف کیا گیا؟ اور کیسے مختلف ممالک کو مجبور کیا گیا کہ وہ اقتصادی عالم گیریت کے سانچے میں ڈھل جائیں؟ ذیل میں انھی سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

گاٹ معاہدہ.. اقتصادی گلوبلائزیشن کے لیے عملی کوشش

سیاسی گلوبلائزیشن کی طرح اقتصادی گلوبلائزیشن کے لیے بھی، تقریباً نصف صدی پہلے ہی کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا، واشنگٹن کے خفیہ حکم راں عالمی دولت کو اپنے قبضے میں لینے کے لیے، اپنے دانش وروں اور منصوبہ سازوں کے منصوبوں پر عمل کرنے کا آغاز کر چکے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب ہر ملک کی اقتصادیات، وہاں کی حکومت کے تابع ہوا کرتی تھی اور یہی چیز اقتصادی عالم گیریت کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھی، کیوں کہ اقتصادی میدان میں یہ تحریک اسی وقت کارگر ثابت ہو سکتی تھی، جس وقت حکومتوں کا اقتصادیات سے تعلق ختم کر دیا جاتا اور اس میدان کو ہر شخص کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا، جس کو دوسرے الفاظ میں ''اقتصادی آزادی'' سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لیے عالم گیریت کے منصوبہ سازوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کس طرح اقتصادیات سے حکومتوں کی سرپرستی کو ختم کیا جائے؟

اس مقصد کے لیے انھوں نے حکومت ہی کا استعمال کیا، امریکہ اور وہ ممالک جو دوسری جنگ عظیم میں فتح حاصل کر چکے تھے، اس وقت ایسی پوزیشن میں تھے کہ، دنیا کے رخ کو جس طرف چاہے موڑ سکتے تھے، اس لیے عالم گیریوں نے سب سے پہلے انھی ممالک کی حکومتوں پر شب خون مارا اور ان کے انتظامی امور پر حاوی ہونے کے بعد، انھوں نے دیگر ممالک کی حکومتوں کو اپنی پالیسیوں کے تابع بنانا شروع کر دیا، اقتصادی میدان سے حکومتوں کی سرپرستی کا خاتمہ کرنا کیوں کہ ایک سنگین مسئلہ تھا، اس لیے انھوں نے امریکی حکومت کے ذریعے ۱۹۴۸ء میں ایک معاہدے کے عمل کا آغاز کروایا، جو ''GATT'' (گاٹ) معاہدے کے نام سے مشہور ہوا اور تقریباً نصف صدی تک مختلف ممالک کے درمیان، مذاکرات کے بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد، دسمبر ۱۹۹۳ء میں اس معاہدے کے آخری فارمولے پر اتفاق ہوا، چوں کہ یہ مذاکرات معاہدے سے تعلق رکھنے والے مختلف ممالک میں ہوئے تھے، اس لیے، اسی ملک یا شہر کے نام سے مذاکرات مشہور بھی ہوئے اور ان مذاکرات کو Rounds (راؤنڈز) کا نام دیا گیا۔(۱)

''گاٹ'' معاہدے میں اس سفر کے دوران، جو تقریباً ۵۰ سال پر محیط ہے، کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان تبدیلیوں میں مختلف ممالک میں ہونے والے مذاکرات نے اہم کردار ادا کیا، یہ راؤنڈس (Rounds) ممبران ممالک کے درمیان، ہر دس سال میں ہوا کرتے تھے، ان کا مقصد یہ تھا کہ معاہدے

---

(۱) امریکا المستبدة، الولایات المتحدة وسیاسة السیطرة علی العالم، ص:۸۱۔

سے متعلق ایک دوسرے کی تجویزیں سنی جائیں، نیز معاہدے کی شقوں میں ان سامانوں کو بھی شامل کیا جائے، جو پہلے شامل نہ تھے، نصف صدی کے اس سفر میں تقریباً ۸ راؤنڈس ہوئے ان میں ۳ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کینڈی راؤنڈ، (۱۹۶۴ء۔۱۹۶۷ء) ٹوکیو راؤنڈ (۱۹۷۳ء۔۱۹۷۹ء) اور روگوائے راؤنڈ (۱۹۸۶ء۔۱۹۹۳ء) (۱)

گاٹ معاہدے کا مقصد

''گاٹ معاہدہ'' اگر چہ گلوبلائزیشن کی راہ ہموار کرنے کے لیے عمل میں آیا تھا؛ لیکن یہ اس زمانے میں سامنے آیا، جب یورپ کی اقتصادی حالت امریکہ سے بہتر تھی، اور یہودی مفکرین اور منصوبہ ساز، اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، امریکہ کو سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے طاقت ور دیکھنا چاہتے تھے، جس کے لیے یہ ضروری تھا کہ امریکہ کو اقتصادی میدان میں یورپ پر برتری حاصل ہو، اس لیے اس معاہدے کے ذریعے ایسے طریقے اختیار کیے گئے، جن سے یورپ کی بہ نسبت امریکہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور اس معاہدے پر دستخط کرنے والے سبھی ممالک اقتصادی میدان میں، اسی راستے پر چلیں، جو امریکیوں نے ان کے لیے متعین کیا تھا۔

بہ ظاہر گاٹ معاہدے کا مقصد عالمی تجارت کو ان پابندیوں سے آزاد کرنا تھا، جو جنگ کے بعد عائد کی گئی تھی، اس کے لیے یہ راستہ اختیار کیا گیا

---

(۱) منظمة التجارة العالمية ص:۳۸۔

کہ معاہدے میں شامل ممالک کے، ایک دوسرے کے ساتھ تجارت کرنے کی صورت میں، کسٹم ڈیوٹی بہت حد تک کم کردی گئی، نیز ہر ملک کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ معاہدے میں شریک کسی دوسرے ملک کو ''پسندیدہ تجارتی ملک'' قرار دے کر، خصوصی رعایتوں کے ساتھ، وہاں تجارت کرسکتا ہے۔ یہ اور اس کے علاوہ دیگر طریق ہائے عمل کا مقصد یہی تھا کہ عالمی تجارت کو فروغ دیا جائے اور اس کو تمام پابندیوں سے آزاد کردیا جائے، تاکہ کمپنیاں جس ملک میں بھی چاہیں آزادانہ تجارت کرسکیں، چناں چہ اس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۹۴۸ء میں معاہدے کے بعد، ممبران ممالک کے درمیان، مختلف سامانوں پر تقریباً ۴۸ فی صد کسٹم ڈیوٹی لگائی جاتی تھی، ساتویں دہائی کے آغاز میں یہ تناسب گھٹ کر ۶٪ اور ۸ فی صد کے درمیان رہ گیا، جب کہ ٹوکیو راؤنڈ کے بعد، یورپی ممالک کے درمیان، کسٹم ڈیوٹی کسی بھی سامان پر ۶ فی صد، جاپان میں ۵ء۴ فی صد اور امریکہ میں ۹ء۴ فی صد لگائی جانے لگی، گویا ۱۹۴۸ء میں کسی بھی سامان کی قیمت کا ۴۸ فی صد، اس ملک کی حکومت کو بہ طور ٹیکس دینا پڑتا تھا، جہاں وہ سامان فروخت کیا جارہا ہے؛ لیکن چند سالوں کے بعد اس سامان پر صرف ۴٪ سے ۶ فی صد ہی ٹیکس ادا کرنے پر اتفاق ہوگیا، جس سے کمپنیوں کے حوصلے بڑھے اور وہ عالمی تجارت کے میدان میں کود پڑیں۔(۱)

غرض یہ کہ ''گاٹ'' معاہدے سے ان ممالک کے درمیان آزادانہ تجارت کو فروغ ملا، جو اس معاہدے میں شریک تھے، گلوبلائزیشن کے پالیسی

---

(۱) منظمة التجارة العالمية ص:۴۹ و ص:۵۰۔

ساز اداروں کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی تھی، کیوں کہ اس معاہدے نے اقتصادیات میں، حکومتوں کا عمل دخل بہت حد تک کم کر دیا تھا، اور اس بات کو یقینی بنا دیا تھا کہ کسی بھی سامان کو فروخت کرنے والی کمپنی ہی کو، سامان کے بکنے سے، زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو، معاہدہ کرنے والوں کو اس بات سے غرض نہیں تھی کہ کسٹم ڈیوٹی میں زبردست کمی کرنے کے بعد حکومت کو جو نقصان ہوگا، اس کا ازالہ کیسے کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ عوام کے ٹیکس میں اضافہ کر کے اس نقصان سے بچا جا سکتا ہے، لہذا ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی عوام ہی کو عالمی تجارت کے فروغ کی قیمت چکانی پڑی، بازار سے اگر کوئی سامان خریدیں، تو اس کی قیمت غیر ملکی صنعت کاروں کی جیب میں جانے لگی، حکومت سے مراعات حاصل کیں، تو بھاری ٹیکس کے بوجھ تلے دبنے لگے؛ لیکن عوام کی مشکلات سے بے پرواہ ''گاٹ'' معاہدے نے اپنے مقصد کو پورا کر دیا اور عالمی تجارت کو مختلف پابندیوں سے آزاد کر دیا۔

گاٹ معاہدے کے اہم اصول

(۱) اصولِ عدمِ امتیاز:

اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ معاہدے میں شریک تمام ممالک، ایک دوسرے کے بنائے ہوئے سامانوں کو وہی حیثیت دیں، جو اپنی مقامی مصنوعات کو دیتے ہیں، لہذا مقامی مصنوعات پر جتنا ٹیکس لگتا ہے، اتنا ہی ٹیکس غیر ملکی مصنوعات پر عائد کیا جائے، جو قوانین مقامی اشیا پر لاگو ہوں، وہی

قوانین بیرونی اشیا پر بھی لاگو ہوں، مزید برآں اس اصول کے تحت معاہدہ کنندگان ممالک کو یہ بھی اجازت تھی کہ وہ کسی بھی ملک کو ''بہترین تجارتی ملک'' قرار دے کر، اپنی منڈی اس کے لیے کھول دیں اور اس کے بازار کے دروازے اپنے لیے کھلوالیں۔

(۲) کمیاتی قیود کے خاتمے کا اصول:

اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ، کسی بھی معاہدہ کنندہ ملک کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے ملک سے آنے والی مصنوعات کی مقدار متعین کرے؛ بل کہ جو ملک جتنی مقدار میں بھی مصنوعات دوسرے ملک میں ایکسپورٹ کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

اس اصول کا فائدہ ان ممالک کو ہوا، جن کے یہاں بڑی تعداد میں مصنوعات کی پیداوار ہوتی ہے، کہ اپنے ملک میں کھپت کے بعد، وہ دوسرے ملکوں میں بھی ایکسپورٹ کرسکتے ہیں، اور مقدار کی تحدید نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے ممالک کی مقامی مصنوعات پر، اپنی اشیا کو غالب کرسکتے ہیں، جن ممالک میں پیداوار کم ہوتی ہے، وہاں کے باشندے غیر ملکی اشیا خریدنے پر مجبور رہتے ہیں، جس سے مقامی مصنوعات کو سخت نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۳) کسٹم ڈیوٹی میں کمی کا اصول:

اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ معاہدے میں شریک ممالک، غیر ملکی مصنوعات پر لگنے والی کسٹم ڈیوٹی میں کمی لائیں، تا کہ عالمی تجارت کو فروغ حاصل ہو اور مقامی مصنوعات کے مقابلے، غیر ملکی اشیا کی قیمت زیادہ ٹیکس

دینے کی وجہ سے بڑھی ہوئی نہ ہو۔

(۴) حکومت کی عدم مداخلت کا اصول:

اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ ممبران ممالک، ایکسپورٹ ہونے والی مصنوعات کی بلاواسطہ طور پر مالی امداد نہ کریں، گویا معاہدہ اس بات کا متقاضی ہے کہ مصنوعات کے سلسلے میں ہونے والی مقابلہ آرائی حکومتوں یا حکومت اور کمپنی کے درمیان نہ ہو؛ بل کہ مختلف کمپنیوں کے درمیان ہو، اس لیے کہ حکومت اپنے غیر محدود وسائل کو بہ روے کار لاکر کسی بھی غیر ملکی کمپنی پر غالب آسکتی ہے۔(۱)

ان سبھی اصولوں کا حاصل یہی ہے کہ عالمی تجارت کو اس طرح فروغ دیا جائے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے لیے، ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والی کمپنیوں کا ہی اس میں اصل کردار ہو۔ جو کمپنی بازار میں اچھی سے اچھی اشیا پیش کرے، وہی غالب رہے اور جو مقابلہ آرائی میں پیچھے رہ جائے، اس کا بازار سے صفایا ہو جائے، اس اسٹراٹیجی کو ترتیب دینے کے بعد، صہیونی اور امریکی طاقتیں اپنی کمپنیوں کو مضبوط بنانے اور ان کو وسعت دینے میں لگ گئیں، تاکہ ان کی کمپنیاں ساری دنیا کے بازاروں میں عمدہ تجارتی کارکردگی سے، عالمی اقتصاد پر قابو پالیں؛ لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا، جب کہ ہر ملک کا بازار ان کے لیے کھلا ہوا ہو، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ''گاٹ'' معاہدے میں ایسے اصول وضوابط مقرر کرائے گئے، جن سے امریکی اور مغربی

---

(۱) رسالہ: البیان عدد ۱۷۰، ص:۴۸۔

کمپنیاں اپنے ممالک کے مفادات کا پورا پورا تحفظ کر سکیں۔

گاٹ معاہدے کے نتائج

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ صہیونی دانش ور یورپ کے مقابلے میں، امریکہ کو طاقت ور دیکھنا چاہتے تھے، جس کے لیے یہ ضروری تھا کہ یورپ کی اقتصاد کو لگام دی جائے اور امریکہ کی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کیے جائیں، ''گاٹ'' معاہدہ بھی چوں کہ اسی کوشش کی ایک کڑی تھی، اس لیے امریکہ کی اقتصادی حالت میں استحکام ناگزیر تھا۔

''گاٹ'' معاہدے کے نتیجے میں چوں کہ ہر ملک دوسرے ملک میں آزادانہ تجارت کر سکتا تھا، اس لیے امریکیوں نے ہر میدان اور ہر تجارتی سیکٹر میں، اپنی مصنوعات کو عالمی بازاروں میں اتار دیا، نتیجتاً یورپی کمپنیوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑا، ۱۹۹۱ء و ۱۹۹۲ء میں یورپ کو تیل اور دیگر غلہ جات کی پیداوار کو کم کرنے پر مجبور ہونا پڑا، اس لیے کہ یورپی ممالک میں پیدا ہونے والے غلّے کی کھپت کم ہوگئی تھی، جب کہ امریکہ نے مذکورہ اشیا کی پیداوار میں زبردست اضافہ کیا اور زراعتی میدان میں یورپ پر غلبہ حاصل کر لیا؛ بل کہ امریکیوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر، اپنے غلّے کو یورپی ممالک میں بھی ایکسپورٹ کیا اور نفع کے ساتھ ساتھ اپنے مویشیوں کے لیے یورپ سے چارہ حاصل کیا، جس کو کسی بھی قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا، امریکیوں نے زراعتی میدان میں اپنی پیداوار میں اضافہ اس زمانے میں کیا، جب کہ وہ

گیہوں کی عالمی مارکیٹ کے ۵۰ فی صد حصے پر قابض تھے اور یورپی ممالک کے زیر اثر صرف ۲۰ فی صد حصہ تھا؛ لیکن اس کے باوجود امریکیوں کی ہوس میں کوئی کمی نہ آئی اورنھوں نے یورپ کو پیداوار میں کمی لانے پر مجبور کردیا، کیوں کہ امریکی یہ چاہتے تھے کہ غذائی اجناس کی عالمی منڈی پر صرف انھی کا تسلط ہو، کسی دوسرے ملک کی شرکت انھیں قطعاً برداشت نہ تھی، گاٹ معاہدے کے نتیجے میں امریکہ کو یورپ پر تفوق حاصل تھا، اس کی وجہ سے امریکی کمپنیوں نے خود یورپ میں مقامی کمپنیوں کو مغلوب کردیا تھا اور یورپ اقتصادی میدان میں امریکہ کا مرہون منت ہوچکا تھا، حتی کہ ۱۹۶۲ء ہی سے یورپ کو بہت سی امریکی مصنوعات اور پیداوار پر سے، کسٹم ڈیوٹی کو بالکلیہ طور پر ختم کرنا پڑا، ان زرعی پیداواروں میں ''سویا بین'' سرفہرست ہے، جس کو سالہا سال سے امریکی کمپنیاں، یورپ میں بغیر کسی کسٹم ڈیوٹی کے ایکسپورٹ کرتی آرہی ہیں۔

۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۷ء میں یورپ کے زرعی میدان میں کچھ سدھار آیا، غلہ جات کی پیداوار کے تناسب میں قدرے اضافہ ہوا، گیہوں، چاول اور جو کی پیداوار زیادہ ہونے لگی؛ لیکن اس کے باوجود آج بھی امریکہ دنیا میں ۱۶،۳ فی صد غلہ جات اور ۱۰،۷ فی صد گیہوں کی پیداوار کرتا ہے، جب کہ یورپ میں ۵ فی صد دیگر غلہ جات اور ۶،۱ فی صد گیہوں کی پیداوار ہوتی ہے۔

چند ایسے تجارتی سیکٹر ہیں، جن پر امریکی، عالمی منڈی کے حوالے سے اپنا مکمل کنٹرول قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ مخصوص تجارتی

سیکٹروں کی عالمی منڈی میں صرف انھی کی دوکان لگے، کوئی دوسرا ان کا شریک نہ ہو، ساری دنیا میں جہاں بھی ان اشیا کی ضرورت ہو، ادارے اور حکومتیں انھی کا رخ کریں، ایسے تجارتی سیکٹروں میں فولاد، گاڑیاں، سفری و جنگی جہاز، کیمیا، الیکٹرانک، صنعتی آلات اور کپڑا شامل ہیں، امریکیوں کی اس خواہش کو ''گاٹ'' معاہدے نے تکمیل کے بہت قریب کردیا ہے، مذکورہ تجارتی میدانوں میں، امریکی کمپنیوں کے حریفوں کی تعداد روبہ زوال ہے، جب کہ امریکی کمپنیاں مسلسل وسیع سے وسیع تر ہورہی ہیں، امریکی حکومت بھی ان کمپنیوں کی دل کھول کر مدد کررہی ہے، تاکہ بھاری مالی معاونت اور اپنے مفادات کے مطابق بنے ہوئے قوانین کے ذریعے، ان کی اجارہ داری قائم ہوسکے، چناں چہ ہوائی جہاز بنانے والی امریکی کمپنی کو حکومت نے ۲۰ ارب ڈالر کی گرانٹ دی ہے، اسی طرح دوسری جہاز ساز کمپنی کو عسکری معاہدے کے تحت ۳۳ سے ۴۰ ارب ڈالر کی مدد دی گئی۔

۱۹۹۳ء میں بل کلنٹن انتظامیہ نے ایسی کمپنیوں کی امداد کی تھی، جو عالمی پیمانے پر تجارت کرتی ہیں اور سخت مقابلے (کمپیٹیشن) سے پریشان تھیں، کلنٹن انتظامیہ کی اس امداد کو، ان کے ترجمان ''مکی کینٹر'' نے ''امریکی ملازمین کی صورت حال بہتر بنانے'' کا نام دیا، حال آں کہ حکومت کی طرف سے کی جانے والی اس بھاری مدد کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا، کہ امریکی ملٹی نیشنل کمپنیاں بہتر سے بہتر مصنوعات تیار کریں اور عالمی منڈی میں اپنی مقابل کمپنیوں کو شکست دے کر امریکی اجارہ داری قائم کرلیں، امریکی

انتظامیہ کی جانب سے پیہم امداد کا ہی نتیجہ ہے کہ آج جہاز سازی کے میدان میں امریکہ کی حصے داری ۷۰ فی صد ہے، جب کہ جنگی جہاز سازی میں تو امریکہ کے مقابلے میں کوئی بھی ایسا ملک نہیں ہے، جس کے پاس جنگی جہازوں کے عالمی بازار میں قابل ذکر حصے داری ہو۔(۱)

مذکورہ بالا اعداد وشمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''GATT'' معاہدے کے ذریعے، سب سے زیادہ امریکی مفادات کا تحفظ کیا گیا ہے، اگرچہ آزادانہ تجارت کی وجہ سے یورپ کو بھی کچھ کم فائدہ نہیں ہوا؛ لیکن تجارتی میدان میں امریکی بالا دستی بہ ہر حال قائم ہوگئی، گلوبلائزیشن بھی اقتصادی میدان میں آزادانہ تجارت کا علم بردار ہے، اس لیے ''گاٹ'' معاہدہ اقتصادی گلوبلائزیشن کے لیے بھی ایک بنیاد ثابت ہوا، کیوں کہ ''گاٹ'' معاہدے نے بین الاقوامی سطح پر، آزاد تجارت کی راہ میں حائل ہونے والی ایسی بیشتر رکاوٹوں کو ختم کر دیا، جن کے ہوتے ہوئے اقتصادی گلوبلائزیشن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عالمی نقدی نظام

عالمی نقدی نظام دراصل کسی متعین نظام کا نام نہیں ہے؛ بل کہ اس کا تعلق ہر زمانے میں رائج نظام تبادلہ سے ہے؛ لیکن گزشتہ صدی کے وسط میں یہ لفظ ایک خاص نظام کے لیے بولا جانے لگا، اس نظام کے بارے میں اجمالاً

(۱) امریکا المستبدة الخ، ص:۸۲و ص:۸۳۔

صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے امریکی کرنسی ''ڈالر'' کو جتنی مضبوطی اور قوت حاصل ہوئی، اس کا اثر آج تک باقی ہے، اسی نظام کے نتیجے میں ''ڈالر'' عالمی کرنسی بنی اور ساری دنیا اسی کرنسی میں لین دین کرنے لگی، ڈالر کے اسی پائیدار استحکام کی وجہ سے، امریکی معیشت ہمیشہ مضبوط رہی، کیوں کہ دنیا میں کسی بھی ملک نے، دوسرے ملک کے ساتھ جب بھی لین دین کیا، تو اس معاملے کے ''ڈالرز'' میں ہونے کی وجہ سے، امریکہ کو بھی فائدہ ہوا، جس سے اس کی معیشت میں زبردست استحکام آیا۔

یوں تو ابتدائی زمانے میں لوگوں کے درمیان سامان کے بدلے سامان کی بیع کا طریقہ رائج تھا، جس کو BARTER اور عربی میں ''مقایضہ'' کہا جاتا ہے؛ لیکن اس طریقۂ کار میں بے حد پریشانیاں تھیں، اس لیے چند اہم اشیا کو ثمن قرار دیا گیا، جیسے ''چمڑا'' اور ''گیہوں'' وغیرہ؛ لیکن بعد میں دشواریوں کے پیش نظر سونے اور چاندی کو عالمی سطح پر ثمن قرار دیا گیا، سکّے وجود میں آئے اور ان کے ذریعے بیع وشرا ہونے لگی، اس کے بعد ایک دور ایسا آیا کہ لوگ صرّافوں کے پاس سونے، چاندی کے سکّے بہ طور امانت رکھوا دیتے اور صرّاف ان کو وثیقے کے طور پر رسید لکھ دیتے، بوقت ضرورت رسید دکھا کر صرّاف سے سونا واپس لیا جا سکتا تھا، پھر رفتہ رفتہ لوگوں نے صرّافوں کی دی ہوئی رسیدوں کے ذریعے ہی بیع وشرا کے معاملات شروع کر دیے، اس طرح یہ رسیدیں ''نوٹ'' کی شکل اختیار کر گئیں، یوں ہر ملک کی کرنسی کے پیچھے ''سونا'' ہوا کرتا تھا؛ لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد، دنیا کا اقتصادی نظام درہم

برہم ہوا، پھر ۱۹۲۰ء میں عالمی سطح پر کساد بازاری ہوئی اور تمام ممالک نے نوٹ پر سونا دینا بند کر دیا، آخر کار دوسری جنگ عظیم کے بعد، انگلینڈ اور یورپ کے دیگر ممالک کی اقتصادی حالت تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی؛ لیکن اس وقت امریکہ اقتصادی اعتبار سے مستحکم تھا اور اس کے پاس ''سونے'' کے ذخائر وافر مقدار میں موجود تھے، اس لیے امریکہ کے تعاون سے یورپ کی اقتصادی ترقی کے لیے، امریکہ کے شہر ''بریٹن ووڈز'' (Bretton Woods) میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی، یہ کانفرنس ۱۹۴۴ء میں منعقد ہوئی، اس کے مقاصد میں عالمی تجارت کو فروغ دینا اور نیا عالمی نظام زر تشکیل دینا تھا۔(۱)

بریٹن ووڈز کا نیا نظام زر

۱۹۳۱ء میں طلائی نظام تو ختم ہو چکا تھا، ''بریٹن ووڈز'' کی اس کانفرنس میں شرح مبادلہ کا ایک نیا نظام طے پایا، جو (Brettonwoods System of Exchange Rate) کے نام سے مشہور ہوا، اس کا حاصل یہ ہے کہ اب بھی کرنسی کی قدر کا پیمانہ تو بنیادی طور پر ''سونا'' ہی رہا، مگر ہر ملک کی کرنسی پر سونا نہیں ملتا تھا؛ بل کہ اب بین الاقوامی تجارت میں آلۂ تبادلہ ''ڈالر'' کو قرار دیا گیا، امریکن کرنسی ''ڈالر'' کو سونے سے وابستہ کر دیا گیا، اس لیے کہ امریکہ کی حالت مستحکم تھی اور وہ ڈالر پر سونا دینے کو تیار تھا، چناں چہ ابتداءً ایک اونس ''سونے'' کے مقابلے میں ۳۵ ڈالر ہوتے تھے، بعد میں امریکہ نے ڈالر کی

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص:۹۶۔

قیمت بڑھادی، جس کی وجہ سے ۴۴ ڈالر پر ایک ''اونس'' سونا ملنے لگا، کسی بھی ملک کا مرکزی بنک امریکہ کو ڈالر دے کر، اس سے سونا لے سکتا تھا؛ لیکن عملی طور پر کوئی ایسا نہیں کرتا تھا؛ بل کہ سبھی ممالک ڈالرز میں ہی لین دین کرتے تھے، اس طرح ڈالر سونے سے وابستہ تھا اور بقیہ تمام ممالک کی کرنسیاں ڈالر سے وابستہ۔

یوں ''بریٹن ووڈز'' کانفرنس نے امریکی کرنسی کو ایک عالمی کرنسی میں تبدیل کردیا، امریکی خفیہ منصوبہ سازوں کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان کی کرنسی کو عالمی کرنسی کی حیثیت حاصل ہوجائے، تاکہ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والی تجارت سے کسی کو فائدہ ہو یا نہ ہو؛ لیکن امریکہ کو ضرور ہو، لہٰذا جب اس کانفرنس سے مقصد حاصل ہوگیا، تو ''بریٹن ووڈز'' نظام کا خاتمہ کردیا گیا۔

مذکورہ بالا نظام کا مدار اس بات پر تھا کہ کوئی متمول ملک، اپنی کرنسی پر سونا دینے کے لیے تیار ہو، چناں چہ اس وقت امریکہ اس کے لیے تیار تھا کہ ڈالر کے بدلے سونا دے، مگر عملی طور پر امریکہ سے کوئی سونے کا مطالبہ نہیں کرتا تھا، البتہ فرانس نے امریکہ سے ڈالر پر سونے کا مطالبہ شروع کیا، جس سے فرانس اور امریکہ کے حالات بھی سازگار نہ رہے، امریکہ کے پاس سونے کا ذخیرہ کم ہونے لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے ''سونا'' دینے سے انکار کردیا، اور ''بریٹن ووڈز'' نظام کا خاتمہ ہوگیا؛ (۱) لیکن چوں کہ اس کا اصل مقصد ''ڈالرز'' کو عالمی کرنسی کی حیثیت دینا تھا، جو اس کانفرنس کے ذریعے

---

(۱) ایضاً ص:۱۰۲۔

پورا ہوا اور ''بریٹن ووڈز'' نظام کے خاتمے کے باوجود آج بھی ڈالر کو وہی حیثیت حاصل ہے، اس سے بہ خوبی اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ جدید عالمی نظامِ زر کا حقیقی مقصد دراصل اقتصادی میدان میں امریکی قیادت تسلیم کرانا اور امریکہ کی بالادستی قائم کرنا تھا۔ امریکہ کے نزدیک ڈالر کی اجارہ داری کس قدر اہمیت کی حامل ہے، اس کا اندازا یوں لگایا جاسکتا ہے کہ تبصرہ نگاروں نے ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکی حملے اور قبضے کا ایک سبب یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صدام حسین وہ پہلا شخص ہے، جس نے تیل کو کو ڈالر کے بجائے یورپی کرنسی ''یورو'' کے بدلے فروخت کرنا شروع کیا تھا، صدام حسین کے اسی اقدام سے اچانک ڈالر کے مقابلے میں ''یورو'' کی قدر میں اضافہ ہو گیا، امریکہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر تیل پیدا کرنے والے دیگر ممالک بھی عراق کے نقشِ قدم پر چلے، تو ڈالر کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی اور اس کے بجائے ''یورو'' عالمی کرنسی بن جائے گا، لہذا عراق پر حملے کا منصوبہ بنا اور جراثیمی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر عراق پر قبضہ کرلیا گیا اور صدام حسین کی حکومت کا تختہ پلٹ دیا گیا، تاکہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''

''بریٹن ووڈز'' کانفرنس میں چوں کہ آزادانہ تجارت اور اقتصادی ترقی پر زور دیا گیا، اس لیے ''بریٹن ووڈز'' کانفرنس میں ۲ اداروں کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، جن کے زیرِ سایہ عالمی تجارت کو فروغ دیا جاسکے اور اقتصادی گلوبلائزیشن کے لیے راہ ہموار کی جاسکے، ان اداروں میں پہلا ادارہ انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) ہے، جب کہ دوسرا ''ورلڈ بنک'' ہے، امریکہ نے جس

طرح سیاسی میدان میں اولاً لیگ آف نیشنز اور ثانیاً اقوام متحدہ کا استحصال کیا، اسی طرح اقتصادی میدان میں بھی اس نے اپنی پالیسیوں کو پوری دنیا پر تھوپنے کی غرض سے، ان دونوں اداروں پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیا، ذیل میں دونوں اداروں کا مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے۔

عالمی مالیاتی فنڈ

''بریٹن ووڈز'' کانفرنس میں اس ادارے کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا؛ لیکن یہ چار سال بعد ۱۹۴۸ء میں قائم ہوا، اسی کو انگلش میں (International Monetary Fund) اور عربی میں ''صندوق النقد الدولي'' کہا جاتا ہے، آسانی کے لیے ''آئی ایم ایف'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہر ملک میں کئی بنکوں کا، جس طرح ایک مرکزی بنک ہوتا ہے، ایسے ہی کئی ممالک کے سینٹرل بنکوں کا مرکزی بنک یہ ادارہ ہے، گویا یہ پوری دنیا کا ایک مرکزی بنک ہے، جو وقتی ادائیگیوں کے لیے ملکوں کو قلیل المیعاد قرضے دیتا ہے، یہ ادارہ کسی بھی ملک کی کرنسی کے اتار چڑھاؤ پر بھی اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس ادارے میں ہر ملک کا ایک ''کوٹا'' ہوتا ہے، جو اس ملک کی تجارت کا، عالمی تجارت کے ساتھ تناسب دیکھ کر طے کیا جاتا ہے، عالمی تجارت مثلاً ایک ارب ڈالر کی ہوئی، جس میں اس ملک کی حصے داری ۵ کروڑ ڈالر کی ہے، تو اس ملک کا کوٹا ۵ فی صد ہوگا، ''آئی ایم ایف'' کے اس ضابطے سے یہ اندازا بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ، اس کا مقصد عالمی تجارت اور آزادانہ اقتصادی نظام کو

فروغ دینا ہے، کیوں کہ جب تک کوئی ملک عالمی تجارت میں سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق حصہ نہیں لے گا، یہ ادارہ اس کو قرض فراہم نہیں کرے گا، اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ادارہ بھی گلوبلائزیشن کا بہت بڑا نقیب ہے۔

مزید برآں ''آئی ایم ایف'' اگرچہ ایک عالمی ادارہ ہے؛ لیکن حقیقتاً یہ نیم امریکی بھی ہے اور اس کی ذمے داری ہے کہ کسی نہ کسی طرح دنیا میں امریکی اجارہ داری کی حفاظت کرے، چناں چہ ''IMF'' میں تقریباً ۱۴۰ ممبران ہیں، ادارے کی پالیسیاں ووٹنگ سے طے ہوتی ہیں؛ لیکن ووٹنگ تعداد کی بنیاد پر نہیں؛ بل کہ ''کوٹے'' کی بنیاد پر ہوتی ہے، جس کا کوٹا زیادہ ہے، اس کے ووٹ بھی زیادہ ہیں، لہٰذا اس ادارے میں امریکہ ۲۳ فی صد ووٹ کا حق دار ہے اور اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی طرح، اس کو ویٹو پاور بھی حاصل ہے، اس لیے IMF. میں پیش کردہ کوئی بھی ایجنڈا، اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا، جب تک وہ امریکہ کے سیاسی یا اقتصادی مفادات کے مطابق نہ ہو، کسی بھی ملک کو ''آئی ایم ایف'' کے ذریعے اسی وقت قرض دیا جا سکتا ہے، جب اس کو قرض دیا جانا امریکی مفادات سے نہ ٹکراتا ہو، بہ صورت دیگر اس ملک کو قرض فراہم نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ یہ ادارہ کیوں کہ کسی بھی ملک کی کرنسی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے اس ادارے کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی شامل ہے کہ ''ڈالر'' کی پوزیشن کی حفاظت کی جائے اور اس کی قدر کو کسی بھی صورت میں گرنے نہ دیا جائے، چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ گزشتہ چند سالوں

میں امریکی اقتصادیات کو زبردست خسارہ لاحق ہونے کے باوجود، ''ڈالر'' کی قدر میں قابلِ ذکر تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے، یہ صورتِ حال اسی ادارے کی کارفرمائی ہے، دوسرا سب سے بڑا فائدہ اس ادارے سے امریکہ کو یہ حاصل ہوا کہ ''آئی ایم ایف'' کے ''ڈالرز'' میں تمام معاملات کرنے کی بنا پر امریکی کرنسی، ایک پائیدار عالمی کرنسی بن گئی، چناں چہ ۱۹۷۸ء میں اس ادارے نے ہر ملک کے مرکزی بینک کو براہِ راست ''ڈالر'' میں لین دین کرنے کی اجازت دے دی۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ گلوبلائزیشن امریکہ کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اس لیے امریکی اجارہ داری اور تسلط کو ساری دنیا میں اقتصادیات کی راہ سے رواج دینے کے حوالے سے، یہ ادارہ عالم گیریت کا ایک اہم ستون ہے۔(۱)

عالمی بینک

''بریٹن ووڈز'' کانفرنس میں جس دوسرے ادارے کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا تھا، اس کا نام (International Bank For Reconstruction and Development) تھا، جس کو ''I.B.R.D.'' بھی کہتے ہیں، عربی میں اس ادارے کو ''البنك الدولي للإنشاء والتعمير'' کہا جاتا ہے، آسانی کے لیے مختصر نام World Bank (ورلڈ بینک) ہے، اس ادارے کا مقصد،

(۱) أمريكا المستبدة ص:۶۵۔

ممبران ممالک کو اقتصادی ترقی کے مواقع فراہم کرنا ہے؛ لیکن حقیقتاً یہ ادارہ بھی ''آئی ایم ایف'' کی طرح قومی اور ملکی اقتصاد کو عالمی اقتصاد میں تبدیل کرنے پر کاربند ہے، جس طرح ''آئی ایم ایف'' گلوبلائزیشن کے لیے آزادانہ تجارت کو فروغ دینے کا داعی ہے، اسی طرح ورلڈ بنک بھی آزادانہ تجارت کا علم بردار ہے، فرق اتنا ہے کہ ''آئی ایم ایف'' کے منصوبے، جلد عملی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جب کہ ورلڈ بنک کے منصوبے طویل المدتی ہوتے ہیں، ''آئی ایم ایف'' قلیل المیعاد قرضے دیتا ہے، جس کی مدت ۳ سے ۵ سال تک ہوتی ہے اور ورلڈ بنک طویل المیعاد قرضے دیتا ہے، جس کی مدت ۱۵ سے ۳۰ سال تک ہوتی ہے، ابتداءً اس ادارے نے مختلف پراجکٹس کے لیے قرضے دیے، جیسے سڑکیں اور شاہ راہیں وغیرہ بنانا، پھر ۱۹۶۰ء کے بعد عمومی قرضے دینے بھی شروع کر دیے۔ (۱)

''آئی ایم ایف'' کی طرح اس ادارے کی پالیسیاں بھی، ممبران کی ووٹنگ کے ذریعے طے کی جاتی ہیں؛ لیکن دراصل وہ پالیسیاں امریکہ کی مرضی کے مطابق ترتیب دی جاتی ہیں، اس لیے کہ ''ووٹنگ'' ممبران کی تعداد کے اعتبار سے نہیں ہوتی؛ بل کہ ''کوٹے'' کے لحاظ سے ہوتی ہے، جس طرح امریکہ کا ''کوٹا'' ''آئی ایم ایف'' میں سب سے زیادہ ہے، اسی طرح ''ورلڈ بنک'' میں بھی سب سے زیادہ ہے، چناں چہ اس ادارے کے ذریعے، وہی پالیسی قابل عمل ہو سکتی ہے، جو امریکہ کے مفادات کے مطابق ہو، امریکہ اور صہیونی

---

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۱۰۱۔

مفادات کے خلاف کوئی بھی منصوبہ سختی کے ساتھ مسترد کر دیا جاتا ہے۔

"IMF." اور "WB." جیسے اداروں نے اقتصادی گلوبلائزیشن کے لیے، بنیادی حیثیت رکھنے والی آزادانہ تجارت کو بے انتہا فروغ دیا ہے اور اپنی پالیسیوں کے ذریعے حکومتوں کو ملکی اقتصادیات سے بے دخل کر کے، ہر ملک کی اقتصادیات کمپنیوں کے ہاتھ میں دے دی ہیں، قرض کے خواہش مند ممالک نے مجبوراً ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے، اپنے دروازے چوپٹ کھول دیے ہیں؛ لیکن ان اداروں کے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں سے امریکہ نے ہمیشہ اپنے کو مستثنیٰ رکھا ہے، امریکیوں کو اپنے قائد "میلن" کا پڑھایا ہوا سبق اچھی طرح یاد ہے، جس کا خیال تھا کہ آزادانہ تجارتی نظام سے وہی ملک سب سے زیادہ استفادہ کرسکتا ہے، جو ایکسپورٹ پر زیادہ توجہ دے اور امپورٹ پر کم، اپنی مصنوعات زیادہ سے زیادہ بیرون ملک بھیجے اور غیر ملکی مصنوعات کم سے کم منگوائے، اسی لیے امریکی کمپنیاں اپنی تجارتی سرگرمیوں کو، عالمی جغرافیے پر زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کے لیے، ہمیشہ مستعد رہی ہیں اور اس راہ میں انھوں نے جدید ٹکنالوجی کی مدد سے، اپنے مقاصد کی تکمیل بھی کی ہے، امریکہ آج اپنی ملٹی نیشنل کمپنیوں اور مذکورہ اداروں کی مدد سے عالمی اقتصادیات کے میدان میں، ایک ایسا قائد بن کر ابھرا ہے، جس کی جگہ شاید ہی کوئی دوسرا ملک کبھی لے سکے۔ (۱)

اقتصادی میدان میں امریکہ کی قیادت اور مذکورہ اداروں پر تسلط کا نتیجہ

---

(۱) أمريكا المستبدة، ص:۶۴۔

ہے کہ امریکہ، اپنی جس پالیسی کو بھی نافذ العمل کرنا چاہتا ہے، بہ آسانی کر دیتا ہے، یہ ادارے امریکی پالیسی کے نفاذ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ایسے ممالک جو یہودیوں کے ساتھ نرم رویہ رکھتے ہیں اور امریکی تقلید سے پھولے نہیں سماتے، ان اداروں کے ذریعے بہ طور انعام، آسان شرحوں پر قرض حاصل کر لیتے ہیں؛ لیکن جو ممالک یہودی اور امریکی منصوبوں کے سامنے لب کشائی کی ہمت کر بیٹھے ہیں، اپنی تعمیر و ترقی کے لیے، ان اداروں سے قرض حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، امریکہ کی مکمل اجارہ داری کی وجہ سے، یہ اندازا لگانا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ان اداروں کا عالمی سطح پر پالیسی سازی میں کتنا گہرا اثر ہے۔

اقتصادی عالم گیریت کا سب سے بڑا نقیب

تمام ممالک کی اقتصادی حالت میں، عالمی تجارت کی جتنی بھی زیادہ اہمیت کیوں نہ ہو؛ لیکن عالمی تجارت کے سلسلے میں گزشتہ صدی کے نصف اول میں، ماہرین اقتصادیات کے درمیان دو طرح کے نظریات پائے جاتے تھے، کچھ کا خیال یہ تھا کہ ہر ملک کو اپنی ذاتی پیداوار اور آمدنی پر ہی اکتفا کرنا چاہیے، عالمی تجارت کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس نظریے کے قائلین کے سامنے وہ مسلسل جنگیں تھیں، جن کی وجہ سے ایک دوسرے کے تئیں اعتماد اٹھ چکا تھا، حال آں کہ ''اعتماد'' ہی تجارت کا بنیادی عنصر ہے، اس لیے ان لوگوں کا زور تھا کہ عالمی تجارت نہیں ہونی چاہیے، اس کے مقابلے میں دوسرے فریق کا

یہ کہنا تھا کہ:

''عالمی تجارت سے ہر ملک کے باشندے مساوات کے اصول پر، تمام سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس لیے عالمی تجارت کا قیام ناگزیر ہے۔''

دوسری جنگ عظیم کے بعد (جس میں امریکہ اور اس کے حلیفوں کو فتح حاصل ہوئی) فاتح ممالک کے لیے بہت اچھا موقع تھا کہ وہ اپنے نظریات کو دوسرے ممالک پر مسلّط کریں اور اپنی پالیسیاں دوسروں پر نافذ کریں، لہٰذا انھوں نے عالمی تجارت کے قیام کی پرزور وکالت کی اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے والے ذرائع پر بھی عمل کیا، چناں چہ انھوں نے ''گاٹ'' معاہدہ، ''عالمی نقدی نظام''، ''ورلڈ بنک'' اور ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' کے قیام کے ساتھ ساتھ ۱۹۴۴ء میں ''بریٹن ووڈز'' کانفرنس کے موقع پر، ایک عالمی تجارتی تنظیم بھی قائم کرنے کا فیصلہ کیا، جس کو ''ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن'' کا نام دیا گیا۔(۱)

یہ الگ بات ہے کہ عملاً اس وقت یہ تنظیم قائم نہیں ہوئی؛ بل کہ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء میں ''اوردگوائے'' کانفرنس ہوئی، جہاں اس تنظیم کے قیام کی پرزور وکالت کی گئی، پھر اپریل ۱۹۹۴ء میں مراکش کانفرنس میں، آخری مرتبہ اس موضوع پر بحث ہوئی، بالآخر جنوری ۱۹۹۵ء میں باضابطہ طور پر اس تنظیم کا قیام عمل میں آ گیا۔(۲)

گلوبلائزیشن کو فروغ دینے کا کھلم کھلا عمل، گزشتہ صدی کی آخری دہائی

(۱) رسالہ البیان، عدد ۱۷۰، مقال: منظمة التجارة العالمية والعولمة الاقتصادية، از ڈاکٹر محمد بن مسعود العصیمی۔

(۲) ایضاً۔

میں شروع ہوا، اس اعتبار سے ''ورلڈ ٹریڈ اور گنائزیشن'' کا قیام اس سلسلے کی اہم کڑی ہے، درحقیقت یہ ادارہ اقتصادی گلوبلائزیشن کا سب سے بڑا نقیب، سب سے زیادہ معاون اور اس کے لیے سب سے زیادہ راہ ہموار کرنے والا ہے، چناں چہ اس ادارے کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ:

''ورلڈ ٹریڈ اور گنائزیشن'' (W.T.O.) ہمہ گیر تجارتی نظام کا ایک بنیادی اور قانونی دائرہ ہے، جو ان معاہدوں کو یقینی بناتا ہے، جن کی رو سے حکومتوں کو یہ بتلایا جائے کہ وہ مقامی تجارت کا نظام کیسے چلائیں'' (۱)

اس تعریف سے بہ خوبی اندازا ہو جاتا ہے کہ ''ورلڈ ٹریڈ اور گنائزیشن'' کو ہر ملک کی مقامی تجارت میں دخل اندازی کا مکمل اختیار ہوگا، اس ادارے کو اس بات کی تعیین کا حق حاصل ہوگا کہ کون سا ملک اپنی تجارت کو کس نہج پر چلائے؟ مقامی مصنوعات و پیداوار پر کتنا ٹیکس لگائے؟ اور غیر ملکی برآمدات کے مقابلے میں مقامی اشیا کی کتنی قیمتیں متعین کرے؟

تنظیم کے مقاصد

عالمی تجارتی تنظیم کے منشور میں، مندرجہ ذیل دو اہم مقاصد ذکر کیے گئے ہیں۔

(۱) عالمی تجارت کے لیے آزاد فضا اور پر امن ماحول تیار کرنا۔

(۲) ہر قسم کی پابندیوں سے مستغنی تجارت کو رواج دینا۔

---

(۱) ایضاً۔

تنظیم کے اغراض ومقاصد میں مندرجہ بالا دونوں مقصد بڑی اہمیت کے حامل ہیں؛ بل کہ یہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ اس تنظیم کا قیام دراصل ان ہی دو مقاصد کے پیش نظر عمل میں آیا ہے، ان مقاصد کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے ''ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن'' نے دو پالیسیاں بنائیں اور تمام ممبران ممالک کو ان پر عمل درآمد کرنے کا پابند بنایا، پہلی پالیسی یہ ہے کہ حکومتیں اپنے ملکوں میں مقامی مصنوعات کی قطعاً اعانت نہ کریں؛ بل کہ ان اشیا کو کمپنیوں پر چھوڑ دیں، اب کمپنیاں خواہ معیار بلند کریں یا گرائیں۔

دوسری پالیسی یہ ہے کہ بیرون ملک ایکسپورٹ ہونے والی اشیا کی حکومتی سطح پر کوئی مدد نہ ہو؛ بل کہ کمپنیوں کی یہ ذمے داری ہو کہ وہ ایکسپورٹ ہونے والے سامان کا کیا معیار قائم کریں، (۱) ان دونوں پالیسیوں کے ذریعے "W.T.O." کی منشا یہ تھی کہ عالمی تجارت میں مقابلہ آرائی، حکومتوں کے درمیان نہ ہو؛ بل کہ کمپنیوں کے درمیان ہو، کیوں کہ کمپنیوں کا اگر حکومت سے مقابلہ ہوگا، تو حکومت کے غیر محدود وسائل کا مالک ہونے کی بنا پر غالب آنے کا امکان ہے؛ لیکن جب حکومتوں کو ہی راستے سے ہٹا دیا گیا، تو اب تقابل صرف کمپنیوں کے درمیان رہ گیا، جس میں غیر ترقی یافتہ ممالک کی کمپنیوں پر مغربی اور امریکی کمپنیوں کا غلبہ طے ہے، حالیہ سالوں میں ہندوستان میں بھی ان قوانین پر عمل درآمد دیکھنے میں آیا ہے، پرائیوٹائزیشن اور نج کاری کے نام پر حکومت نے، بہت سے سیکٹرس کو پرائیویٹ کمپنیوں کے

(۱) التجارة في المستقبل، ص:۲۱۔

سپرد کر دیا ہے، اس سے عوام کو فائدہ ہو یا نہ ہو؛ لیکن اتنا ضرور ہے کہ عوام کی نصف کمائی اب ترقی یافتہ ممالک میں بیٹھے ہوئے کمپنیوں کے مالکان کی جیبیں بھرے گی۔

عالمی تجارتی تنظیم کا پالیسی سازی میں کردار

تمام عالمی تنظیمیں خواہ وہ کسی بھی میدان سے تعلق رکھتی ہوں، امریکہ اور صہیونیوں کے زیر تسلط ہیں، اقوام متحدہ سے لے کر ''آئی ایم ایف'' اور ''ورلڈ بنک'' تک سبھی اداروں کا یہی حال ہے، ''ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن'' بھی امریکی مفادات کی ایک اہم محافظ ہے اور امریکی پالیسیوں کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کرتی رہتی ہے، اس ادارے کے چارٹر کے پانچویں فقرے میں صراحت ہے کہ: ''ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن''، ''انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ'' اور ''ورلڈ بنک'' کے ساتھ مل کر تعاون کرے گی'' (۱) اس عبارت میں اگرچہ کسی خاص میدان کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے، جس میں یہ تعاون کیا جائے گا؛ لیکن عالمی حالات پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان مذکورہ بالا اداروں کے درمیان تعاون، عالمی پالیسی سازی کے میدان میں ہوتا آرہا ہے، آج دنیا کا تقریباً ہر ملک ''آئی ایم ایف'' اور ''عالمی بنک'' کا مقروض ہے، یا ان اداروں سے امداد حاصل کرنے کا خواہاں ہے، مغربی ممالک جب کوئی پالیسی بنانا چاہتے ہیں، تو اس پالیسی سے متعلق ملکوں، کو ان اداروں کی

(۱) قواعد الجات، ص:۱۵۲۔

جانب سے قرض یا امداد کی پیش کش کر کے، تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ان کی بنائی ہوئی پالیسیوں کا آسانی کے ساتھ نفاذ ہو سکے، اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مغربی حکمراں مذکورہ بالا تنظیموں کو عالمی سیاست میں ''ٹرمپ کارڈ'' کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔

تنظیم کا انتظامی ڈھانچہ

اقوام متحدہ کے طرز پر ''ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن'' کی بھی ایک جنرل باڈی ہوتی ہے، جس میں تمام ممبران ممالک شرکت کرتے ہیں، اس کی جنرل اسمبلی کی میٹنگ ہر دو سال میں ہوتی ہے، جس میں تنظیم سے متعلق اہم اور دوررس قراردادیں پاس کی جاتی ہیں، کسی ملک کو تنظیم کا ممبر بنانا ہو، یا کسی کی بہ طور سزا تنظیم سے رکنیت معطل کرنا، یہ سب اسی جنرل اسمبلی کا کام ہے؛ لیکن اس اسمبلی میں بھی دیگر عالمی اداروں کی طرح امریکہ کی ہی چھاپ رہتی ہے، کبھی اگر تنظیم کے دیگر اراکین کوئی ایسا فیصلہ کرلیں، جو امریکی مفادات کے خلاف ہو، تو امریکہ بڑی آسانی کے ساتھ اس کو نامنظور کردیتا ہے؛ لیکن اس عمل کے ارتکاب پر جہاں دوسروں کو سزا دی جاتی ہے، وہیں امریکہ کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے، ۱۵ جولائی ۲۰۰۳ء میں امریکی حکومت نے ''W.T.O.'' کے ایک فیصلے کو یہ کہتے ہوئے مسترد کردیا کہ اس سے امریکی اقتصادیات متاثر ہوسکتی ہیں۔

''W.T.O.'' کی جنرل اسمبلی کے تحت ایک دوسری عمومی کمیٹی ہے، جو ادارے کا روزانہ کا کام کاج سنبھالتی ہے، اسی کے ساتھ اس کمیٹی کی یہ

ذمے داری بھی ہے کہ عالمی تجارت کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھے، اور جنرل اسمبلی کے ذریعے پاس کیے گئے فیصلوں کو نافذ کرائے۔

ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن ایک تنقیدی جائزہ

"ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن" کی بنیاد جن اصولوں پر قائم ہے، ان کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی باشعور انسان یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرے گا، کہ یہ تنظیم ایک جانب دارادارہ ہے، جس سے مغربی مفادات وابستہ ہیں، یہ تنظیم غیرترقی یافتہ ممالک کو اقتصادی اعتبار سے مستحکم ہونے میں کوئی مدد نہیں دے سکتی اور نہ یہ اس کے مقاصد میں شامل ہے۔

W.T.O. کا دعوی ہے کہ اس کا مقصد آزاد تجارت کو فروغ دینا ہے اور ہر تاجر کے لیے، تمام ممالک کے تجارتی دروازوں کو کھول دینا ہے، حال آں کہ یہ تجارتی تنظیم درحقیقت غیرترقی یافتہ ممالک سے تو اپنے دروازے کھولنے کا مطالبہ کرتی ہے؛ لیکن اس کے لیڈروں نے مغربی ممالک کے تجارتی دروازوں پر تیسری دنیا کی کمپنیوں کے لیے پہرا بٹھا رکھا ہے، اور ایسے قوانین وضع کر رکھے ہیں کہ تیسری دنیا کی کمپنیوں کے لیے مغربی ممالک اور امریکہ میں داخلہ نہایت مشکل ہو جائے۔ آزادانہ تجارت میں ہر شخص کو کہیں بھی ملازمت اختیار کرنے کی اجازت ہونی چاہیے؛ لیکن مغربی ممالک مشرق کے ذہین وفطین نوجوانوں کو تو لالچ دے کر اپنے ملکوں میں کھینچ لیتے ہیں، حال آں کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی تعمیر وترقی میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دے سکتے ہیں،

جب کہ بقیہ افراد کو ان ممالک میں داخلے کی بھی اجازت نہیں ہوتی، ہندوستان کے سابق وزیر خزانہ اور موجودہ وزیر خارجہ ''یشونت سنہا'' نے ۲۵ جنوری ۲۰۰۱ء میں ''ورلڈ اکنامک فورم'' کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

''گلوبلائزیشن ہمارے لیے ایک شکست اور غیر منصفانہ عمل ہے، جس کا مقصد ترقی یافتہ ممالک کا اپنے بازاروں کی حفاظت کرنا ہے، جس انداز سے ان کے بازاروں کی حفاظت ہو رہی ہے، اس سے لگتا ہے کہ وہ گلوبلائزیشن کو اپنا ہتھیار بنا کر استعمال کر رہے ہیں، وہ اپنی ایمیگریشن (ترک وطن) پالیسی کو بھی اس انداز سے تیار کر رہے ہیں، جس سے ترقی پذیر ممالک کے ترقی کے منصوبوں پر کاری ضرب لگ رہی ہے، وہ ترقی پذیر ممالک کے ذہین وفطین اشخاص کو لالچ دے کر اپنے ملکوں میں بھر رہے ہیں، آنے والے چند سالوں میں شمالی دنیا نوجوانوں اور فعال عملے کی سخت کمی محسوس کرے گی۔''(۱)

''باب سٹکلف'' (Bob Sutkliff) اس الزام کو مبنی بر حقیقت قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب "Freedom to Man in the Age of Globalization" میں لکھتا ہے کہ:

''غریب اور ترقی پذیر ممالک اپنے معیار کو بلند کرنے کے لیے، ترقی یافتہ ممالک کی ایمگریشن پالیسی پر منحصر ہو گئے، ان کے یہاں کا فعال اور متحرک طبقہ، دولت مند ممالک کا رخ کرتا ہے اور وہاں معاش کے آسان ذرائع تلاش کرتا

(۱) اخبار TIMES OF INDIA ۲۶/ جنوری ۲۰۰۱ء ص:۱ بہ حوالہ: مقالہ Globalization From The Perspective of Islam and Modernity از عاطف سہیل صدیقی دیوبندی، (یہ مقالہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں پی ایچ ڈی کے لیے ترتیب دیا جا رہا ہے)

ہے۔''(۱)

عالمی تجارتی تنظیم کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد تاجروں کے درمیان مبنی برانصاف مقابلہ آرائی کو بڑھاوا دینا ہے؛ لیکن درحقیقت جس بازار میں یہ مقابلہ آرائی ہوتی ہے، وہاں ایک فریق نہایت مضبوط اور دوسرا فریق نہایت کم زور ہے، کیا ایسی مقابلہ آرائی کو مبنی برانصاف کہا جاسکتا ہے؟؟؟

اس تنظیم کا دعویٰ ہے کہ اس کا مقصد تجارتی میدان میں یکساں عالمی اصول، قوانین اور اقدار کو رائج کرنا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ان قوانین کو وضع کرنے والا کون ہے؟ ان اصول واقدار کو حیثیت دینے والا کون ہے؟ مغربی ترقی یافتہ ممالک کے علاوہ اور کوئی نہیں، ترقی پذیر ممالک کے ذمے تو بس اتنا ہے کہ وہ ان قوانین اور اصولوں کے سامنے سر جھکا دیں اور خاموشی سے ان کو تسلیم کرلیں۔

تنظیم کے لیڈران کا کہنا ہے کہ یہ ''اورگنائزیشن'' دراصل تمام ممالک کے درمیان گفتگو اور مذاکرات کے لیے ایک انجمن کی حیثیت رکھتی ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی کمپنیوں کے درمیان مذاکرات کیسے ممکن ہیں؟ جب کہ دونوں فریقوں کے درمیان مادّی اعتبار سے اتنی ہی دوری ہے، جتنی کہ زمین وآسمان کے درمیان، ان کمپنیوں کے درمیان اتنی گہری مادّی خلیج ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے گفتگو اور مذاکرات کا تصور بھی محال ہے، کیوں کہ بعض امریکی کمپنیوں کا بجٹ بہت سے ترقی پذیر ممالک کے

---

(۱) ایضاً۔

قومی بجٹ سے بھی زائد ہے۔

اس ادارے کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ تجارتی تنازعوں کو سلجھانے کے لیے ایک عدالت کے مانند ہے؛ لیکن اس تنظیم اور اس کے ججوں کی غیر جانب داری کی ذمے داری کون لے سکتا ہے؟ کون اس بات کا ضامن ہے کہ اورگنائزیشن کے قائدین، جو سب کے سب مغربی ہیں، جانب دار نہیں ہیں؟ (۱)

ان سب سوالات کی موجودگی میں یہ ادارہ، جو کہ اقتصادی عالم گیریت کا سب سے بڑا نقیب اور داعی ہے اور اس راہ میں مغربی طاقتوں کا سب سے زیادہ ممد ومعاون ہے، کسی بھی طرح انصاف پرور اور اپنے دعووں میں کھرا نہیں اتر سکتا؛ بل کہ اس کے بنیادی چارٹر میں اتنی ترمیم ناگزیر ہے کہ اس کا مقصد ایک ہی منڈی میں امیر اور غریب ممالک کے درمیان مقابلہ آرائی کرانا ہے، تاکہ یہ مقابلہ برابری کا نہ ہو، نتیجتاً مال دار ممالک کی مال داری میں اضافہ ہو اور غریب ممالک کی غربت میں، ترقی پذیر ممالک ہمیشہ ترقی کا خواب دیکھتے رہیں اور ترقی یافتہ ممالک برق رفتاری سے ترقی کے منازل طے کرتے رہیں، تیسری دنیا کا سفر پیچھے کی طرف ہو اور مغربی دنیا آگے کی طرف بڑھتی رہے اور اس سفر میں غریب ممالک کے باشندوں کی روزی روٹی کے ساتھ ساتھ ان کے خون پسینے کا بھی استحصال کیا جاتا رہے۔

---

(۱) رسالہ: البیان، عدد ۱۷۰، ص: ۵۶۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں عالمی دولت کی اصل مالک

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گزشتہ نصف صدی سے اقتصادی گلوبلائزیشن کو رواج دینے کی خاطر، مغرب اور امریکہ نے آزادانہ تجارت اور اقتصادی کھلے پن کا نعرہ بلند کیا ہے، اس مقصد کے لیے جہاں مختلف ممالک کے درمیان معاہدے کرائے گئے، وہیں آزادانہ تجارت کو پوری دنیا میں فروغ دینے کے لیے مختلف تنظیموں کا قیام عمل میں آیا (جن پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے) اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا ادارے اور معاہدے اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہے؟ آزادانہ عالمی تجارت کو کہاں تک فروغ حاصل ہوا؟ آزادانہ تجارت کے نتیجے میں کس کو فائدہ ہوا اور کس کو نقصان؟

مغرب نے نصف صدی قبل جس آزادانہ تجارت کا نعرہ بلند کیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک ملک کی کمپنیاں دوسرے کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کریں، کارخانے قائم کریں، مصنوعات تیار کریں اور وہاں فروخت کریں، اس غیر ملکی اور براہِ راست سرمایہ کاری کو (Foregn Direct Investement) (فارن ڈائریکٹ انوسمنٹ) کہا جاتا ہے، آسانی کے لیے (FDI) بھی بولا جاتا ہے۔

ابتداءً "FDI" سرمایہ دارانہ ملکوں تک ہی محدود رہا، بایں معنی کہ ایک سرمایہ دار ملک دوسرے سرمایہ دار ملک میں، سرمایہ کاری کرتا اور اپنی معیشت کو

استحکام بخشا، ایسا اس لیے ہوا، کیوں کہ نصف صدی قبل جو ''GATT'' معاہدہ ہوا تھا، اس سے سرمایہ دار ممالک ہی وابستہ تھے، نیز وہ ادارے جو اقتصادی کھلے پن کو فروغ دینے کے لیے وجود میں آئے تھے، تدریجاً ہی اپنی پالیسیاں دیگر ممالک پر مسلط کر سکتے تھے، اس لیے کئی سالوں تک ''FDI'' صرف سرمایہ دار ممالک ہی میں منحصر رہا، چناں چہ FDI کے ذریعے مرتب ہونے والے نقصانات کا اندازا اُس وقت کی تجارت کو دیکھ کر نہیں لگایا جا سکتا۔

گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی کے آغاز سے مغربی، امریکی اور جاپانی کمپنیوں نے، ترقی پذیر ممالک کا بڑے پیمانے پر رخ کیا اور وہاں سرمایہ کاری کی، اپنی مصنوعات کو ان ممالک کے بازاروں میں فروخت کیا؛ لیکن اس مرتبہ ان کمپنیوں کا طریقۂ کار سرمایہ دار ممالک سے مختلف تھا، غیر ملکی کمپنیوں کی سرمایہ کاری سے سرمایہ دار ممالک کو تو فائدہ حاصل تھا؛ لیکن ترقی پذیر ممالک میں ان کا مقصد وہاں کی دولت پر قبضہ جمانا تھا، مثال کے طور پر امریکہ کی مشہور کار کمپنی ''جنرل موٹرز'' نے بیک وقت، ایشیائی ممالک-فلپین، تھائی لینڈ اور تونس- کے ساتھ ساتھ کناڈا، نیوزی لینڈ اور جرمنی میں سرمایہ کاری کی، یہ غیر ملکی سرمایہ کاری (FDI) یقیناً ان ممالک کی اقتصادیات پر اثر انداز ہوگی؛ لیکن ترقی یافتہ ممالک کے حق میں یہ اثر اندازی بہتر ہوگی، جب کہ ایشیائی ممالک کے حق میں غیر مفید، اس لیے کہ کناڈا، نیوزی لینڈ اور جرمنی میں سرمایہ کاری کرنے کے نتیجے میں ''جنرل موٹرز'' جو نفع حاصل کرے گی، وہ عموماً انھی ممالک میں باقی رہے گا، اس کے برخلاف فلپین، تھائی لینڈ اور تونس میں کی گئی سرمایہ

کاری سے جو نفع حاصل ہوگا، اس کا بیش تر حصہ دنیا کی دیگر جگہوں میں منتقل کر دیا جائے گا، یا اس نفع کو دوبارہ سرمایے کی شکل دے کر، عالمی اور مقامی اسٹاک ایکس چینجز میں لگا دیا جائے گا اور پھر اس سے بھی نفع کمایا جائے گا؛ لیکن ان ممالک کی ترقی میں یہ غیر ملکی سرمایہ کاری قطعاً اثر انداز نہیں ہوگی، جہاں سے اس نے نفع حاصل کیا ہے۔(۱)

آج ''آئی ایم ایف''، ''ورلڈ بنک'' اور عالمی تجارتی تنظیم جیسے اداروں کی پالیسیوں کی بنا پر، ترقی پذیر ممالک اپنے دروازے غیر ملکی کمپنیوں کے لیے کھولنے پر مجبور ہیں، یہ کمپنیاں وہاں براہ راست سرمایہ کاری کر رہی ہیں اور وہاں کی دولت لوٹ کر لے جا رہی ہیں، اس کا اندازا یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۰ء میں FDI کا گراف ترقی یافتہ ممالک میں، صرف ۵۰ بلین ڈالر تھا، جو ۱۹۸۸ء میں ۱۷۰ بلین ڈالر تک پہنچ گیا؛ لیکن ترقی پذیر ممالک میں یہ گراف صرف ۲۰ بلین ڈالر تھا جو ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۵ء تک صرف ۱۰۰ بلین ڈالر تک ہی پہنچا، جب کہ ۱۹۹۵ء میں ترقی یافتہ ممالک میں ۲۰۰ بلین ڈالر سے زیادہ تھا۔(۲)

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے پتا چلتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کو ''FDI'' سے کتنا فائدہ ہوا، کہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۵ء تک اس کے گراف میں زبردست

---

(۱) ماهي العولمة، از ڈاکٹر صادق جلال العظم ص:۱۵۳۔

(۲) Globalization in Question ص:۷۲، بہ حوالہ مقالہ: Globalization From The Perspective of Islam and Modernity از عاطف سہیل صدیقی دیوبندی۔

اضافہ دیکھنے میں آیا، جب کہ ترقی پذیر ممالک کو اس عرصے میں بہت کم نفع پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

گزشتہ صدی کی نویں دہائی کے آغاز میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تعداد ۴۵ ہزار تھی، جو تقریباً ۲ لاکھ ۸۰ ہزار چھوٹی کمپنیوں پر قابض تھیں، ۳۷ ہزار کمپنیاں یعنی ۸۲ فی صد ۱۴ ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھتی تھیں اور ۹۰ فی صد کمپنیوں کے ہیڈ کوارٹرز انھی ممالک میں قائم تھے۔ (۱) صرف ۱۰ فی صد کمپنیاں ایسی تھیں جو ۱۴ ترقی یافتہ ممالک کے علاوہ دیگر ملکوں سے تعلق رکھتی تھیں، جب ۹۰ فی صد ملٹی نیشنل کمپنیاں پوری دنیا میں تجارت کر کے، صرف ۱۴ ترقی یافتہ ممالک کی معیشت مستحکم کریں گی، تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عدم توازن کا اندازا لگایا جا سکتا ہے۔

کرۂ ارضی پر آزادانہ تجارت

۱۴ ترقی یافتہ ممالک کی ۳۷ ہزار ملٹی نیشنل کمپنیوں نے، جس انداز میں آزادانہ تجارت سے فائدہ اٹھایا ہے اور دیگر ملکوں میں براہِ راست سرمایہ کاری (FDI) کی ہے، اس کا پتا مشہور اقتصادی رسالے ''اکنامسٹ'' (Economist) کی رپورٹ سے چلتا ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

''ساتویں دہائی کے آغاز میں اچانک ''FDI'' میں اضافہ ہو گیا، جو

(۱) ما العولمة، از پال ہیرسٹ، گراہم تھامپسن، ترجمہ ؤ: فالح عبدالجبار ص: ۱۰۴، طبع عالم المعرفة کویت ۲۰۰۱ء۔

آٹھویں دہائی کے آنے تک آسمان کو چھونے لگا، تیسری دنیا کے مختلف ملکوں میں اربوں کھربوں ڈالرز کی سرمایہ کاری کی گئی، آج اس غیر ملکی سرمایہ کاری ''FDI'' کی رفتار پہلے سے تین گنا زیادہ تیز ہے، ۱۹۹۶ء میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے (FDI) کی وجہ سے، ایشیائی ممالک میں ۸۰ ارب ڈالرز کا نفع حاصل کیا، جب کہ اسی سال لاتینی امریکہ سے ۳۹ ارب ڈالرز کا نفع ہوا۔'' (۱)

۱۹۹۷ء میں ''ورلڈ ٹریڈ اورگنائزیشن'' کی جانب سے شائع ہونے والی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

''۱۹۹۱ء میں ۲ء۳ ٹریلین ڈالرز کی سرمایہ کاری کی گئی، ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اس سال ۷ ٹریلین ڈالرز کی تجارت کی، ۱۹۹۶ء میں ۲ء۵ ٹریلین ڈالرز کی غیر ملکی سرمایہ کاری کی گئی، جس میں ۸ فی صد ترقی پذیر ممالک کا حصہ تھا۔'' (۲)

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے، تو اس کی ۸۰ فی صد تجارت ملٹی نیشنل کمپنیاں کرتی ہیں، جو پورے کرۂ ارضی میں پھیلی ہوئی ہیں، ان کمپنیوں سے امریکہ کو کتنا فائدہ ہوتا ہے، اس کا اندازا یوں لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کی ۱۰۰ بڑی کمپنیوں نے (جو پوری دنیا کی دولت کے پانچویں حصے کی مالک ہیں) ۱۹۹۵ء میں ۲ ٹریلین ڈالرز کا نفع کمایا، اس کے لیے انھوں نے ۶ ملین (ساٹھ لاکھ) مزدوروں کو استعمال کیا، نفع کا ۶۰ فی صدی حصہ مصنوعات کے ذریعے حاصل کیا گیا، جب کہ ۳۷ فی صدی حصہ خدمات (سروسز) کے ذریعے حاصل ہوا۔ (۳)

The Economist, Nov.22, 1997 P.108. (۱)

(۲) ما العولمة؟ از پال ہیرسٹ، گراہم تھامپسن ص: ۱۰۵۔ (۳) ایضاً۔

۱۹۹۰ء میں چین غیر ملکی سرمایہ کاری کے لیے دنیا کا دوسرا سب سے بڑا پرکشش ملک بن گیا، چناں چہ ۱۹۹۳ء میں چین کے تقریباً ۸۰ ہزار پروجیکٹ غیر ملکی کمپنیوں نے مکمل کیے، ۱۹۹۵ء تک چین میں غیر ملکی سرمایہ کاری ۳۵ ارب ڈالر تک پہنچ گئی تھی، (۱) چین کی وزارت خارجی تجارت اور اقتصادی تعاون کے جنرل سکریٹری نے اپنے بیان میں کہا کہ:

> "۱۹۹۶ء میں غیر ملکی سرمایہ کاری چین میں ۴۵ ارب ڈالر تک ہوئی، ۱۹۹۷ء و ۱۹۹۸ء میں یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے، اس لیے آج چین غیر ملکی سرمایہ کاری کے لیے دنیا کا دوسرا بڑا پرکشش ملک ہے، اس کا ایک سبب یہ ہے کہ یہاں بہت کم اجرت پر مزدور طبقہ فراہم ہو جاتا ہے، مجھے امید ہے کہ آیندہ ۳۰ سے ۶۰ سال تک یہی صوت حال رہے گی۔" (۲)

جاپان بھی ان ممالک میں سرفہرست ہے، جہاں کی کمپنیاں پوری دنیا کی دولت پر قابض ہیں اور دیگر ممالک میں سرمایہ کاری کر کے وہاں کے عوام کی کمائی بٹورنے میں لگی ہوئی ہیں، چناں چہ ایک رپورٹ کے مطابق جاپان کی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے، ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۳ء تک سات سالوں میں، صرف ایشیائی ممالک سے ۴۷ ارب ڈالرز کا نفع کمایا ہے، ایشیائی ممالک کے حوالے سے جاپان نے غیر ملکی سرمایہ کاری میں، امریکہ کی جگہ لے لی ہے، حالیہ سالوں میں جاپانی کمپنیوں نے ایشیا میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری کر کے، امریکہ کو

---

(۱) رسالہ New Left Review, London عدد ۲۲۲، مارچ، اپریل ۱۹۹۷ء، مقالہ نگار: رچرڈ اسمتھ۔

(۲) International Herald Tirbune, ۱/ ستمبر ۱۹۹۷ء ص: ۱۳۔

بھی پیچھے چھوڑ دیا۔(۱)

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ عالمی تجارت کو براہِ راست غیر ملکی سرمایہ کاری (FDI) کے ذریعے فروغ مل رہا ہے، لیکن FDI پر امریکہ، یورپ اور جاپان کی مکمل اجارہ داری ہے، سرمایہ کاری کے ذریعے حاصل ہونے والا نفع، ان ممالک کی معیشت کو مستحکم کرتا ہے اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکان کی جیبیں بھرتا ہے، (FDI) کے بہت قلیل حصے سے، ان ممالک کے علاوہ دیگر ملکوں کی کمپنیاں نفع حاصل کر پاتی ہیں، ایک اندازے کے مطابق امریکہ، یورپ اور جاپان کا پوری دنیا کی ۴ء۷۹ فی صد پیداوار پر کنٹرول ہوگیا، چناں چہ دنیا کے صرف ۳۰ فی صد لوگ پوری دنیا کی ۸۴ فی صد دولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، جب کہ ۴۵ سے ۷۰ فی صد لوگوں کو عالمی دولت کا صرف ۱۶ فی صد حصہ ہی مل پاتا ہے، بہ الفاظ دیگر دنیا کی تقریباً دو تہائی آبادی عالمی دولت سے محروم ہے، گویا وہ اس عالم کے جغرافیے سے باہر کسی دنیا میں زندگی بسر کررہی ہے۔(۲)

ان تفصیلات کے بعد گلوبلائزیشن کے مقاصد اور نتائج میں شک کرنے کی کوئی گنجایش نہیں رہ جاتی؛ بل کہ یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ گلوبلائزیشن نے مغربی اور امریکی کمپنیوں کو تو بہت کچھ دیا ہے؛ لیکن پوری دنیا سے بہت کچھ لے کر؛ بل کہ چھین کر دیا ہے، جاپان کو مستثنیٰ کرکے بقیہ ایشیائی ممالک کے

---

(۱) ما هي العولمة، از ڈاکٹر صادق جلال العظم ص: ۱۵۷۔

(۲) ما العولمة، از ہیرسٹ وتھامپسن ص: ۱۱۳۔

عوام، گزشتہ نصف صدی سے اپنے خون پسینے کی کمائی چند غیر ملکیوں کی جھولی میں ڈالتے جارہے ہیں اور حکومتیں کہیں مجبوراً اور کہیں ترقی کے لالچ میں، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے دل فراشِ راہ کیے ہوئے ہیں۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وسعت

لوگ جب کسی بازار میں غیر ملکی سامان خریدنے جاتے ہیں، تو وہ دوکاندار سے سوال کرتے ہیں کہ یہ فرانس کا سامان ہے یا اٹلی کا، جرمنی کا ہے یا امریکہ کا؟ وہ اس سامان کی پشت پر دیکھتے ہیں کہ Made in The USA لکھا ہوا ہے، یا Made in Germany یا پھر Made in Japan، اس لیے کہ ہر ملک کی کسی نہ کسی میدان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے لوگ وہاں کے سامان کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس ملک کا نام دیکھ کر خریدتے ہیں، گلوبلائزیشن کے مکمل نفاذ کے بعد اس طرح کی تحقیق و تفتیش اور سوال کی کوئی اہمیت نہیں رہ جائے گی؛ بل کہ دوکاندار سے کچھ اس طرح سوال کیا جائے گا کہ یہ سامان (IBM) ''آئی بی ایم'' کمپنی کا تیار کردہ ہے، یا (Puma) ''پوما'' کمپنی کا؟ سامان کی پشت پر کسی ملک کے نام کی جگہ Made by 3M یا Made by Toshiba لکھا جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ ملکوں کا نام مصنوعات کی پشت سے ختم ہونے کے باوجود، یہ کمپنیاں اپنے وطن کی معیشت کو مستحکم اور مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی رہیں گی؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ''ملٹی نیشنل کمپنیاں'' اتنی وسعت اختیار کرلیں گی کہ ان کو کسی

ملک یا وطن کی طرف منسوب کرنا محال ہو جائے گا، ہر ملک اور ہر علاقے میں ان کے کارخانے ہوں گے، ایک سامان کو تمام ضروری مراحل سے گزارنے میں کئی کئی ممالک کے مزدور شریک ہوں گے؛ بل کہ یہ سلسلہ عرصۂ دراز سے چلا آرہا ہے، چناں چہ کمپیوٹر کی مشہور کمپنی IBM کی وسعت کا اندازا اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کمپیوٹر بنانے کا سب سے پہلا مرحلہ، امریکی صوبے ''کیلی فورنیا'' میں واقع کمپنی کے دفاتر میں طے کیا جاتا ہے، جہاں کمپیوٹر کا موڈل، اس کی ساخت اور اس پر آنے والے بجٹ وغیرہ امور کی تعیین ہوتی ہے، اس کمپیوٹر کا بیرونی ڈھانچہ ''برازیل'' میں IBM کمپنی کے کارخانوں میں تیار کیا جاتا ہے، جب کہ اس کے بڑے پرزے ''ارجنٹائنا'' میں بنائے جاتے ہیں اور چھوٹے پرزے تائیوان، تھائی لینڈ اور سنگاپور میں واقع IBM کے کارخانوں میں تیار کیے جاتے ہیں، آخر میں ان سب پرزوں کو ''ملیشیا'' میں واقع کمپنی کی ورک شاپ میں، ایک دوسرے سے جوڑا جاتا ہے اور یوں کمپیوٹر سازی کا آخری مرحلہ طے ہوتا ہے، اس انکشاف سے کمپنی کی حیرت انگیز وسعت کا بہ خوبی اندازا لگایا جاسکتا ہے۔(۱)

سابق امریکی صدر بل کلنٹن کی پہلی انتظامیہ میں، وزیر محنت کے منصب پر فائز رہنے والے ''رابرٹ رچ'' کا کہنا ہے کہ:

''ٹیلی فون اور اس سے متعلق چیزیں بنانے والی امریکی کمپنی ''Bell South'' (بیل ساؤتھ) کی زیر ملکیت ۲۰ سے زائد ممالک میں صنعتی اکائیاں اور کارخانے

(۱) ماهي العولمة، از صادق جلال العظم ص:۱۶۱۔

ہیں، جہاں اس کمپنی کی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں، ان ممالک میں فرانس ارجنٹائنا، تائیوان، سنگاپور، تھائی لینڈ اور فلپین سر فہرست ہیں، اسی طرح ایک دوسری امریکی کمپنی Whir Pool (ورپول) نے جس کا ہیڈ کوارٹر امریکہ ہی میں ہے، اپنے اکثر کارخانے اور صنعتی اکائیاں ''میکسیکو'' میں قائم کر رکھی ہیں، ۴۵ ممالک میں پھیلے ہوئے کمپنی کے کارخانوں میں ۴۵ ہزار سے زائد افراد کام کرتے ہیں، جب کہ ایک دوسری امریکی کمپنی Segate (سی جیٹ) نے جس کا صدر دفتر امریکی صوبے ''کیلی فورنیا'' میں ہے، ۱۹۹۰ء میں ۴۰ ہزار ملازمین رکھے، جن میں سے ۲۷ ہزار ایشیا سے تعلق رکھتے تھے، صرف ''سنگاپور'' ہی میں تقریباً ۲۰۰ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے کارخانے ہیں، جہاں ایک لاکھ سے زائد افراد کام کرتے ہیں، ان کارخانوں سے الیکٹرانک سامان پوری دنیا میں سپلائی کیا جاتا ہے، امریکی کمپنی IBM (جس کا تذکرہ ابھی ہم نے کیا) کے ۴۰ فی صد ملازمین ۱۹۹۵ء میں غیر ملکی تھے، یعنی غیر امریکی تھے، حال آں کہ یہ امریکی کمپنی ہے اور غیر ملکی ملازمین کی تعداد روز افزوں ہے۔''(۱)

اقتصادی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں ملٹی نیشنل (کثیر الملکی) کمپنیوں کی لامحدود وسعت سے باخبر ہونے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ مشہور امریکی کار کمپنی ''جنرل موٹرز'' کی بنائی ہو''پونٹیاک'' نامی گاڑی، دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی شخص اگر ۱۰ ہزار ڈالر میں خریدے گا، تو اس کی تقسیم کچھ اس طرح ہوگی کہ: ۳ ہزار ڈالر ''کوریا'' میں پارٹس اور پرزوں کو لگانے والے ملازمین کی تنخواہوں میں صرف ہوں گے، ۱۷۵۰ ڈالر جاپان میں بننے والے

---

(۱) The Work of Nations از رابرٹ ریچ، طبع Vintage Books نیویارک ص: ۱۲۱۔

الیکٹرانک آلات کی قیمت کے طور پر جاپان منتقل ہوں گے، ۷۵۰ ڈالر ''جرمنی'' میں موڈل سازی وغیرہ کی وجہ سے، وہاں کے انجینیر وں کو دیے جائیں گے، ۴۰۰ ڈالر سنگاپور اور تائیوان منتقل ہوں گے، کیوں کہ وہاں اس گاڑی کے چھوٹے پرزے بنائے جاتے ہیں، ۲۵۰ ڈالر ''برطانیہ'' میں مارکیٹنگ اور اشتہارات پر آنے والے اخراجات کے بہ طور دیے جائیں گے، ۵۰۰ ڈالر'' آئر لینڈ'' اور جزیرہ'' بارباڈوس'' میں واقع کمپنی کے دفاتر، ان ملازمین کے درمیان تقسیم کریں گے، جنھوں نے گاڑی کے کمپیوٹرائزڈ سسٹم کی جانچ پڑتال کی ہے، بقیہ ۴ ہزار ڈالر کمپنی کے مرکزی دفتر میں (جو امریکی شہر ''ڈیٹرویٹ'' میں واقع ہے) پہنچیں گے، جہاں سے اس پوری کارروائی کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کمپنی کے کارخانوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔(۱)

مندرجہ ذیل موازنے سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بے انتہا وسعت کا یہ حیرت انگیز پہلو سامنے آتا ہے کہ بعض ملکوں کی سالانہ تجارت بہت سے ممالک کے بجٹ سے بھی متجاوز ہے، چناں چہ جنرل موٹرز کی سالانہ تجارت سوئٹزر لینڈ، پاکستان اور پورے جنوبی افریقہ کے بجٹ سے زائد ہے، تیل کمپنی Shell (شیل) کی سالانہ تجارت ''ایران'' ''وینزویلا'' اور'' ترکی'' کے بجٹ سے زیادہ ہے، امریکی ٹائر کمپنی Good year (گڈ یر) کی سالانہ تجارت سعودی عرب کے بجٹ سے متجاوز ہے۔ یہ موازنہ تقریباً دس سال پہلے کیا گیا تھا، آج جب کہ

(۱) بہ حوالۂ سابقہ۔

یہ کمپنیاں مزید وسعت اختیار کرچکی ہیں، ان کی سالانہ تجارت کن کن ممالک کے بجٹ سے زائد ہے، اس کا اندازہ لگانا جوے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔(۱)

جن ممالک کا مذکورہ بالا سطور میں تذکرہ کیا گیا، ان کی تجارت بہت محدود ہے، لیکن یہ کمپنیاں جن ممالک سے تعلق رکھتی ہیں، وہ تجارت کے میدان میں سیاسی، جغرافیائی، قومی یا ثقافتی حدود میں مقید نہیں ہیں؛ بل کہ وہ پوری دنیا میں آزادی کے ساتھ تجارت کرتے ہیں اور اپنی ہزاروں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے لامحدود نفع حاصل کرتے ہیں، اس لیے جب ایک کمپنی کی سالانہ تجارت کئی ممالک کے بجٹ سے زائد ہے، تو ان ترقی یافتہ ممالک کی دولت وثروت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

توسع کے لیے ملٹی نیشنل کمپنیوں کا طریقۂ عمل

ماقبل میں پیش کردہ اعداد وشمار سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیاں، دنیا کی دولت وثروت کی اصل مالک ہیں اور لوگوں کی روزی روٹی بھی ہڑپ کرجانے کے درپے ہیں، ان کے مالکان کو امریکہ ویورپ کے شہروں میں واقع دیومالائی عمارتوں میں بے حساب دولت کے انبار گننے سے فرصت نہیں ہے، ان سب کے باوجود ان کی ہوس اور لالچ کی حد یہ ہے کہ انھوں نے، اپنی کمپنیوں کو زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کے لیے مختلف طریقے ایجاد کررکھے ہیں، گویا ان کی زندگی کا مقصد ''هل من مزيد'' کے

(۱) ما هي العولمة؟ ص:۱۶۴، از صادق جلال العظم۔

علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

یہ کمپنیاں دنیا کے مختلف ملکوں میں خود تو تجارت کرتی ہی ہیں، اس کے علاوہ ایسی جگہوں پر جہاں ان کے لیے تجارت کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے، وہ دوسری کمپنیوں کے ساتھ شراکت داری کر لیتی ہیں، جو کبھی تو دائمی ہوتی ہے اور کبھی عارضی، یا پھر ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے سے چھوٹی کمپنیوں کو خرید لیتی ہیں اور اپنی مصنوعات کے ساتھ ساتھ ان کی مصنوعات بھی عالمی بازاروں میں فروخت کرتی ہیں، ذیل میں ان کمپنیوں کے عملی طریقوں پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

(۱) کمپنیوں کا بہ طور شراکت انضمام:

ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ایک طریقۂ کار یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد کمپنیاں ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں اور ان کے مالکان ایک دوسرے کے شریک بن جاتے ہیں، یوں چند چھوٹی کمپنیاں ایک بڑی کمپنی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، یا بڑی کمپنیاں بہت بڑی کمپنی بن جاتی ہیں۔ اس انضمام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ رہ جائے، جہاں کمپنی کی مصنوعات نہ پہنچ سکیں، یا کمپنی کی اگر مصنوعات نہیں ہیں؛ بل کہ اس کا کام خدمت (سروس) فراہم کرنا ہے، تو اس کا دائرۂ کار وسیع سے وسیع تر ہو سکے، چناں چہ ''برٹش ایرویز'' (برطانیہ کی ہوائی جہاز کمپنی) اور ''امیریکن ایر لائنز'' ایک دوسرے میں ضم ہونے کا منصوبہ بنا رہی ہیں، تا کہ ان کا اتحاد دنیا میں ہوائی سفر کی سب سے زیادہ خدمات مہیا کر سکے، حال آں کہ یہ دونوں کمپنیاں اب بھی

اپنے میدان میں سرِ فہرست ہیں، اسی طرح پٹرول کی دو مشہور کمپنیاں ''برٹش پٹرولیم'' اور ''اموکو'' بھی ایک دوسرے میں منضم ہوئیں، ماہرین کے مطابق صرف ''اموکو'' کمپنی کے اثاثوں کی قیمت ۵۳ ارب ڈالر سے زائد ہے، اس انضمام کی وجہ سے کمپنی کو ۴ء۶ ارب ڈالر کا نفع ہوا ہے اور ''Shell'' (شیل) اور ''آکسن'' کے اتحاد کے بعد، یہ دنیا کی دوسری بڑی تیل کی کمپنی بن گئی ہے، مزید برآں اس انضمام کی وجہ سے کمپنی کی ملکیت میں ۱۸ ہزار ایندھن کے گودام داخل ہوئے ہیں، اسی لیے کمپنی کے چیرمین نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ پٹرول کے میدان میں ان کی کمپنی پہلے نمبر پر آسکتی ہے۔(۱)

اسی طرح مئی ۱۹۹۸ء میں ''مرسڈیز'' بنانے والی کمپنی ''ڈیملر بنز'' نے اعلان کیا کہ وہ امریکی کار کمپنی ''کرائسلر'' کے ساتھ انضمام کے سلسلے میں مذاکرات کر رہی ہے، تاکہ ان کا اتحاد دنیا کی سب سے بڑی کار کمپنی کی شکل میں منصہ شہود پر آسکے اور مالکان کو پہلے سے زیادہ نفع حاصل ہو۔(۲)

صرف ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ چند اداروں کے درمیان اتحاد قائم ہوا ہو اور اس کا مقصد مثبت ہو، چناں چہ ''جنوبی کوریا'' میں قومی اور ملکی مفادات کی خاطر دو اہم مرکزی بنکوں ''ہانیل بنک'' اور ''کمرشل بنک آف کوریا'' باہم متحد ہوئے، ''ہانیل بنک'' کے چیرمین ''لی ووکوان'' کا کہنا ہے کہ:

''ہم نے دونوں بنکوں کو آپس میں منضم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ ہمارا

---

(۱) اخبار الاتحاد، ابوظبی ۲۳/ ۸/ ۱۹۹۸ء۔

(۲) اخبار الأهرام، قاهرة ۸/ ۵/ ۱۹۹۸ء۔

بنک ملک کا سب سے بڑا بنک بن سکے اور غیر ملکی بنکوں کے ساتھ مقابلہ آرائی کر سکے۔"(۱)

وسعت پسندی اور زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کے لالچ میں "یونین بنک آف سوئٹزرلینڈ" اور سوئس بنک آف کورب" کے درمیان انضمام کی کوششیں ہوئیں، تاکہ جاپان کے "ٹوکیو بنک" کے بعد یہ اتحاد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا بنک بن سکے۔ (۲) کچھ اسی طرح کی کوششیں "لینڈل موتوڈ انشورنس" اور "برودچ موتوڈ انشورنس" کے درمیان بھی ہوئیں، تاکہ یہ اتحاد دنیا کی سب سے بڑی انشورنس کمپنی بن جائے۔ (۳) وسعت پسندی کی اسی راہ کو کناڈا کے دو بنکوں نے بھی اختیار کیا "رائل بنک کناڈا" اور بنک آف مونٹریال" کے درمیان بھی انضمام ہوا اور اس اتحاد کے نتیجے میں تشکیل پانے والا "بنک" کناڈا کا سب سے بڑا بنک بن گیا۔

(۲) عارضی انضمام:

بعض ہنگامی حالات کی بنا پر بہت سی مرتبہ مختلف کمپنیاں، آپس میں عارضی طور پر انضمام کر لیتی ہیں، یہ انضمام کسی مخصوص سامان کی تیاری، یا کسی خاص پروجیکٹ تک ہی موقوف رہتا ہے، اس طریقۂ کار کا مقصد بھی کمپنی کو

---

(۱) اخبار "الدیار" ۱/ ۸/ ۱۹۹۸ء۔

(۲) اخبار "الحیاۃ" لندن ۵/ ۲/ ۱۹۹۸ء۔

(۳) اخبار "القبس" کویت ۲۹/ ۸/ ۱۹۹۸ء۔

وسعت دینا اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہی ہوتا ہے، چناں چہ دنیا کے دولت مند ترین شخص ''بل گیٹس'' کی کمپنی Microsoft (مائکروسوفٹ) کے ایک پروجیکٹ پر کام کرنے کے لیے، امریکہ کی ۱۵ مواصلاتی کمپنیوں کا اتحاد عمل میں آیا ہے، جس میں مشہور ملٹی نیشنل کمپنی ''Motorola'' (موٹرولا) کے علاوہ "Loral Space and Communications" (لورل اسپیس کمیونکیشن) اور ''Teleaesic'' (ٹیل ایسک) بھی شامل ہیں، اس پروجیکٹ کا مقصد ایسی ٹکنالوجی تیار کرنا ہے، جس کے ذریعے کوئی بھی شخص، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، تار اور اینٹینا کی مدد کے بغیر دوسرے شخص سے رابطہ قائم کرسکے، ''لورل کمپنی'' نے اس رابطے کی قیمت ۳ ڈالر فی منٹ طے کی ہے۔(۱)

(۳) دوسری کمپنی کا ''مارکہ'' یا نام کا استعمال:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کمپنی کسی سامان کے پروڈکشن میں دلچسپی رکھتی ہے؛ لیکن مقابلہ آرائی کی وجہ سے اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا، یا اس کے لیے سامان کا پروڈکشن تو ممکن ہوتا ہے؛ لیکن وہ اس مخصوص سامان کے لیے باقاعدہ کوئی کارخانہ قائم کرنے کو نامناسب سمجھتی ہے، یا کوئی مخصوص کمپنی کسی خاص سامان کے پروڈکشن میں مشہور اور ممتاز ہے اور وہ سامان، کمپنی کے نام سے چلتا ہے، ان تمام صورتوں میں ایک کمپنی دوسری کمپنی کا نام استعمال کرنے کا حق خرید لیتی ہے اور ''سامان'' کو اسی کمپنی کے نام سے بازار

(۱) رسالہ الثقافة العالمية،کویت عدد ۸۵، ۱۹۹۷ء ص:۲۹۔

میں فروخت کرتی ہے، حال آں کہ وہ سامان اس کمپنی کا نہیں ہوتا، جس کا نام پڑھ کر لوگ خریدتے ہیں، توسّع کا یہ طریقۂ کار گاڑی، جہاز اور کمپیوٹر کے میدانوں میں زیادہ اپنایا جاتا ہے، اس طرح کا معاہدہ دو موبائل کمپنیوں "Nokia" (نوکیا) اور "Corporation Digital" (کارپوریشن ڈیجیٹل) کے درمیان عمل میں آیا، جس کی رو سے ثانی الذکر کمپنی کو "وینزویلا" میں "GSM-900" نامی نیٹ ورک قائم کرنے اور "نوکیا" کمپنی کا نام استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔(۱)

(۴) مقابل کو راستے سے ہٹانے کی خاطر انضمام:

کبھی کوئی کمپنی دوسری کمپنی کے ساتھ انضمام کر لیتی ہے، یا اس کو خرید لیتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ بازار میں اس کے ساتھ مقابلہ کرنے والوں کی تعداد میں کمی آجائے اور وہ تنِ تنہا زیادہ سے زیادہ دولت بٹور سکے، مشہور کار کمپنی "B.M.W." نے دنیا کی سب سے مہنگی کار بنانے والی کمپنی "رولز رائس" کو خرید لیا، اس کمپنی کو خریدنے کے لیے ایک دوسری کار کمپنی "فولکس فائن" بھی قطار میں تھی؛ لیکن وہ "رولز رائس" کو خرید نہ سکی، "B.M.W" کا مقصد یہی تھا کہ لوگ خواہ "رولز رائس" خریدیں یا "B.M.W." کی بنائی ہوئی مہنگی گاڑیاں، دونوں صورتوں میں پیسہ ایک ہی کی جیب میں جائے گا۔(۲)

ٹیلی فون کے میدان میں امریکہ کی سب سے بڑی کمپنی

---

(۱) اخبار "القبس" کویت ۴/۹/۱۹۹۸ء۔

(۲) الأھرام، قاہرۃ ۱۱/۵/۱۹۹۸ء۔

"Bell Atlantic Corp." (بیل اٹلانٹک کارپوریشن) نے اعلان کیا کہ وہ اپنی مقابل کمپنی "Gte Corp." (جی ٹی ای کارپوریشن) کو ۵۲٫۸ بلین ڈالر میں خرید رہی ہے، اس اتحاد کے نتیجے میں ایک ایسی عظیم کمپنی کا وجود ہوگا، جس کا کنٹرول پورے امریکہ کے ایک تہائی گھریلو ٹیلی فون پر ہوگا۔(۱)

اسی طرح کا قدم انشورنس کی مشہور عالمی کمپنی (Berkshire Hathway) "بیرکشائر ہیٹھ وے" نے اٹھایا، اس کمپنی نے میدان میں واقع اپنے مقابل کو ہٹانے کے لیے دوسری بڑی عالمی کمپنی "General Recorporation" (جنرل ری کارپوریشن) کو خرید لیا اور دنیا کی سب سے بڑی انشورنس کمپنی بن کر ابھری۔

(۵) زوال سے بچنے کے لیے انضمام:

بہت سی مرتبہ کوئی کمپنی خصوصاً چھوٹی کمپنی عالمی بازار میں ناکام ہو جاتی ہے اور مقابلہ آرائی نہیں کر پاتی، اس کے مالکان کمپنی کو زوال سے بچانے کے لیے کسی بڑی کمپنی کے ساتھ اشتراک کر لیتے ہیں، اس اشتراک سے جہاں چھوٹی کمپنی کا وجود خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے، وہیں بڑی کمپنی میں مزید وسعت پیدا ہو جاتی ہے، چناں چہ امریکہ کی ہوٹل کمپنی "Felcor Sute" (فیلکر سوئٹ) کو دوسری کمپنی "Bristol Hotel" (برسٹل ہوٹل) کے ساتھ انضمام کرنا پڑا، تاکہ وہ اپنے آپ کو بازار میں باقی رکھ سکے، اس اتحاد کی وجہ

(۱) اخبار "الدیار" بیروت، ۳۰/ ۸/ ۱۹۹۸ء۔

سے ۲۴ مارچ ۱۹۹۸ء کو ایک نئی کمپنی "Felcor Lodgig Trust." (فیلکر لیگیج ٹرسٹ) کے نام سے ابھری اور ہوٹل و پراپرٹی (جائداد) کے میدان میں امریکہ کی سب سے بڑی کمپنی کہلائی۔(۱)

اسی طرح امریکی شہر "سینٹ لوئس" میں بجلی کے تار بنانے والی کمپنی (Berg Electronics) (برگ الیکٹرانکس) نے اعلان کیا کہ وہ فرانسیسی کمپنی "Framatome Connectors International" (فریماٹوم کنکٹرس انٹرنیشنل) کے ساتھ ۸۵ء۱ بلین ڈالر کے عوض انضمام کر رہی ہے، معاوضہ دینے کے ساتھ ساتھ "فریماٹوم کمپنی" "برگ الیکٹرانکس" کے ذمے واجب الادا قرضے بھی اتارے گی۔(۲)

یہ وہ طریق ہائے کار ہیں، جن پر عمل کر کے پہلے ہی سے بدہضمی کا شکار کمپنیاں مزید توسع اختیار کرتی ہیں اور اپنا دائرۂ کار پھیلاتی ہیں، ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح ان تمام علاقوں تک پہنچا جائے، جہاں تک ان کی مصنوعات نہیں پہنچ سکی ہیں، حال آں کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے باہمی انضمام سے، جہاں دولت ۱۰ آدمیوں سے سمٹ کر ۵ آدمیوں تک محدود رہ جاتی ہے، وہیں اس کے علاوہ بھی بہت سی خرابیاں ہیں، جن کو ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) ملٹی نیشنل کمپنیوں کے باہمی انضمام کی وجہ سے چھوٹی کمپنیوں کا خاتمہ

---

(۱) اخبار "القبس" کویت ۲۹/۸/۱۹۹۸ء۔

(۲) اخبار "القبس" کویت ۳۱/۸/۱۹۹۸ء

ہو جاتا ہے، نتیجتاً معاشرے میں صرف دو طبقے رہ جاتے ہیں: انتہائی مال دار اور غریب۔ ''مڈل کلاس'' (درمیانہ طبقہ) کا وجود باقی نہیں رہتا۔

(۲) بے کاری کے تناسب میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں میں بے روزگاری عام ہو جاتی ہے، یہ تناسب تیسری دنیا کے ممالک میں مزید بڑھ جاتا ہے، جن کی حیثیت محض صارف کی ہو کر رہ گئی ہے، پیداوار اور سامان سازی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۳) نئے صنعت کاروں کے سامنے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو تجارت کا میدان ترک کر کے، ملازمت اختیار کرنے پر مجبور پاتے ہیں۔

(۴) انضمام کے نتیجے میں کسی خاص سامان کو بنانے والی ایک ہی کمپنی میدان میں رہ جاتی ہے، جس کی بنا پر لوگوں کے پاس اسی کمپنی کا بنایا ہوا سامان خریدنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، خواہ کمپنی سامان کا معیار بڑھائے یا گرائے، قیمت میں اضافہ کرے یا کمی کرے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بے انتہا وسعت کو دیکھتے ہوئے اس بات میں اختلاف کی گنجایش نہیں رہ جاتی کہ عالمی ثروت و دولت، جو سب کا مشترکہ اثاثہ ہے، صرف چند فی صد لوگوں کے قبضے میں ہے، جب کہ ۸۰ فی صد لوگ اس سے محروم ہیں، صہیونیوں کے اشاروں پر چلنے والی مغربی حکومتیں اقتصادی گلوبلائزیشن کی حمایت اسی لیے کرتی ہیں، تاکہ ان کی کمپنیوں کو زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور اپنے ملک کی معیشت مضبوط کرنے کا موقع ملے اور مال و دولت

کی راہ سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکان (جن کی اکثریت یہودی ہے) اپنے پیش رووں کے ''پروٹوکولز'' کو عملی جامہ پہنا سکیں اور عظیم تر اسرائیل کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکیں؛ لیکن افسوس ترقی پذیر ممالک کے ان راہ نماؤں پر ہے، جو اپنے عوام کے گلے پر چھری رکھ کر غیر ملکی کمپنیوں کا خیر مقدم کر رہے ہیں اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے ملکوں میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی آمد، اقتصادی ہم آہنگی کے پیش نظر ہے اور ان کمپنیوں کا مقصد یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی طرح ترقی پذیر ممالک بھی آگے بڑھیں اور ترقی کی بلندیوں کو چھوئیں، حال آں کہ اقتصادی ہم آہنگی ہی اگر مقصود ہے، تو اس کے لیے ہونا یہ چاہیے تھا کہ ترقی یافتہ ممالک اپنی کمپنیاں غریب ممالک میں قائم کرتے، نفع کمانے کے بعد وہ کمپنیاں ان ہی ممالک میں رہ جاتیں، جب کہ تاجرین دیگر ممالک کا رخ کرتے؛ لیکن اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک کی توسع پسند کمپنیاں ترقی پذیر ممالک کی مقامی اقتصادیات کو تباہ کر رہی ہیں اور وہاں کے عوام کی محنت سے کمائی ہوئی روزی روٹی پر بھی ہوس ولالچ کی نگاہیں گاڑے ہوئے ہیں، درحقیقت یہی اقتصادی گلوبلائزیشن کا حقیقی چہرا ہے۔(۱)

اقتصادی گلوبلائزیشن اور خطرات ومفاسد

اقتصادی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں جہاں اقتصادی کھلے پن اور

(۱) مقالہ Globalization From The Perspective of Islam and Modernity از عاطف سہیل صدیقی دیوبندی۔

آزادانہ تجارت کو فروغ ملا ہے، وہیں اس سے وابستہ بہت سے خطرات بھی سامنے آئے ہیں، اگرچہ گلوبلائزیشن کے پالیسی ساز ادارے یہ پروپیگنڈا کرتے نہیں تھکتے کہ عالم گیریت کے مکمل نفاذ کے بعد، پوری دنیا میں یکسانیت کی لہر دوڑ جائے گی اور مشرق میں بھی وہی اشیا دست یاب ہوں گی، جو مغرب میں ہیں، مسافتیں ختم ہوجائیں گی اور ہر شخص بہ آسانی دنیا میں ہونے والی ترقیات سے استفادہ کرسکے گا؛ لیکن اقتصادی گلوبلائزیشن کی وجہ سے جو خطرات سامنے آئے ہیں، انھوں نے مغرب کے ان دعووں پر سوالیہ نشان ہی نہیں لگایا؛ بل کہ ان کو کھوکھلا ثابت کردیا ہے، گلوبلائزیشن کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کرنے والے جان گئے ہیں کہ مغرب کی جانب سے کی جانے والی اقتصادی گلوبلائزیشن کے فوائد کی تشہیر، پروپیگنڈے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، ذیل میں ان ہی چند خطرات کی نشان دہی کی جارہی ہے۔

(۱) اقتصادی گلوبلائزیشن کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ پوری دنیا کی دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس آگئی چناں چہ ۳۵۸ افراد ایسے ہیں، جن کی دولت دنیا کی نصف آبادی کی دولت کے بقدر ہے، ۲۰ فی صد ممالک پوری دنیا کی ۸۵ فی صد پیداوار اور ۸۴ فی صد عالمی تجارت پر قابض ہیں، جب کہ ان ممالک کے باشندے ۸۵ فی صد عالمی غذائی ذخیروں سے مستفید ہوتے ہیں اور دیگر ممالک کے عوام محروم رہ جاتے ہیں، یا ان تک بہت کم غذائی اجناس پہنچ پاتی ہیں؛ بل کہ صرف ۰.۵ ۱۹ فی صد سرمایہ کاری کا نفع اور ایک فی صد سے بھی کم عالمی تجارت کے ذریعے ہونے والی آمدنی ان ممالک کے حصے میں آتی

ہے، جہاں دنیا کے ۸۲ فی صد لوگ آباد ہیں۔(۱)

(۲) ترقی پذیر ممالک کے لیے اقتصادی گلوبلائزیشن سے پیدا ہونے والا خطرہ، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری ہے، جن کے واسطے سے ترقی یافتہ ممالک، غریب ممالک کو زیر نگیں کر لیں گے اور ان پر اپنا تسلط قائم کر بیٹھیں گے، مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے یہ دعویٰ حقیقت میں بدلتا نظر آتا ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

> ''امریکہ، جاپان، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کی ۳۵۰ بڑی کمپنیاں ایسی ہیں، جو ۴۰ فی صد عالمی تجارت پر قابض ہیں، انھی ممالک کی ۱۰ بڑی کمپنیوں کا، سلکی ولاسلکی مواصلاتی سیکٹر (عام فون اور موبائل) میں عالمی سطح پر ۸۶ فی صد حصہ ہے، یہی پانچ ممالک ہیں جن کی کمپنیاں ہتھیاروں کے ۸۵ فی صد، کمپیوٹر کے ۷۰ فی صد، جانوروں کی ادویات کے ۶۰ فی صد، عام دواؤں کے ۳۵ فی صد اور زرعی وسائل کے ۳۷ فی صد حصص کی مالک ہیں، اس حیران کن رپورٹ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ چند ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ترقی پذیر ممالک پر اجارہ داری قائم ہو چکی ہے، وہ دن دور نہیں، جب ان ممالک کے داخلی امور بھی براہِ راست ترقی یافتہ ممالک کے حکمرانوں کے ذریعے طے ہوا کریں گے۔(۲)

(۳) اقتصادی عالم گیریت کے نتیجے میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں زبردست فرق دیکھنے میں آیا ہے، حتی کہ ایک ہی ملک کے باشندوں کے درمیان آمدنی کے حوالے سے خطِّ فاصل قائم ہے، اکثریت ان لوگوں کی ہے،

---

(۱) العولمة، ص:۱۹، از ڈاکٹر صالح الرقب۔

(۲) رسالہ: البیان ص:۱۰۲ مقالہ: نهاية الجغرافية، بہ حوالہ العولمة ص:۱۹۔

جن کی زندگی اس مشین کے مانند ہے، جسے سرمایہ دارانہ مغربی طاقتوں کی خدمت کرتے ہی رہنا ہے، گلوبلائزیشن کا دفاع کرنے والے بڑے زور و شور سے یہ تشہیر کرتے ہیں کہ اقتصادی عالم گیریت سے عالمی سطح پر آمدنی کے معیار میں اضافہ ہو رہا ہے اور دنیا کے اکثر ممالک کو درپیش فقر و غربت میں کمی آ رہی ہے؛ لیکن اعداد و شمار اور حقائق دنیا کی تکلیف دہ صورت حال سے پردہ اٹھاتے ہیں، مغربی دنیا (جو گلوبلائزیشن کی فکر کو پیش کرنے والی اور اس کی حمایت کرنے والی ہے) میں اگرچہ آمدنی کا تناسب بڑھا ہے، لیکن اس کے برخلاف ترقی پذیر ممالک میں، اس تناسب میں کافی حد تک کمی بھی آئی ہے اور ترقی یافتہ و ترقی پذیر ممالک کے باشندوں کے درمیان گہری خلیج حائل ہو گئی ہے، چناں چہ دنیا میں ۲ ارب سے زائد افراد ایسے ہیں، جن کی آمدنی ماہانہ ۶۰ ڈالر سے بھی کم ہے، بہ الفاظ دیگر جس غربت کے ختم ہونے کا عالم گیری دعوی کر رہے ہیں، وہ ختم ہونے کے بجائے تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

ماہر اقتصادیات ''تروس اسکوٹ'' نے ترقی پذیر ممالک میں بڑھتی ہوئی غربت کی دو وجوہات ذکر کی ہیں:

''پہلا سبب یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک، غریب ملکوں سے ملازمت پیشہ افراد کی آمد کے لیے تیار نہیں ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ ان کے ملکوں میں ترقی پذیر ممالک سے ملازمت کے لیے لوگ آئیں، انھوں نے ''ویزا'' کے حصول کے لیے ایسے قوانین بنا دیے ہیں کہ چند افراد ہی ان ممالک میں داخل ہو پاتے ہیں، چناں چہ جن افراد نے ترک وطن کر کے، ترقی یافتہ ممالک کا رخ کرنے کی

کوشش کی، ان میں سے صرف ۴ فی صد افراد ہی کامیاب ہو پائے، حال آں کہ ترقی پذیر ممالک کی منڈیوں میں اجارہ داری قائم کرنے کے بعد ہی ترقی یافتہ ممالک کو یہ ترقی نصیب ہوئی ہے۔

دوسرا اہم سبب یہ ہے کہ مالدار ممالک زیادہ ترقی پذیر ملکوں سے زرعی پیداوار برآمد نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ترقی پذیر ممالک کی کمپنیاں عالمی تجارت میں کوئی قابل ذکر نفع حاصل کر پاتی ہیں، لہٰذا ان ممالک میں روز بروز غربت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"(۱)

(۴) عالمی ثروت کی تقسیم میں جو امتیاز اور قومی، نسلی اور ملکی فرق در آیا ہے، اسی طرح کا فرق ملکوں کی مقامی دولت کی تقسیم میں بھی دیکھنے میں آیا ہے، کہ ایک ہی ملک کا ایک طبقہ اقتصادی عالم گیریت کی وجہ سے ملک کی دولت کے بڑے حصے پر قابض ہے، اس کے برخلاف ایک بڑا طبقہ ایسا بھی ہے، جو اس سے یکسر محروم ہے، حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال ایسے ملک میں بھی ہے، جو ترقی یافتہ شمار ہوتا ہے، اس سے ترقی پذیر ممالک کی صورت حال کا اندازا لگانا کچھ مشکل نہیں رہ جاتا، چناں چہ فرانس کی صرف ۲۰ فی صد آبادی، تقریباً ۷۰ فی صد قومی آمدنی سے استفادہ کر رہی ہے، جب کہ ۲۰ فی صد تناسب ان لوگوں کا بھی ہے، جن کے حصے میں ملکی دولت کا صرف ۶ فی صد ہی آپاتا ہے۔(۲)

(۵) تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور تنخواہوں میں کمی بھی

(۱) اخبار "الرأي العام" کویت، مقالہ: العولمة لمصلحة الأغنياء، از صلاح الفحلي۔
(۲) العرب والعولمة ص: ۱۳۱۔

اقتصادی عالم گیریت کی دین ہے، اعداد وشمار خطرناک صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں، چناں چہ ۸۰۰ملین افراد دنیا میں اس وقت بے روزگاری کا سامنا کررہے ہیں اور یہ تعداد روز افزوں ہے، گزشتہ ۱۰ سالوں میں ۵۰۰ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ہر سال اوسطاً ۴ لاکھ ملازمین کو نکالا ہے، حال آں کہ ان کمپنیوں کے منافع میں کوئی کمی نہیں آئی ہے؛ بل کہ ان کی دولت میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، حتیٰ کہ ایک کمپنی کی سالانہ آمدنی کی تقسیم کے وقت ہر مالک کے حصے میں ۵ ملین ڈالر آئے ہیں۔(۱)

اقتصادی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری سے پریشان ہوکر، ترقی یافتہ ممالک خصوصاً امریکہ میں عالم گیریت کی مخالفت، عوامی سطح پر ہورہی ہے، شہری اور معاشرتی تنظیمیں سڑکوں پر اتر آئی ہیں اور مزدور طبقے کی یونینیں اجتماعی مظاہروں کا سہارا لے رہی ہیں۔(۲)

بے روزگاری کی وجہ سے بڑھتی ہوئی غربت نے جرائم کے دائرے کو وسیع کردیا ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کو اپنا پیٹ پالنے کے لیے منظم جرائم کرنے پر مجبور کردیا ہے، ایسے بہت سے گروہ ہیں، جن کے تمام ممبران پڑھے لکھے اور کمپیوٹر کے ماہرین ہیں اور وہ انٹرنیٹ کی مدد سے غیر قانونی کاموں میں مصروف ہیں، یہ گروہ ایسے متمول افراد کی مدد کرتے ہیں، جو ٹیکس سے بچنا چاہتے ہیں، چناں چہ یہ گروہ ان کی دولت انٹرنیٹ کے ذریعے بیرون ملک

(۱) ایضاً۔

(۲) العولمة ص:۱۲۰ از صالح الرقب۔

منتقل کر دیتے ہیں، صرف ۱۹۹۰ء میں ہی ''روس'' سے ۱۵ ارب ڈالر انٹرنیٹ کی مدد سے، غیر قانونی طور پر منتقل ہوئے۔

یورپی ملک ''آسٹریا'' میں سیکیورٹی اہل کاروں کے مطابق مافیا گروہوں کی دولت ۱۹ ارب ڈالر سے زائد ہے، حال آں کہ حکومت ٹیکس نہ دینے اور غربت میں مسلسل اضافے کی وجہ سے سخت مشکلات کی شکار ہے، یہ تو وہ جرائم ہیں جن کا تعلیم یافتہ لوگ، اپنی تعلیم کا غلط استعمال کر کے ارتکاب کر رہے ہیں، اس کے علاوہ معاشرے میں بڑھتے ہوئے دیگر خطرناک جرائم کا تو کوئی شمار نہیں ہے۔(۱)

(۶) ترقی یافتہ ممالک اقتصادی عالم گیریت کی راہ سے ترقی پذیر ممالک پر اقتصادی اور زراعتی پالیسیاں نافذ کر رہے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں اقتصادی ترقی نہ ہو سکے اور یہ ممالک مغربی مصنوعات کے صارفین ہی بنے رہیں، ترقی یافتہ ممالک کی جانب سے عائد کردہ منفی پالیسیوں کی وجہ سے، کچھ ممالک میں ترقی کی رفتار یکسر ختم ہو گئی حتی کہ ۱۹۹۸ء میں تو ان ممالک میں ایک فی صد بھی ترقی نہیں ہوئی، بے روزگاری بڑھی اور بہت سے معاشرتی و معاشی مسائل نے جنم لیا۔(۲)

(۷) عالم گیریت کے سایے میں عربوں کے ذرائع آمدنی کو کم زور کرنے کی بھی کوششیں جاری ہیں، عربوں کا اصل ذریعۂ آمدنی تیل ہے، جو اس وقت

---

(۱) العولمة، ص:۲۱۔

(۲) الرسالة، غزہ پٹی عدد ۱۳۱، ۲۸ شوال ۱۴۲۰ھ ص:۲۱۔

مغربی ممالک کی سب سے بڑی ضرورت ہے؛ بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ مغرب کی ترقی عربوں کے تیل پر ہی موقوف ہے تو غلط نہ ہوگا؛ لیکن ترقی یافتہ ممالک نے اوّلاً تیل کو محض ایک سامان قرار دے کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی، ثانیاً اس کو مصنوعات کی اس فہرست سے مستثنیٰ قرار دے دیا، جن کی آزادانہ تجارت عالمی سطح پر ہوتی ہے اور وہ ٹیکس اور دیگر کسٹم ڈیوٹیوں سے بری ہوتے ہیں، لیکن ترقی یافتہ ممالک اور خصوصاً امریکہ تیل کی آزادانہ تجارت کو گوارا نہیں کرتا؛ بل کہ اس پر بھاری بھرکم ٹیکس لاگو کیا جاتا ہے، جو عرب ممالک ادا کرنے پر مجبور ہیں، جس کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کو تیل پر محض ٹیکس لگانے کی بہ دولت، عربوں سے (جو پوری دنیا میں تیل سپلائی کر رہے ہیں) تین گنا زیادہ نفع حاصل ہو رہا ہے، مزید برآں امریکی کانگریس نے ایک قانون بھی متفقہ طور پر پاس کیا ہے، جس کی رو سے ''اوپیک'' تنظیم (تیل سپلائی کرنے والے ممالک کی تنظیم) سے وابستہ تمام ممالک تیل کی قیمتیں بڑھانے کی صورت میں پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں۔(۱)

یہ وہ خطرات ہیں جو اقتصادی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں، ترقی پذیر ممالک کو درپیش ہیں اور ان کو اقتصادی اعتبار سے کھوکھلا کر رہے ہیں، تقریباً نصف صدی پہلے ساری دنیا کی دولت وثروت سمیٹنے کے لیے مغرب نے جو سازشیں کیں اور منصوبے بنائے، آج ان کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے؛ صہیونی سازشی ذہنوں نے ۵۰ سال تک مختلف ذرائع استعمال کر کے، اپنے مقصد کے

---

(۱) ایضاً۔

لیے راہ ہموار کی، معاہدوں اور تنظیموں کی مدد سے ترقی پذیر ممالک کو، اپنی بنائی ہوئی پالیسیاں اختیار کرنے پر مجبور کیا، موجودہ حالات کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ صہیونی اور صہیونیت پرست مغرب، دونوں ہی اپنی مشترکہ کوششوں میں کام یاب ہیں اور عالم اسلام سمیت پوری دنیا کو اپنی اقتصادی کالونی میں تبدیل کر چکے ہیں۔

لیکن سچ بہ ہر حال زبان پر آ ہی جاتا ہے، اگر چہ اس کو بیان کرنے کے لیے محتاط الفاظ ہی کا استعمال کیوں نہ کیا جائے، چناں چہ مغربی مفکرین Phillip.F. Kally (فلپ ایف کیلی) اور "Kris olds" (کرس اولڈس) جو کہ عالم گیریت کی اقتصادی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں، اس بات کے قائل ہیں کہ:

"گلوبلائزیشن حد سے زائد تجاوز کر چکا ہے، یہ اگر اقتصادی فلاح کا راستہ ہے تو اقتصادی بحران کا بھی بڑا ذریعہ ہے، اس کا مواخذہ اور احتساب ضروری ہے۔(۱)

☆☆☆☆☆☆

(۱) Questions in Crisis ص:۲ بہ حوالہ مقالہ: Globalaization From The Perspective of Islam and Modernity مقالہ نگار: عاطف سہیل صدیقی دیوبندی۔

چوتھا باب
ثقافتی عالمگیریت

دین اور ثقافت
تہذیبوں کے درمیان مذاکرات
ثقافت کیا ہے؟
ثقافت کی عالم کاری اور اس کا مقصد
ثقافتی بالادستی ایک قدیم روش
مواصلات مغربی ثقافت کا ہتھیار
امریکی میڈیا
مواصلاتی دنیا پر امریکی سایہ
پروپیگنڈا ایک مؤثر ہتھیار
امریکی ثقافت کا نقیب ''ہالی وڈ''
عالمی لباس
ماکولات ومشروبات میں اندھی تقلید
ثقافتی عالم گیریت اور اس کے اثرات
خرید وفروخت اور مغرب پرستی
نام نہاد جنسی ادب اور تشدد کی
ثقافت کو فروغ
مغرب پرستی
عالم اسلام میں فیشن...
ایک دردناک صورت حال
مغرب زدہ مسلمانوں کا اعتراض
لسانی عالم گیریت کی طرف بڑھتے قدم
زبان اتحاد کا ذریعہ
لسانی عالم گیریت کا مطلب
انگلش زبان کی عالم کاری: طریقۂ کار
امریکن انگلش ہی دراصل عالمی زبان
انگلش زبان کے اثرات
انگلش کا عربی زبان پر اثر
دیگر زبانوں کا وجود خطرے میں
مختلف قوموں کو لاحق فکر
لسانی گلوبلائزیشن کا مقابلہ کیسے کیا
جائے؟
ثقافتی حملے کا اصل نشانہ مسلمان
امریکی ثقافت میں اتنی قوت کیسے؟
ثقافتی عالم گیریت کے بارے میں
مفکرین کی رائے
اسلامی دنیا سبق لے

دین اور ثقافت

قدیم زمانے ہی سے مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے ماننے والوں کے درمیان رسہ کشی چلی آرہی ہے، ان کے درمیان اختلاف کی ایک گہری خلیج حائل ہے، جس کو پاٹنا ناممکن ہے، ہر تہذیب دوسری تہذیب سے جدا اور مختلف ہے، ہر تمدن اپنے اندر مختلف خصوصیات و امتیازات لیے ہوے ہے، اس لیے فطری طور پر ان تہذیبوں اور تمدنوں کے ماننے والے بھی مختلف راہوں کے مسافر ہیں؛ حتی کہ راہوں کے اختلاف کے ساتھ ساتھ ان کی منزلیں بھی الگ الگ ہیں؛ لیکن اس اختلاف کی بنیاد، ان تہذیبوں اور ثقافتوں کا مختلف ہونا نہیں ہے؛ بل کہ ان مذاہب و ادیان کا اختلاف بنیاد ہے، جن سے یہ تہذیبیں نکلی ہیں اور الگ الگ تمدن وجود میں آئے ہیں، ایک قوم اگر دین و مذہب میں متحد ہو، تو اس کی تہذیب و ثقافت بھی عموماً ایک ہی ہوتی ہے؛ لیکن اگر ایک ہی خطّے کے باشندے الگ الگ مذاہب کے پیروکار ہوں، تو ان کے درمیان

تہذیب وثقافت کے اختلاف کا پایا جانا بھی ناگزیر ہے، تاریخ نے جب سے مختلف ادیان کو اپنے اوراق میں محفوظ کیا ہے، تبھی سے مختلف ثقافتوں نے بھی اس میں اپنی جگہ بنائی ہے اور جب تک روے زمین پر مختلف مذاہب کا وجود رہے گا، تب تک مختلف ثقافتیں بھی اس عالمِ رنگ وبو میں پائی جاتی رہیں گی، لہذا جس طرح ماضی میں مختلف مذاہب کا وجود، تہذیبوں کے اختلاف کی بنیاد بنا ہے، اسی طرح مستقبل میں بھی بنیاد بنے گا۔

اس مسلمہ حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تہذیب وتمدن میں اصل عنصر ''دین'' ہے، اس کلیے پر تاریخِ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے متفق نظر آتے ہیں، چناں چہ یہی ''دین'' ہے، جو قوم کے مزاج، معاشرے اور تہذیب وثقافت پر اثر انداز ہوتا ہے، دین ہی سے اخلاق سنورتے ہیں اور یہی اخلاقی انحطاط کا بھی سبب بنتا ہے؛ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے پیروکاروں نے اسے انسانی اختراعات کا پلندہ بنادیا ہو۔ بنابریں یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان کسی دین کا ماننے والا ہو؛ لیکن اس دین ومذہب کی پیش کردہ تہذیب اپنانے کے بجائے، غیروں کی تہذیب اپنائے اور اس کے عمل کو درست قرار دے دیا جائے، اس لیے کہ اس کا یہ عمل تمام ادیان کی تعلیمات کے خلاف ہے، اس کے باوجود اگر کوئی لادینیت والحاد کے سیلاب میں بہہ کر، یا اندھی تقلید کے دلدل میں پھنس کر، اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھے اور اپنی تہذیب وتمدن کو ترک کر کے، غیروں کی ثقافت کو اپنا لے، تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تہذیب وثقافت کے ساتھ ساتھ، اس کا دین بھی اس سے رخصت ہونے لگتا

ہے اور رخت سفر باندھ لیتا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایک دین اور مذہب کا پیروکار، اسی دین کی پیش کردہ تہذیب کو اختیار کرے اور اس سلسلے میں اپنی فراخ دلی کا مظاہرہ نہ کرے۔

مذکورہ بالا تمہید کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ تہذیب وثقافت، محض چند رسوم ورواج اور افکار وخیالات کے مجموعے کا نام نہیں ہے؛ بل کہ تہذیب وتمدن میں حقیقی طور پر مذہبی عنصر غالب ہے، کسی بھی تہذیب میں پائے جانے والے نظریات وخیالات اور اس میں موجود رسوم ورواج کا سلسلہ، کسی نہ کسی طرح مذہب سے ضرور ملتا ہے، اس بحث سے قطع نظر کہ وہ رسوم ورواج مذہب کی نظر میں صحیح ہیں یا غلط، ہمارے اردگرد ہونے والی رسموں اور نسل درنسل چلے آرہے رواجوں کو ہمیشہ مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، اس لیے کسی بھی دین کا سچا متبع بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ، اس دین کی ثقافت اور کلچر کو بھی انسان اپنائے اور اپنی زندگی میں کسی دوسری قوم کی ثقافت کو بسنے کا موقع نہ دے۔

تہذیبوں کے درمیان مذاکرات

گزشتہ چند سالوں سے گلوبلائزیشن کی اصطلاح کے ساتھ ساتھ، دوسری دو اصطلاحوں کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

(۱) تہذیبوں کا تصادم

(۲) تہذیبوں کے درمیان مذاکرات

عالم گیریت کے کچھ مؤیدین کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں پائی جانے والی

مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کردیا جائے، ہر تہذیب کے ماننے والے، دوسری تہذیبوں سے بھی اچھی باتیں اخذ کریں اور انھیں اپنی زندگی میں جگہ دیں، اس کے لیے مختلف تہذیبوں کے نمایندے، باہمی مذاکرات کی راہ اپنائیں اور ہر تہذیب کی قابل قبول باتوں پر اتفاق کرلیں، اس طرح ایک عالمی تہذیب اور یکساں ثقافت کا وجود ہوسکتا ہے۔

لیکن اگر اس نظریے کو مذہبی تناظر کے ساتھ ساتھ موجودہ صورت حال کی روشنی میں دیکھا جائے، تو یہ ناممکن نظر آتا ہے، اس لیے کہ ہر مذہب کی ایک تہذیب ہے، ہر دین کسی نہ کسی تمدن کا حامل ہے، اس لیے تہذیب وتمدن کا ترک کرنا، دراصل اس مذہب کو ترک کرنے کے مرادف ہے، علاوہ ازیں گزشتہ چند سالوں میں دنیا کے مختلف گوشوں میں، تہذیبوں کو قریب لانے سے متعلق جو کانفرنسیں ہوئیں، ان میں اسلامی تہذیب ہی کو نشانہ بنایا گیا اور اسلامی ثقافت کے بڑے حصے کو پس پشت ڈال دینے کی ترغیب دی گئی، نیز اس کی جگہ مغربی تہذیب وتمدن کو اپنانے پر زور دیا گیا، اس لیے ''تہذیبوں کو قریب لانے'' کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے؛ بل کہ یہ محض فریب اور دھوکہ ہے۔

موجودہ دور میں جس کو حقیقت کہا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ گلوبلائزیشن کے ٹھیکے داروں کی یہ کوشش رہی ہے اور مستقبل میں بھی یہی رہے گی کہ ہر قوم کی تہذیب، ثقافت اور اس کے تمدن کو ختم کردیا جائے اور پوری دنیا میں ایک ہی طرح کی تہذیب رائج کردی جائے، جو مغربی بل کہ امریکی اقدار پر مبنی ہو، تاکہ دنیا اُس تہذیب کو اپنا کر اس طرح زندگی گزارے کہ مغربی مفادات میں

کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو اور عالم گیریت اپنے تمام مقاصد میں کام یابی سے ہم کنار ہو جائے، اس لیے کہ جب سطحِ زمین پر پائی جانے والی قومیں، امریکی ثقافت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں گی، تو انھیں امریکہ کی سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں کو اپنانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ثقافتی عالم گیریت پوری دنیا میں کس طرح فروغ پا رہی ہے؟ اس کے کیا اسباب وعوامل ہیں؟ کیا اہداف ومقاصد ہیں؟ اور کیا آثار ونتائج ہیں؟ لیکن ان باتوں سے پہلے آیئے ثقافت کے معنی اور اس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ثقافت کیا ہے؟

ثقافت کی تعریف میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چند ایسے مختلف عقائد وافکار اور رسوم ورواج کے مجموعے کا نام ہے، جو ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتا ہے۔ (۱) اسی ثقافت سے ایک انسانی جماعت یا معاشرہ، دیگر جماعتوں اور معاشروں سے الگ اور منفرد ہوتا ہے اور اسی سے معاشرے کے تشخص اور اس کی اہمیت کا اندازا ہوتا ہے۔

''مالک بن نبی'' ثقافت کی تعریف میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''ثقافت چند ظاہری اور باطنی چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، ظاہری چیزوں میں جیسے حرکات وسکنات، لہجے اور بولیاں، جب کہ باطنی چیزوں میں ذائقے، احساسات اور رسوم ورواج شامل ہیں، یعنی تمدن ایک ایسی فضا کا نام

(۱) العولمة والخصوصية الثقافية، از ادریس الکنبوری ص:۱۲ الشبكة الإسلامية
http//:www.islamweb.net

ہے، جو ایک معاشرے پر مخصوص زندگی کی ایسی چھاپ چھوڑ دے، جسے ہم کسی دوسری قوم اور معاشرے میں نہ دیکھ سکیں۔"(۱)

"Michel Bugnon Mordant" (مائکل بگنن مورڈنٹ) اپنی کتاب "أمریکا المستبدۃ" (عربی ترجمہ) میں لکھتے ہیں کہ:

"کسی بھی قوم کا تہذیبی ورثہ اس کی زبان، تاریخ، مہارت ولیاقت، فنی ادبی اور علمی صلاحیتیں رسوم ورواج اور اس کے اقدار ہوتے ہیں، جس طرح یہ مذکورہ چیزیں تمدن کا ایک حصہ ہیں، اسی طرح قوم کا لباس، کھانے پینے کی اشیا، اسلوب عمل، کھیل کود کے طریقے، محبت ومسرت اور خوشی وغم کا انداز اور اس کے احساسات وجذبات بھی ثقافت میں شامل ہیں، اگر ہم کسی قوم سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ اپنی مذکورہ صفات سے کنارہ کش ہو جائے، اپنے اندازِ فکر اور احساسات ونظریات سے عہدہ برآ ہو جائے اور اپنی زبان ولباس کو تبدیل کردے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس قوم سے اس کی ثقافت کو سلب کررہے ہیں اور اس کے تمدن کو چھین کر، دوسری تہذیب اس پر مسلط کررہے ہیں"(۲)

اب اگر وہ قوم ان تبدیلیوں کو قبول کرلے اور اپنی ثقافت سے منھ موڑ لے، تو گویا اس نے اپنے تشخص کا خاتمہ کردیا اور اپنے وجود پر سوالیہ نشان لگادیا۔

ثقافت کی عالم کاری اور اس کا مقصد

گلوبلائزیشن جہاں سیاسی اور اقتصادی سطح پر اپنے آپ کو نافذ کرنا چاہتا

(۱) تأملات. مشكلات الحضارة از مالک بن نبی ص: ۱۶۰ طبع دار الفکر دمشق پانچواں ایڈیشن۔

(۲) أمریکا المستبدة. الولایات المتحدة الخ ص ۱۰۱۔

ہے، وہیں تہذیب وثقافت کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے، سیاست اور معیشت کے بعد، اب اس کا مقصد یہ ہے کہ ثقافت کی بھی عالم کاری کردی جائے اور پوری دنیا پر ایک ہی طرح کا تمدن مسلط کر دیا جائے، لوگوں میں رنگ ونسل کا اختلاف تو پایا جائے (جو قدرتی اور یقینی ہے)؛ لیکن زبان، مزاج ومذاق، رہن سہن اور معیار زندگی، حتی کہ فکر ونظر میں بھی مماثلت اور یگانگت قائم ہو جائے، لوگوں کی زبان ایک ہو، جب کہ بقیہ زبانیں تاریخ کے حوالے کردی جائیں، ان کے احساسات ونظریات ایک طرح کے ہوں، تا کہ نظریات کے اختلاف کی وجہ سے، کسی کے مفادات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی ہو سکے اور ان کا طرز زندگی بھی ایک ہو، تاکہ زندگی میں کارآمد اشیا کو بنانے اور فروخت کرنے والی کمپنیوں کو، کبھی کساد بازاری کی شکایت نہ ہو سکے۔

اب تک عالم گیریت کے دیگر شعبوں میں مغربی اور امریکی اقدار کا غلبہ رہا؛ بل کہ دیگر رجحانات کی طرف نظر التفات بھی نہ کی گئی، سیاست کو امریکی مفاد کے مطابق ڈھالا گیا، اقتصادیات کو ملٹی نیشنل کمپنیوں کی خواہشات کے مطابق تشکیل دیا گیا، لہٰذا جب ثقافتی عالم گیریت کی باری آئی، تو فطری طور پر مغربی اور امریکی ثقافت ہی کو، اقوامِ عالم پر مسلط کرنے کے لیے منتخب کیا گیا، اسی کو یہ حق دیا گیا کہ وہ پوری دنیا کی مشترکہ تہذیب بنے، اسی کو اس لائق سمجھا گیا کہ وہ عالمی تمدن کی شکل اختیار کر لے۔

ثقافتی عالم گیریت کو اگرچہ ایک طبقہ کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا؛ لیکن

درحقیقت عالم گیریت کا سب سے خطرناک پہلو، ثقافتی عالم گیریت ہی ہے، کیوں کہ سیاست اور اقتصادیات کی عالم کاری مادّیت کے پیش نظر کی جارہی ہے، جب کہ ثقافت کا تعلق (جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) مذہب سے ہے، خصوصاً اسلامی تہذیب وتمدن، مذہب اسلام کا ایک اہم جزو ہے، اس لیے دنیا کی تمام تہذیبوں بشمول اسلامی تہذیب کو ختم کر کے، صرف مغربی تہذیب کو مسلط کرنا، براہ راست مذہب پر حملہ ہے، بنابریں ثقافتی عالم گیریت کو سہل پسندی کے ساتھ نہیں لیا جاسکتا۔

عالم گیریت کے پالیسی ساز ادارے، تہذیب وتمدن کی عالم کاری اس لیے کرنا چاہتے ہیں، تاکہ رسوم ورواج عادات واطوار اور معیار زندگی میں مماثلت کی وجہ سے، انسانیت دو طبقوں میں تقسیم ہوجائے: ایک طبقہ جس کے افراد زیادہ ہوں، ان کی حیثیت عالمی بازار کے ایک صارف کی ہو، ان کا کام ٹیکس ادا کرنا اور عالمی ثروت کے حق دار طبقے کی خدمت کرنا ہو، جب کہ دوسرا طبقہ کم افراد پر مشتمل ہو، جو سب کے سب تاجرین، صنعت کار اور سرمایہ کار ہوں، ان کا کام اپنی تجارت کو فروغ دینا اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانا ہو۔

ثقافتی عالم گیریت کا یہی مقصد ہے، کہ مغربی ثقافت کے رواج پانے سے جہاں سیاسی مفادات پورے ہوں، وہیں اقتصادی منصوبوں میں بھی کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو اور روے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہ بچے، جس کے ذہن میں مغربی پالیسیوں کے بارے میں سوالات کھڑے ہوں، جس کی زبان سے صہیونی مفادات کے خلاف کوئی حرف نکلے اور جس کی سوچ اور نظریے سے

دوسرے لوگ بھی راہ پائیں اور عالم گیریت کے راستے میں حائل ہو جائیں۔

ثقافتی بالادستی ایک قدیم روش

ہر باشعور اور زندہ قوم، اپنی تہذیب وتمدن کو اپنے لیے مایۂ افتخار سمجھتی ہے، اس کے نزدیک ثقافت سے بڑھ کر کوئی اجتماعی دولت نہیں ہوتی، اس لیے قدیم زمانے ہی سے تہذیب وثقافت کی نشر واشاعت کا سلسلہ قائم ہے، ہر قوم نے اپنے تمدن کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، فرق یہ ہے کہ کسی نے امن کی راہ اختیار کی، تو کسی نے پرتشدد طریقے سے یہ کام انجام دیا۔

چناں چہ قدیم مصری تاریخ میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ اس زمانے کی مصری تہذیب ہی دیگر اقوام کے لیے نمونہ سمجھی جاتی تھی، بقیہ تہذیبیں اپنے اپنے علاقوں تک محدود تھیں یا ان کا ٹمٹاتا ہوا چراغ بجھا چاہتا تھا، مصری تہذیب کے بعد یہ مقام ومرتبہ کنعانی ثقافت کو حاصل ہوا، قدیم ہندوستان کی ثقافت کو بھی یہ مرکزیت حاصل رہ چکی ہے۔

چین کا تمدن بھی اپنے زمانے میں لوگوں کے لیے باعث تقلید بنا ہے، اسکندر اعظم کی فتوحات کے ساتھ، یونانی تہذیب نے دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے جھنڈے گاڑے ہیں، اور اس کو مغرب سے لے کر مشرق تک، مرکزی تہذیب ہونے کا شرف حاصل رہا ہے، پھر رومی اور فارسی تہذیبوں کے بعد اسلامی تہذیب وتمدن کو یہ مقام حاصل رہا، جو شمال مغرب میں ''اندلس'' کو عبور کر کے یورپ تک پہنچی، شمال مشرق میں وسط ایشیا تک اور

جنوب مشرق میں فارس، ہندوستان، حتی کہ چین تک اس کی روشنی پھیلی ہوئی تھی؛ لیکن اسلامی تہذیب اور اسلام سے ماقبل کی ثقافتوں میں فرق یہی رہا کہ جس طرح اسلام، اخلاق ومساوات اور بلند اقدار جیسی تابندہ تعلیمات کے نتیجے میں چہار دانگ عالم میں پھیلا ہے، اسی طرح اسلامی تہذیب نے بھی اپنی امتیازی خصوصیات کی بنا پر، لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا ہے اور اقوام عالم نے رنگ ونسل کے اختلاف کے باوجود، اس میں کشش محسوس کی ہے، جب کہ سابقہ اقوام نے اپنی ثقافت کو رائج کرنے کے لیے، طاقت وقوت اور تشدد کی راہ اختیار کی اور زبردستی لوگوں کو اپنی تہذیب کا ہم نوا بنایا۔(۱)

آج جب تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا ہے اور تقدیر نے مغرب کو مشرق پر فوقیت عطا کی ہے، تو مغربی تہذیب وتمدن کے ماننے والوں کی یہی کوشش ہے کہ وہ اپنی تہذیب کو اطرافِ عالم میں رائج کردیں، وہ لوگ اپنی ان کوششوں میں بڑی حد تک کام یاب بھی ہیں، اس لیے کہ مغربی تہذیب اگرچہ اعلی اخلاقی اقدار سے یکسر عاری ہے؛ لیکن اس کی نشر واشاعت میں تشدد کا زیادہ حصہ نہیں رہا ہے؛ بل کہ اس مرتبہ مغربی تہذیب کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے، نئے طریقے ایجاد کیے گئے اور ان پر بڑی چالاکی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے عمل درآمد کیا گیا، انفارمیشن اور ٹکنالوجی کے میدان میں بڑھتی ہوئی ترقی نے مزید کام آسان کردیا اور مغربی تہذیب کو اس کے کھوکھلا ہونے کے باوجود، دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔

---

(۱) ما العولمة، از حسن حنفی ص:۳۸۔

آج ہم جس تہذیب کو مغرب کی جانب منسوب کرتے ہیں، وہ دراصل امریکی تہذیب ہے، اس لیے کہ یورپ کے پاس، جو ماضی میں ایک منفرد تہذیب کا حامل تھا، اب کچھ بچا ہی نہیں، جس کو وہ تہذیب کا نام دے، چند ممالک نے بہت دیر میں غفلتوں سے بیدار ہونے کے بعد، اپنی زبان کو ثقافتی ورثے کی حیثیت سے بچانے کی کوشش شروع کی ہے، ورنہ زبان کے علاوہ اب یورپ کے پاس اپنا کچھ نہیں رہ گیا، بل کہ سب کچھ امریکی رنگ میں رنگ چکا ہے، اس لیے زبان کے استثنا کے ساتھ مغربی تہذیب، دراصل امریکی تہذیب ہی کہلاتی ہے، جسے امریکہ نے یورپ سمیت پوری دنیا میں مواصلات کے ذریعے عام کیا اور اس میدان میں ترقی کی رفتار کے ساتھ ساتھ، امریکی تہذیب کے پھیلاؤ میں تیزی آتی گئی۔

مواصلات مغربی ثقافت کا ہتھیار

عالم گیریوں کو اس بات کا اندازا تھا کہ مستقبل میں اگر سیاسی اور اقتصادی میدان میں اپنی بالادستی قائم رکھنی ہے، تو امریکی ثقافت کی بھی عالم کاری کرنی ہوگی، اس مقصد کے لیے انھوں نے ''مواصلات'' کو، بہ الفاظ دیگر ذرائع ابلاغ کو ذریعہ بنایا، انھیں یہ معلوم تھا کہ اگر پورے عالم کی امریکہ کاری کرنی ہے، تو امریکی طرز زندگی کو مثالی اور قابل تقلید بنانا ہوگا، لوگوں کی عقلوں پر کمند ڈال کر، ان کو اپنے قابوں میں لینا ہوگا۔ لوگوں کے افکار وخیالات پر شب خون مارنے کے لیے، انھوں نے ذرائع ابلاغ کا انتخاب کیا اور اس راہ

سے پوری دنیا میں امریکی ثقافت کو قابل تقلید بنانے کی کام یاب کوشش کی۔

درحقیقت عالم گیریوں نے یہ طریقۂ کار یونانیوں سے اخذ کیا تھا، ''سقراط'' کے زمانے میں ہی یونان کے فرماں رواؤں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ محض سیاست کے گلیاروں پر قبضہ کر کے، اپنے اقتدار کو دوام نہیں بخشا جا سکتا، اس کے لیے عوام کی ذہن سازی کرنی ہوگی، انھیں اپنے تیار کردہ نقشۂ راہ پر چلانا ہوگا، اپنے رسوم ورواج کو ان کے نزدیک پر کشش بنانا ہوگا اور ان کی سوچ کو اپنی سوچ کے مطابق ڈھالنا ہوگا، یہی طریقہ عالم گیریوں نے اپنی تحریک کو دوام بخشنے کے لیے اختیار کیا اور اس طریقے کو ہمہ گیر بنانے کے لیے ذرائع ابلاغ کا انتخاب کیا۔(۱)

مواصلات دراصل ایسے افعال کا مجموعہ ہے، جن کے ذریعے لوگ آپس میں جذبات، احساسات، تأثرات، افکار؛ خیالات اور معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں، یہ تبادلہ ایسے وسائل کے ذریعے ہوتا ہے، جن کو دو الگ الگ قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ایسے محدود وسائل، جو محدود افراد کو باہم مربوط کردیں، ان وسائل میں ٹیلی فون، فیکس وغیرہ کے ساتھ ساتھ جلسے، کانفرنسیں اور سیمینار بھی شامل ہیں، چوں کہ یہ بھی چند افراد کے باہمی رابطے کا ذریعہ ہیں۔

(۲) ایسے وسائل جو غیر محدود افراد تک بات پہنچانے کا ذریعہ ہوں، ان میں اخبار، ٹی وی، سنیما، فلمیں، ٹی وی کے اشتہارات اور انٹرنیٹ وغیرہ داخل ہیں۔

---

(۱) أمریکا المستبدة... ص:۱۰۲ و ص:۱۰۸۔

امریکی ثقافت کے فروغ میں، دوسری قسم کے وسائل نے اہم کردار ادا کیا، جس پر امریکہ نے آغاز ہی سے اپنا کنٹرول قائم کر لیا تھا اور امریکہ کے واسطے سے یہودیوں نے ذرائع ابلاغ کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا، جو آج تک انھی کے زیرِ اثر ہے اور بدقسمتی سے جمہوریت کا چوتھا ستون کہلاتا ہے۔

امریکی میڈیا

یوں تو امریکی ذرائع ابلاغ کو ''امریکی میڈیا'' کہا جا سکتا ہے؛ لیکن درحقیقت یہ خالص یہودی میڈیا ہے، جو ارب پتی یہودی تاجروں کے زیر اثر ہے اور یہودی کمیونٹی کا سب سے بڑا ہتھیار سمجھا جاتا ہے، حتی کہ امریکی سیاست پر بھی اس کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ انتخابات میں کھڑا ہونے والا ہر امیدوار، اپنی جیت کو یقینی بنانے کے لیے، یہودی میڈیا کی خوشامد کرتا نظر آتا ہے، دراصل یہودیوں نے اپنے دانش وروں کے ''پروٹوکولز'' کو عملی جامہ پہنایا ہے، ''یہودی پروٹوکولز'' کے بارھویں باب میں درج ہے کہ ''ہماری منظوری کے بغیر کوئی ادنی سے ادنی خبر کسی سماج تک نہیں پہنچ سکتی، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہم یہودیوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ خبر رساں ایجنسیاں قائم کریں، جن کا بنیادی کام ساری دنیا کے گوشے گوشے سے خبروں کا جمع کرنا ہو، اس صورت میں ہم اس بات کی ضمانت حاصل کر سکتے ہیں کہ ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی خبر شائع نہ ہو سکے۔''

یہودی اپنے ''پروٹوکولز'' کو تشکیل دینے سے پہلے ہی امریکہ میں

۱۸۴۸ء میں ایک خبر رساں ایجنسی قائم کر چکے تھے، اس ایجنسی کو امریکہ کے پانچ بڑے روز ناموں نے مل کر ''ایسوسی ایٹیڈ پریس'' کے نام سے قائم کیا، نصف صدی گزر جانے کے بعد ۱۹۰۰ء میں یہ ایجنسی عالمی سطح پر کام کرنے لگی اور امریکہ میں شائع ہونے والے تمام اخبارات ورسائل سمیت، دنیا کے دیگر علاقوں کے ذرائع ابلاغ کو خبریں فراہم کرنے لگی، ۱۹۸۴ء کے اعداد وشمار کے مطابق، اس ایجنسی سے امریکہ میں تیرہ سو (۱۳۰۰) روز نامے اور تین ہزار سات سو اٹھاسی (۳۷۸۸) ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ ہیں، امریکہ سے باہر، گیارہ ہزار نو سو ستائیس (۱۱۹۲۷) روز نامے، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ ہیں، سیٹلائٹ اور دیگر ذرائع سے روزانہ، ۱۷ ملین (ایک کروڑ ستر لاکھ) الفاظ پر مشتمل مضامین میڈیا کو فراہم کیے جاتے ہیں، اقتصادی اور مالی خبروں کے خاص شعبے ہیں، جہاں سے پوری دنیا کے ۸/ ہزار مرکزی بنکوں کو، تازہ ترین خبریں فراہم کی جاتی ہیں، ان خبروں کا معاوضہ غیر معمولی حد تک گراں ہوتا ہے، اس نیوز ایجنسی کے، امریکہ میں ایک سو سترہ (۱۱۷) دفاتر اور غیر ملکوں میں ۸۱ اخباری مراکز ہیں، جہاں پانچ سو انسٹھ (۵۵۹) نامہ نگار متعین ہیں، ایجنسی میں کام کرنے والے ایڈیٹروں اور صحافیوں کی تعداد جو صدر دفتر میں متعین ہیں، ڈھائی ہزار (۲۵۰۰) ہے، یہ ایجنسی صد فی صد یہودی سرمایے سے چلتی ہے، اس کے علاوہ ۹۵ فی صد کارکن یہودی ہیں، اس لیے اس کو ''یہودی نیوز ایجنسی'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔(۱)

---

(۱) مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص: ۱۱۳

۱۹۰۷ء میں امریکہ کے دو یہودی سرمایہ کاروں نے ''یونائیٹڈ پریس'' کے نام سے ایک نیوز ایجنسی کی بنیاد ڈالی، اس کے دو سال بعد ۱۹۰۹ء میں ''انٹرنیشنل نیوز سروس'' کے نام سے کمپنی قائم ہوئی، جس نے بعد میں ایسے عالم گیر اشاعتی ادارے کی حیثیت اختیار کر لی، جس کی شاخیں دنیا بھر میں پھیل گئیں، یہ دونوں نیوز ایجنسیاں صدفی صد یہودیوں کی تھیں، پھر ۱۹۵۸ء میں ''یونائیٹڈ پریس'' اور ''انٹرنیشنل نیوز سروس'' آپس میں ضم ہوگئیں اور ''نیویارک ٹائمز'' کی ملکیت میں آگئیں جو ایک یہودی کے ماتحت ہے، ۱۹۸۲ء میں ان کو ''میڈیا نیوز کارپوریشن'' میں ضم کر دیا گیا، اس نیوز ایجنسی کے خریداروں کی تعداد سات ہزار اناسی (۷۰۷۹) ہے، جن میں سے دو ہزار دو سو چھیالیس (۲۲۴۶) خریدار (اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن) امریکہ سے باہر کے ہیں، اس مرکزی خبر رساں ایجنسی کے ماتحت ۳۰ خبر رساں ایجنسیاں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔

''یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل'' سے امریکہ میں گیارہ سو چونتیس (۱۱۳۴) اخبارات، پبلشنگ ادارے اور تین ہزار چھ سو ننانوے (۳۶۹۹) ریڈیو اسٹیشن وابستہ ہیں، پوری دنیا میں اس ایجنسی کے ایک سو ستہتر (۱۷۷) مراکز ہیں، صرف امریکہ میں اس کے چھیانوے (۹۶) دفاتر ہیں، روزانہ ۱۸ ملین الفاظ پر مشتمل مضامین اور خبریں خریداروں کو بھیجی جاتی ہیں، جب کہ روزانہ بیاسی (۸۲) تصاویر بھیجنے کا اوسط ہے۔(۱)

---

(۱) ایضاً ص: ۱۱۳۰ وص: ۱۱۴۔

عالمی نیوز ایجنسیوں کا جب تذکرہ آتا ہے، تو مشہور خبر رساں ایجنسی ''رائٹر'' کا بھی ذکر آتا ہے، یہ ایجنسی برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ذرائع ابلاغ کو سب سے زیادہ خبریں فراہم کرتی ہے؛ لیکن خود اس ایجنسی کا حال یہ ہے کہ اس کی اکثر خبریں، امریکی خبر رساں اداروں سے ماخوذ ہوتی ہیں، اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ کے پاس خبر رساں ایجنسیوں کا ایسا ''بلاک'' ہے، جو دنیا میں شائع ہونے والی ۹۰ فی صد خبروں کا واحد ذریعہ ہے، اس کے علاوہ امریکی اخباروں میں ۱۸۵۱ء سے مسلسل شائع ہونے والے اخبارات میں ''نیویارک ٹائمز''، ''ہیرالڈ ٹریبون''، رسائل و مجلات میں ''ریڈرز'' ڈائجسٹ، ''نیشنل جگرافک'' میگزین، ٹائم اور ''نیوز ویک''، ٹی وی چینلوں میں ''A.B.C.''، ''N.B.C.'' اور ۱۹۸۰ء سے عالمی سطح پر مشہور ہونے والے چینل CNN کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جو بلا مبالغہ پوری دنیا میں امریکی پالیسی کے لیے ماحول سازگار کرنے میں، سب سے زیادہ مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں، امریکہ اپنے مضبوط ترین ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہی، کروڑوں لوگوں کے افکار و خیالات کو ہم آہنگ بنانے میں کام یاب ہو سکا ہے، اس وسیع ترین میڈیائی جال ہی کی بہ دولت امریکی ثقافت اور رسوم و رواج پوری دنیا میں پھیلے ہیں، حتی کہ امریکی میڈیا نے اس بات پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی ہے کہ لوگ خواہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں؛ امریکن انداز ہی پر انگلش زبان لکھیں اور امریکی طریقے کے مطابق ہی انگلش لفظ کی ''اسپیلنگ'' کریں۔

امریکی میڈیا کی قوت کا اندازا عمومی سطح پر، پہلی خلیجی جنگ کے موقع پر ہوا، جب کہ عراق میں پوری طرح امریکی ذرائع ابلاغ کا کنٹرول تھا، امریکی نیوز ایجنسیوں اور ٹی وی چینلوں نے حقیقت بیانی سے کام نہیں لیا؛ بل کہ امریکی حکومت کی منشا کے مطابق خبریں نشر کیں، نیز جنگ سے پہلے پوری دنیا میں، امریکہ کے حق میں فضا سازگار کی اور عراق کو ایک دہشت گرد ملک کی صورت میں پیش کیا۔(۱)

مواصلاتی دنیا پر امریکی سایہ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ سیاسی اور اقتصادی میدان کے ساتھ ساتھ، عقلوں کو فتح کرنے اور اپنی ثقافت کو پوری دنیا میں رائج کرنے کے لیے، امریکہ نے ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام کا سہارا لیا اور اپنی اقدار و روایات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ امریکہ کے نزدیک عالمی مواصلاتی نظام کتنی اہمیت رکھتا ہے، اس کا اندازا یوں لگایا جا سکتا ہے کہ سابق امریکی صدر ''بل کلنٹن'' اور نائب صدر ''ایل گور'' نے، ایک انتخابی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ کے لیے بنیادی جنگوں میں سے ایک جنگ، ''ذرائع ابلاغ'' سے تعلق رکھتی ہے، اس موقع پر ''ایل گور'' نے یہ بھی اعتراف کیا کہ امریکہ گزشتہ ۱۰ سالوں میں اس جنگ کو جیتنے کے لیے ۱۰۰ ارب ڈالر سے زائد خرچ کر چکا ہے۔

امریکی دفاعی ادارے ''پنٹاگن'' کے سابق رکن اور مشہور امریکی یونیورسٹی ''ہارورڈ'' میں ''کینیڈی کالج'' کے موجودہ سربراہ ''جوزف ایس نائی''

---

(۱) أمريكا المستبدة ، ص:۱۱۱۔

کا کہنا ہے کہ:

''امریکہ اپنی بے مثال صلاحیتوں کی بنا پر، مستقبل قریب میں عالمی ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام کا تنہا مالک ہوگا۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے امریکہ کے پاس وسائل ہیں؟ کیا مواصلاتی دنیا پر واقعی امریکہ کا مہیب سایہ مسلط ہے؟؟

جہاں تک اخبارات، ریڈیو اسٹیشن، ٹی وی اور نیوز ایجنسیوں کا تعلق ہے، ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں کہ میڈیا کے ان تمام ذریعوں پر امریکہ کا مکمل کنٹرول ہے، اس کے علاوہ مواصلات کے آلات بھی امریکی کمپنیوں کے زیر اثر ہیں، جو پوری دنیا میں اپنے آلات بنا کر سپلائی کر رہی ہیں، کمپیوٹر، ٹیلی فون، ٹی وی سیٹ، وی سی آر، سی ڈی اور سیٹلائٹ وغیرہ کے میدان میں، امریکہ کی ملٹی نیشنل کمپنیاں چھائی ہوئی ہیں، چناں چہ دنیا کے سب سے دولت مند شخص ''بل گیٹس'' کی کمپنی ''مائکروسوفٹ'' نے ''IBM.'' کے ساتھ کمپیوٹر کے عالمی بازار پر غلبہ حاصل کرنے کے مقصد سے، حال ہی میں ایک معاہدہ کیا ہے۔

مواصلاتی دنیا کو زیر اثر کرنے کی اس خفیہ جنگ میں امریکہ کے ساتھ اس کے طاقت ور حلیف بھی شامل ہیں، جو صنعتی اور مالیاتی اداروں کی شکل میں پوری دنیا میں سرگرم ہیں، ان اداروں میں TCI، ٹائم وارنر (Time Warner) یو ایس ویسٹ (US West) اور ''فیکوم'' کمپنی قابل ذکر ہیں، جس نے

”ہالی وڈ“ کی سینما کمپنی ”پرمونٹ“ کو۱۰۰ملین ڈالر میں خریدا ہے، مذکورہ کمپنی کو خریدنے کے بعد، ”فیکوم“ دنیا میں سب سے زیادہ ویڈیو کیسٹ فروخت کرنے والی کمپنی بن گئی، جب کہ ”بلاک بسٹر انٹرٹینمنٹ“، جو مشہور موسیقی چینل ”MTV“ کے ساتھ مربوط ہے اور پوری دنیا میں ۲۳۰ملین افراد کو اپنے پروگرام دکھاتا ہے، دوسرے نمبر پر ہے۔ اسی طرح ”ہا کرز“ نامی ایک مواصلاتی کمپنی ”ڈائرکٹ ٹی وی“ (Direct TV) کے نام سے ایک سیٹلائٹ نظام کا تجربہ کرنے جارہی ہے، جس کے ذریعے وہ ڈیڑھ سو سے زائد چینل پوری دنیا میں نشر کرسکے، دوسری طرف مشہور عالمی کمپنی ”AT & T“ (اے ٹی اینڈ ٹی) ”سلکن گرافکس“ (Silicon graphice) اور ”ٹائم وارنر“ کے نمایندوں پر مشتمل ایک گروپ، ایسا نیٹ ورک تیار کررہا ہے، جن پر پوری دنیا میں کہیں بھی ہمہ وقت ۵۰۰ سے زائد امریکی فلمیں دست یاب ہوسکیں گی۔

مذکورہ بالا کمپنیاں عالمی مواصلاتی نظام کو امریکہ کے زیرنگیں کرنے کے لیے، اس کی پوری طرح معاونت کررہی ہیں، موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ یہ خفیہ اور غیر اعلانیہ جنگ اپنے اختتام پر ہے اور اس جنگ میں بھی، دیگر جنگوں کی طرح فتح کا سہرا امریکہ ہی کے سر ہے۔

پروپیگنڈا ایک مؤثر ہتھیار

”فرانسو برون“ کا کہنا ہے کہ:

”پروپیگنڈا، ذہین لوگوں پر احمقانہ تأثرات ڈالنے کا نام ہے۔“

بہ الفاظ دیگر پروپیگنڈا، محض جھوٹ اور فریب ہے، جسے امریکیوں نے اگرچہ ایجاد نہیں کیا، لیکن ایک مؤثر ہتھیار کی شکل ضرور دی ہے، اس کا استعمال دوسری جنگ عظیم کے بعد ہوا؛ بل کہ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر، جب برطانوی فوج نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا، تو امریکی ذرائع ابلاغ نے فتح کا سہرا برطانوی فوج کے سر باندھنے کے بجائے، امریکی افواج کے سر باندھا، امریکیوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ انھی کی بہ دولت یورپ، نازیوں سے محفوظ رہ سکا ہے، یہ پروپیگنڈا اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ یورپی عوام کو یہ یقین ہو گیا کہ امریکہ، ان کے لیے کسی مسیحا سے کم نہیں ہے، اس وقت سے لے کر آج تک ذرائع ابلاغ اس مؤثر ہتھیار کو کسی نہ کسی شکل میں مستقل استعمال کرتا چلا آرہا ہے۔

ان سطور کا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ آج امریکی میڈیا، اس پوزیشن میں ہے کہ وہ پوری دنیا کو جس نہج پر اور جس سمت میں لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے، لوگ غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر میڈیا کے ذریعے پھیلائی جا رہی باتوں کو بسر و چشم قبول کر لیتے ہیں، مشہور امریکی نیوز چینل ''CNN'' کے ایڈیٹر کا کہنا ہے کہ:

''جب ناظرین ٹی وی اسکرین کے ایک کونے میں ''LIVE'' (براہِ راست) لکھا ہوا دیکھتے ہیں، تو وہ تھوڑی دیر کے لیے چینل بدلنا روک دیتے ہیں اور غور سے ہمارے چینل پر پیش کی جانے والی رپورٹ دیکھنے لگتے ہیں، قبل اس کے کہ ان میں سستی در آئے، ہم دوسری براہ راست رپورٹ پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں''، ٹی وی چینلوں کے اس عمل سے، ٹی وی دیکھنے والا

شخص، ان کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ان کی جانب سے پیش کردہ بات کو تدریجاً قبول کرنے لگتا ہے۔ (۱)

امریکی ثقافت کا نقیب ''ہالی وڈ''

سنیما کا آغاز اگرچہ یورپ میں ہوا اور امریکہ نے اپنے آپ کو اس کا موجد ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی؛ لیکن جب سنیما نے ترقی کی اور حرکت کرتی ہوئی تصویروں سے آواز بھی آنے لگی، تو امریکیوں نے بڑے بڑے یورپی فن کاروں کو اپنے یہاں مدعو کیا اور ان کے ذریعے فلمیں بنائیں، پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان بنائی جانے والی جن فلموں نے شہرت پائی، ان میں ۸۰ فی صد، امریکی فلم نگری ''ہالی وڈ'' کی بنائی ہوئی تھیں، جن میں یورپی فن کاروں نے کام کیا تھا۔

ان فلموں کی شہرت اور ان کے اثرات سے امریکیوں کو اندازا ہو گیا کہ عقلوں کو سحر زدہ کرنے اور امریکی طرز زندگی کو مثبت انداز میں پیش کرنے کے لیے ''فلم'' ایک مؤثر ہتھیار ہے، چناں چہ انھوں نے اپنی ثقافت اور تمدن کو فروغ دینے اور اپنی اقدار و روایات کو رواج دینے کے لیے ''فلموں'' کا سہارا لیا اور جس طرح صنعت وتجارت کے میدان میں اپنی بالاتری اور اجارہ داری قائم کی، اسی طرح فلموں کے میدان میں بھی غلبہ حاصل کیا، مختلف معاہدوں اور حیلوں کی آڑ لے کر، امریکی فلموں کو عالمی سطح پر پھیلایا گیا، چناں چہ ۱۹۴۷ء میں اس وقت کے

(۱) ایضاً ص: ۱۱۲ و ص: ۱۲۲۔

فرانسیسی صدر ''لیون بلوم'' سے خصوصی مالی امداد کے بدلے، امریکی سینما کو مراعات دینے کا مطالبہ کیا گیا، فرانسیسی صدر نے اس مطالبے کو تسلیم کرلیا، جس کی بنا پر فرانس میں امریکی فلموں کا سیلاب آ گیا، فرانس خود بھی ''فلم سازی'' کے میدان میں قدم رکھ چکا تھا اور اس کی فلمی صنعت ''اٹلی'' اور ''جرمنی'' سے زیادہ بہتر تھی؛ لیکن اس کے باوجود فرانسیسی ٹی وی پر ۷۰ سے ۸۰ فی صد امریکی فلمیں دکھلائی جانے لگیں، سنیما گھروں میں امریکی فلموں کا قبضہ ہوگیا، حتی کہ یورپ میں فلمی صنعت سے تعلق رکھنے والی، پانچ سب سے بڑی کمپنیاں بھی امریکیوں ہی کے زیر اثر آ گئیں، اس فلمی سیلاب کا اثر یہ ہوا کہ فرانسیسی تہذیب نے امریکی تمدن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، فرانسیسی قوم کے باشعور قائدین کی بہ دولت وہاں کی زبان تو محفوظ رہ گئی؛ لیکن فرانس اپنی زبان کے علاوہ کچھ نہ بچا سکا۔

''ہالی وڈ'' نے تو امریکی ثقافت کی نشر و اشاعت دنیا کے گوشے گوشے میں کی؛ لیکن امریکہ نے غیر ملکی فلموں کے لیے ایسی پالیسی وضع کردی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے ملک کی ثقافت، امریکہ میں رائج نہ کرسکیں، چناں چہ ۱۹۹۲ء میں امریکی ٹی وی چینلوں پر ۴۹۲/ امریکی فلمیں دکھلائی گئیں، جب کہ کل ۲۷ غیر ملکی فلمیں ہی امریکی سنیما گھروں میں دکھلائی جاسکیں، اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۸۳ء میں، پوری دنیا کے سنیما گھروں میں صرف امریکی فلمیں دیکھنے کے لیے ۳۵ فی صد ٹکٹ فروخت ہوئے، یہ تناسب ۱۹۹۳ء میں ۵۷ فی صد تک پہنچ گیا۔ جب کہ اسی سال صرف یورپ میں امریکی فلموں کے لیے ٹکٹ فروخت ہونے کا تناسب ۷۱ فی صد رہا، جو ۱۹۹۶ء میں ۸۰ فی صد

ہوگیا، اس کے مقابلے میں امریکہ میں، یورپی فلموں کا تناسب ایک سے تین فی صد تک ہی رہا، ان اعداد وشمار سے اندازا ہوتا ہے کہ امریکہ اپنی ثقافت کو پوری دنیا میں رواج دینے اور دیگر ملکوں کی تہذیب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں کتنا حساس ہے، ان منصوبوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ امریکی ثقافت، جو عالم گیر ہونے کے لیے سالہا سال پہلے منتخب ہو چکی ہے، نہایت برق رفتاری سے مشرق ومغرب کی مسافتیں طے کر رہی ہے اور جغرافیائی وقومی حدود سے بے پرواہ ہوکر، ہر ملک کے ہر طبقے کو اپنی سحر طرازیوں کا اسیر بنا رہی ہے۔

امریکی فلمی صنعت کے اس سیلاب کا اثر ہر ملک میں دیکھا جاسکتا ہے، جرمنی ان یورپی ممالک میں شمار کیا جاتا ہے، جو اپنی زبان کے سلسلے میں بہت حساس ہیں؛ لیکن اس کے باوجود جرمنی کی فلمی صنعت پر ۸۵ فی صد امریکی سینما کا غلبہ ہے، ''برلن'' کے بڑے بڑے ''اسٹوڈیوں'' میں امریکی فلمیں بنائی جارہی ہیں اور عالمی سطح پر ان فلموں کی تشہیر کے ذریعے امریکی ثقافت کو فروغ دیا جارہا ہے۔حال ہی میں امریکی فلمیں تقسیم کرنے والے ایک ادارے ''AMC'' ''اے ایم سی'' نے اس اردے کا اظہار کیا کہ وہ ہر ملک میں ایسے کامپلیکس تعمیر کرے گا، جن میں سے ہرایک میں کم از کم ۲۰ سینما گھر ہوں گے، اس ادارے کے نمایندوں نے فرانس کی ''اونیفرنس'' کمپنی کے ساتھ ''پیرس'' میں ایک معاہدے پر دستخط بھی کیے ہیں، نمایندوں کا کہنا ہے کہ: اس اقدام سے فرانسیسی فلموں کی حوصلہ افزائی ہوگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے فرانسیسی بازاروں میں، امریکی فلموں کو

مزید آزادی حاصل ہوگی اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کا موقع ہاتھ آئے گا۔

یورپ کے ایک دوسرے ملک ''سوئٹزرلینڈ'' میں بھی کچھ یہی صورت حال ہے، جہاں سینما گھروں میں روزانہ ۱۰ فلمیں دکھلائی جاتی ہیں، جن میں ۹ امریکی فلمیں ہوتی ہیں، جب کہ دسویں فلم بھی ضروری نہیں کہ یورپ یا خود سوئٹزرلینڈ کی بنی ہوئی ہو، ''پولینڈ'' میں صرف ایک فی صد سینما گھروں میں مقامی فلمیں دکھلائی جاتی ہیں، جب کہ باقی سینما گھر، امریکی فلموں کے لیے مخصوص ہیں، ''ہنگری'' میں ۳ فی صد سینما گھر مقامی فلموں کے لیے اور ۹۷ فی صد سینما گھر، امریکی فلموں کے لیے خاص ہیں۔

امریکی ثقافت کو فروغ دینے کا کام کتنے منظم انداز سے چل رہا ہے، اس کا اندازا یوں لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کی ۶ بڑی کمپنیاں، جو عالمی بازار پر حاوی ہیں، جب کسی ملک کے ساتھ کوئی بڑا سودا کرتی ہیں، تو ساتھ میں ان کی یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے یہاں اُن امریکی فلموں کو آزادی کے ساتھ دکھائے جانے کی اجازت دیں، جو کسی وجہ سے امریکہ اور یورپ میں نہیں چل سکیں اور پٹ گئیں۔ (۱)

امریکی فلموں کی عالمی سطح پر تشہیر کی وجہ سے، آج کوئی ملک باقی نہیں بچا جہاں امریکی ثقافت اور تمدن نے اپنے پنجے نہ گاڑ دیے ہوں، نوجوان نسل سب سے زیادہ اس سیلاب سے متأثر ہوئی، ہر ملک میں نوجوانوں کی اکثریت نے، اپنی ملکی اور قومی تہذیب سے رخ موڑ لیا اور امریکی تمدن کی

---

(۱) ایضاً ص: ۱۱۵ تا ۱۲۰۔

دل دادہ بن گئی، یہی عالم گیریت کا مقصد بھی ہے کہ قومی تہذیبوں اور ثقافتوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور امریکی تہذیب کو پوری دنیا میں رائج کر دیا جائے۔

عالمی لباس

ہر قوم کا مخصوص لباس اس کی تہذیب وثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے، لباس ہی سے قوموں کی تاریخ اجاگر ہوتی ہے اور ان کے رہن سہن کا پتا چلتا ہے، یہ تمدن کی روح اور تہذیب کی بنیاد ہے، زبان وادب کو تمدن میں جو مقام حاصل ہے، وہی مقام لباس کو بھی حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ زبانوں میں جس قدر تنوع پایا جاتا ہے، کم وبیش اتنا ہی تنوع لباس میں بھی پایا جاتا ہے، ثقافتی ''انسائکلو پیڈیا'' کے اوراق وصفحات، مختلف قوموں کے لباس اور پوشاک پر روشنی ڈالتے ہیں اور ہر قوم کے مخصوص لباس کی نشان دہی کرتے ہیں، کیوں کہ لباس ہی دراصل کسی بھی قوم کی سب سے بڑی پہچان ہے۔

گلوبلائزیشن کے سیل رواں نے جہاں سیاسی جغرافیے میں تبدیلی کی، اقتصادی صورت حال کو بدلا، پوری دنیا میں امریکی ثقافت کو پھیلایا، وہیں امریکی لباس کو بھی عام کیا اور قومی لباس کا خاتمہ کر دیا،''ہالی وڈ'' کی فلموں کا اثر یہ ہوا کہ امریکی لباس پہننا ترقی کا شعار بن گیا اور بلند معیار زندگی کی علامت قرار پایا، جب کہ قومی لباس پہننا دقیانوسی اور پستی کی دلیل سمجھا گیا۔

یورپ بھی قدیم زمانے میں مال دار ثقافت کا مالک رہا ہے، اسی وجہ سے یورپی اقوام کے بھی مخصوص لباس ہوا کرتے تھے؛ لیکن انیسویں صدی

کے آغاز میں جب امریکی تجارتی کمپنیوں نے یورپ میں قدم رکھا، تو تدریجی طور پر قومی لباس کی مقبولیت میں کمی واقع ہوتی گئی، پہلی جنگ عظیم کے بعد مقبولیت کے تناسب میں مزید کمی آئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب آزادانہ عالمی تجارت کا باضابطہ آغاز ہوا اور صنعتی میدانوں میں امریکی اجارہ داری قائم ہوئی، تو یورپی اقوام کے قومی ورثے کا بالکل خاتمہ ہوگیا، امریکی لباس: جینز اور ٹی شرٹ وغیرہ ہی کو لوگوں نے اپنالیا اور یوں امریکی لباس مغربی لباس کہلانے لگا۔

دنیا کے بیش تر ممالک میں بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، یہی لباس عام ہوگیا، حتی کہ اسکول میں لڑکے لڑکیاں اسی لباس میں نظر آتے ہیں، جسے اقوام عالم اور نئی نسل پر ٹی وی اور فلموں کے ذریعہ مسلّط کردیا گیا ہے، نوجوان نسل کی یہ خواہش رہتی ہے کہ کسی طرح ''کیلی فورنیا'' کی شرٹ اور امریکی صوبے ''ٹکساس'' کے ''ہیٹ'' اسے حاصل ہوجائیں اور وہ بھی ''ٹکساس'' کے چرواہوں کی طرح نظر آئے، اس کے جسم پر بھی ''بیس بال'' اور ''باسکٹ بال'' کے کھلاڑیوں کی طرح کا لباس ہو، اس کے پاس بھی ایسی ٹی شرٹ ہو، جس پر کسی امریکی یونیورسٹی کا یا ''فلوریڈا'' صوبے میں واقع ''برموڈا'' کی تصویر بنی ہوئی ہو اور اس کے پیروں میں فلمی فن کاروں کی طرح بھاری بھرکم کالے جوتے ہوں، جس سے وہ بہ ظاہر امریکی نظر آئے اور اس کو لوگ ترقی پسند اور روشن خیال سمجھیں، یہ صورت حال موجودہ دور میں تقریباً ساری دنیا میں دیکھنے کو مل رہی ہے، لڑکیوں نے اپنے قومی لباس کو ترک کرکے، امریکی فحش لباس

اپنا لیے ہیں اور قومی لباس جس کو ثقافت کی پہچان کہا جاتا ہے، تقریباً ختم ہو رہے ہیں، ٹی وی چینلوں اور امریکی فلموں نے ہی اس نئے عالمی لباس کو پھیلانے میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔(۱)

ماکولات ومشروبات میں اندھی تقلید

امریکہ نے محض اپنے لباس کو ہی سارے عالم میں نہیں پھیلایا؛ بل کہ اس کے ساتھ امریکی ماکولات ومشروبات کو بھی پوری دنیا میں رواج دیا، دنیا کی قدیم قومیں جہاں لباس اور زبان وغیرہ کے سلسلے میں مال دار سمجھی جاتی ہیں، وہیں ماکولات ومشروبات کے سلسلے میں بھی ان کا امتیاز ہے، ''اٹلی''، جہاں کھانے پینے کی ہزار ہا اقسام پائی جاتی تھیں۔ فرانسیسی دیہاتوں میں روایتی کھانوں کی بے شمار انواع واقسام تھیں، اسپینی طرح طرح کے کھانے نہایت مہارت کے ساتھ بنایا کرتے تھے، یونان، برازیل، چین، ہندوستان اور عالم اسلام میں بھی انواع واقسام کے کھانوں کی کمی نہیں رہی؛ لیکن ثقافتی سیلاب کے نتیجے میں چند بے ذائقہ کھانے ہی فیشن اور ترقی کی علامت بن گئے، جن کو ''فاسٹ فوڈ'' (Fast Food) کے نام سے جانا جاتا ہے، ''ہاٹ ڈوگ'' (Hot Dog) ہیمبرگر (Hamburger) اور Pizza (پیزا) کھانا لوگوں کی پہلی پسند بن گیا ہے، امریکی کلچر کی نمایندگی کرنے والے ''مکڈنلڈ''، ''برگر کنگ'' اور ''پیزا ہٹ'' (Pizza Hut) نامی ریسٹورینٹ ہر ملک اور ہر شہر میں کھل

(۱) ایضاً ص:۱۲۵۔

چکے ہیں، جہاں لمبی لمبی قطاروں میں لوگ دوڑے ہوئے آ رہے ہیں۔(۱)

ماکولات ومشروبات کی ثقافت کو سارے عالم میں رواج دینے کے سلسلے میں امریکہ کی سنجیدگی کس قدر ہے، اس کا اندازا یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ''اوک بروکس'' نامی شہر میں ایک ''ہیمبرگر'' نامی یونیورسٹی قائم ہے، اس یونیورسٹی میں درس گاہوں کے ساتھ ساتھ، بڑے بڑے لیکچر ہال بھی ہیں، جب کہ ۲۶ زبانوں میں ترجمہ کرنے والے مترجمین اور ۲۵ پروفیسر اس جامعہ میں تعلیم وتربیت پر مامور ہیں، یہاں سے اب تک ۶۵ ہزار افراد کو ''ہیمبرگر'' سازی میں ''بی اے'' کی ڈگری تفویض کی گئی ہے، اس یونیورسٹی سے ہر سال ۷ ہزار افراد تیار ہوتے ہیں، یورپ میں اس کی ۱۵ شاخیں اور ۱۰۰ تربیتی مراکز ہیں، پوری دنیا میں ''ہیمبرگر'' فروخت کرنے والے ہر ریسٹورینٹ کا اس یونیورسٹی، یا اس کی کسی شاخ سے رابطہ رہتا ہے، ''مکڈانلڈ'' نامی ریسٹورینٹ میں اچھی ملازمت حاصل کرنے کے لیے ان مراکز سے ٹریننگ لینا ضروری ہے، ''ہیمبرگر'' یونیورسٹی میں اکثر اسباق روزانہ کے کاموں سے متعلق پڑھائے جاتے ہیں، اس یونیورسٹی کی زیادہ تر توجہ تعلیم کے بجائے تربیت پر ہے، کہ ''مکڈانلڈ'' میں کام کرنے والے افراد کیسے عام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں اور کس طرح لوگوں کے ساتھ پیش آئیں۔(۲)

اس حیرت انگیز انکشاف سے اندازا ہوتا ہے کہ ''مکڈانلڈ'' (جو محض ایک ریسٹورینٹ ہے) پر امریکہ اور وہاں کی ثقافت کے علم برداروں کی کس

---

(۱) ایضاً ص:۱۲۶۔

(۲) رسالہ البیان عدد ۱۷۰۔

قدر توجہ ہے، یہ انکشاف اس بات کا غماز ہے کہ یہ ریسٹورینٹ جو امریکی ثقافت کی ترجمانی پوری دنیا میں کرتا ہے امریکن قوم کے نزدیک کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔

امریکی ثقافت کا دوسرا ترجمان مشہور مشروب ''کوکا کولا'' (Coca Cola) ہے، جو آج ہر ملک کے چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی دستیاب ہے، یہ مشروب ۱۸۸۶ء میں ''جان بمبرٹن'' نے امریکی شہر ''اٹلانٹا'' میں ایجاد کیا تھا، ۱۸۹۲ء میں ''اسا کنڈلر'' نامی ایک کمپنی نے اس کا فارمولا خرید لیا اور ''کوکا کولا'' نامی کمپنی قائم کی، ۱۸۸۹ء میں ''پیپسی'' بھی ایجاد ہو چکی تھی، یہ دونوں مشروب انیسویں صدی کے آغاز ہی میں امریکہ سے باہر نکل چکے تھے ۱۹۴۴ء میں فرانس نے کوک اور پیپسی کے خلاف ہاتھ پاؤں مارے؛ لیکن اس کی یہ کوشش رائگاں گئی، آج ''کوک'' اور ''پیپسی'' نے دنیا بھر میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اپنے کارخانے قائم کر رکھے ہیں، جہاں سے یہ مشروب بن کر چپے چپے پر فروخت ہو رہا ہے اور امریکی ثقافت وتمدن کی اس علامت کو لوگ ایک عام مشروب سمجھ کر پی رہے ہیں۔(۱)

ثقافتی عالم گیریت اور اس کے اثرات

عالم گیریت ثقافتی پہلو کے اعتبار سے دو بنیادوں پر قائم ہے۔

(۱) انفارمیشن اینڈ ٹکنالوجی کا فروغ، جس میں ذرائع ابلاغ اور فلمیں

(۱) أمريكا المستبدة ص: ۱۲۷۔

وغیرہ بھی داخل ہیں۔

(۲) قوموں اور معاشروں کے درمیان مشابہت اور یکسانیت کا بڑھتا ہوا تناسب، یعنی پوری دنیا میں ایک ہی طرح کی تہذیب اور ایک ہی نوعیت کا تمدن مسلّط کردیا جائے اور روے زمین پر بسنے والے لوگوں کو، سیٹلائٹ، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے، تاکہ ایک مخصوص طبقہ جب بھی چاہے اپنے نظریات وخیالات کو، ان آلات کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلا دے، نتیجتاً ہر قوم کی روایات اور اقدار الگ الگ نہ رہیں؛ بل کہ ایک ہو جائیں، پوری دنیا کے سوچنے کا طریقہ ایک ہو، لوگوں کے غور وفکر کرنے کا انداز یکساں ہو، ان کی خواہشات، ان کی دلچسپیاں، رہن سہن، آدابِ گفتگو، اٹھنا بیٹھنا، غرض یہ کہ ہر چیز میں مماثلت ہو۔(۱)

موجودہ دور میں یہ بات آنکھوں دیکھی ہے کہ ذرائع ابلاغ خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں، پوری طرح مغرب اور یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں، یہ طبقہ ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کی مدد سے، جو مخصوص افکار وخیالات پھیلا رہا ہے، وہ ڈھکے چھپے نہیں ہیں، پوری دنیا خصوصاً وہ قومیں جنھیں اپنی تہذیب وثقافت پر فخر کرنا چاہیے، آج مغربی تقلید میں اندھی ہوئی جارہی ہیں، ''پیرس'' و''برلن'' کی گلیوں سے نکلنے والا فیشن اگلے دن کی صبح سے پہلے مشرق کی حدود کو پار کرلیتا ہے اور لوگ چشم ودل فراشِ راہ کیے ہوے اس فیشن کا استقبال کرتے ہوے نظر آتے ہیں، یورپ وامریکہ کے بیچ چوراہوں اور سڑکوں پر بنے

(۱) اخبار ''الأہرام'' ۲۲/۲/۲۰۰۱ء الثقافة العربية في عصر العولمة، از ڈاکٹر عبدالفتاح احمد الفادی۔

ہوے، جن ''ریسٹورینٹس'' کے کھانے کھانے کی ضد کرتے ہیں، وہی کھانے کھانے کے لیے مشرق کے غیر ترقی یافتہ ممالک کی، گلی کوچوں میں رہنے والے بچے بھی روتے بلکتے نظر آتے ہیں۔ جس ''باربی ڈول'' (ایک خاص قسم کی گڑیا کا نام) کے ذریعے مغرب میں فحاشی وعریانیت کو فروغ دیا جارہا ہے، وہی ''باربی ڈول'' مشرقی لڑکیوں میں فحاشی کے رجحانات بڑھانے میں مؤثر کردار ادا کررہی ہے، حتیٰ کہ اس بے جان اور بے حرکت چھوٹے سے کھلونے نے مسلمان جیسی ماضی کی باشعور اور حال کی بے شعور قوم کے ایک طبقے کو سوچنے پر مجبور کردیا، حال آں کہ ایران میں ایسی گڑیا بازار میں آگئی ہے، جو اسلامی لباس زیب تن کیے ہوے ہے؛ لیکن انفارمیشن اینڈ ٹکنالوجی کی سرپرستی کی وجہ سے مسلم بچیوں کے درمیان ''باربی ڈول'' کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔

اسی گلوبلائزیشن کا نتیجہ ہے کہ عرب اپنے قومی، دینی اور تہذیبی لباس کو بھول چکے ہیں، حال آں کہ ان کا لباس آج بھی ان کا شعار سمجھا جاتا ہے، حتیٰ کہ امریکن فلم نگری ''ہالی وڈ'' اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہندوستانی فلم اسٹوڈیو ''بالی وڈ'' میں اسی لباس کو ''اسلامی دہشت گردی'' کی علامت کے طور پر دکھلایا جارہا ہے؛ لیکن عرب اپنے اس مرعوب کن لباس کو چھوڑ کر، مغربی لباس اپنا چکے ہیں، حتیٰ کہ اردن، شام، فلسطین، مصر اور لیبیا وغیرہ نے تو مغربی اور امریکی لباس ہی کو قومی لباس قرار دے دیا ہے، ماضی کی یادوں کو تازہ رکھنے کے لیے کہیں کہیں کچھ عمر رسیدہ حضرات عربی لباس زیب تن کیے ہوے نظر آجاتے ہیں۔

غرض یہ کہ ایسی بے شمار چیزیں ہیں، جن میں آج مسلم قوم مغرب پرستی کا شکار ہو چکی ہے، اگر مذکورہ بالا چیزوں کو تہذیب وثقافت کے متعلقات میں سے مان لیا جائے، تو اس بات میں کوئی دو رائے نہیں رہ جاتیں کہ مسلمانوں اور خصوصاً عربوں سے ان کا دینی، فکری، تہذیبی اور تمدنی تشخص رخصت ہوا چاہتا ہے، موجودہ حالات کے تناظر میں، اسلامی ثقافت ''گلوبلائزیشن'' کے زیر سایہ مغربی کلچر کے سامنے ہر محاذ پر شکست خوردہ نظر آتی ہے۔

تھوڑا اور گہرائی میں جا کر، اگر ثقافتی عالم گیریت کا جائزہ لیا جائے، تو مندرجہ ذیل اہم انکشافات سامنے آتے ہیں۔

خرید وفروخت اور مغرب پرستی

گلوبلائزیشن کے قائدین کو اس بات میں بڑی دل چسپی رہی ہے کہ پوری دنیا میں خرید وفروخت اور اس قبیل کے تمام معاملات، مغربی طرز پر انجام دیے جائیں، خریدار اپنی جیب میں کرنسی کے بجائے، کچھ ''کارڈز'' رکھے، جن پر اس کا نام اور دیگر ضروری معلومات درج ہوں، کارڈ کو مخصوص مشین میں ڈال کر، دوکاندار مطلوبہ رقم اپنے ''بنک اکاؤنٹ'' میں منتقل کر دے، عالم گیریت کے ٹھیکے داروں کی اس خواہش کے مطابق، آج پوری دنیا میں اس طریقۂ تجارت کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، لوگ کرنسی کے بجائے کارڈز کے ذریعے لین دین کرنے کو فوقیت دینے لگے ہیں، مغربی تقلید میں اپنی بصیرت کھو بیٹھے مشرقی ممالک میں تو اس طریقے کو ترقی کی علامت اور اعلی طبقے کا شعار سمجھا جا رہا ہے، مغربی طوق گلے میں ڈال کر،

پھولے نہ سمانے والے اور کاغذ کے چند نوٹوں کے بوجھ سے دبے جارہے ان لوگوں کو، اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اپنے مطلوبہ سامان کی قیمت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ، پوری دنیا کی دولت پر قابض دو بڑی کریڈٹ کارڈ کمپنیوں (VISA) ''ویزا'' اور (MasterCard) ''ماسٹر کارڈ'' کی، ان کے جاری کردہ کارڈز استعمال کرنے کی بنا پر، منھ بھرائی کر رہے ہیں، ان ''کریڈٹ کارڈز'' کے ذریعے پوری دنیا میں جہاں بھی کسی قسم کا لین دین ہوگا، اس کا نفع ان دو بڑی کمپنیوں کو ضرور پہنچے گا، چناں چہ گلوبلائزیشن نے اس طریقۂ تجارت کو قابلِ تقلید قرار دے کر، ان کمپنیوں کا راستہ آسان کر دیا ہے اور فطری وطبعی طریقۂ تجارت کو فرسودہ قرار دے کر، ساری دنیا کو اس جدید طریقے کے سحر میں جکڑ دیا ہے۔

نام نہاد جنسی ادب اور تشدد کی ثقافت کو فروغ

ثقافتی گلوبلائزیشن کا ایک خطرناک اثر، نئی نسلوں میں جنس پرستی اور تشدد کا فروغ ہے، اس عالمی فتنے کے تحت پروان چڑھنے والی نئی نسلیں، تشدد کو زندگی کے ایک طرز اور ایک فطری اسلوب کے طور پر اپنا رہی ہیں، مار دھاڑ اور لڑائی کرنا نوجوانوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے، فلموں میں فن کاروں کی طرح کودنا، چھلانگ لگانا اور ہاتھ پیر مارنا ہی ان کا مطمحِ نظر ہو گیا ہے،(۱) نوجوانوں میں اسی قسم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے نتیجے میں، معاشرے کو مختلف سنگین

---

(۱) الثقافة العربية في مواجهة المتغيرات الدولية الراهنة، از مسعود ظاہر، رسالہ: الفكر العربي المعاصر، بیروت عدد ۱۰۱، ۱۹۹۳ء۔

جرائم کا سامنا ہے، ہر ملک میں قتل و غارت گری ایک عام سی بات ہوگئی ہے، جرائم پیشہ عناصر ''ہالی وڈ'' اور ''بالی وڈ'' میں بننے والی فلموں کے ذریعے، جرائم کے نئے نئے طریقے سیکھ رہے ہیں اور حقیقی زندگی میں ان کا تجربہ کررہے ہیں، نوجوان طبقہ اپنے قیمتی اوقات گھٹیا کاموں میں ضائع کرکے، اپنے دین، اپنے اخلاق اور اپنے کردار کو زبردست نقصان پہنچا رہا ہے، ''ٹی وی'' اور سینما گھروں کے پردوں پر دکھلائی جانے والی فلموں نے، اس طبقے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کردیا ہے، جس کے نتیجے میں تشدد کے ساتھ ساتھ مغربی جنسی تمدن، انسانی زندگی، اس کی عظمت وقار اور شرافت و کرامت کے لیے ناسور بن کر رہ گیا ہے، یہ مغربی فلمیں اور فحش ڈرامے خطرناک حد تک تعلیم، تمدنی زندگی اور معاشرتی تعلقات پر اثر انداز ہوے ہیں، خصوصاً عالم اسلام مغرب کے بچھائے ہوے اس جال میں بری طرح پھنس چکا ہے۔(۱)

قاہرہ میں واقع خواتین واطفال سے متعلق ریسرچ سینٹر نے چودہ سو بہتر (۱۴۷۲)مصری خواتین کے درمیان ایک سروے کرایا، جس کے حیرت ناک نتائج سامنے آئے ہیں، ان نتائج کو دیکھ کر عقل صرف ماتم ہی کرسکتی ہے، اس سروے کے خطرناک انکشافات سے پتا چلتا ہے کہ مصر میں ۸۵ فی صد خواتین جنسی فلمیں دیکھتی ہیں، ۷۵ فی صد فحش مناظر دیکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں، ۸۵ فی صد لڑائی اور تشدد سے بھرپور فلمیں دیکھتی ہیں، ۶۸ فی صد پرانی اور نئی بننے والی جذباتی فلموں میں رغبت رکھتی ہیں، ۲۱ فی صد دیگر فلمیں، جب کہ صرف ۶

(۱) العولمۃ، از ڈاکٹر جلال امین ص:۱۲۶۔

فی صد ٹی وی پر آنے والی خبریں اور ثقافتی پروگرام دیکھتی ہیں، مزید برآں ان عورتوں میں سے کسی نے بھی، معلوماتی فلم یا پروگرام دیکھنے کا تذکرہ تک نہیں کیا۔(۱)

یہ سروے یورپ یا امریکہ میں ہوا ہوتا، تو ہم یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے کہ فحاشی اور عریانیت کے گڑھ میں یہ سب نہیں ہوگا تو کہاں ہوگا؛ لیکن مذکورہ بالا نتائج مصری خواتین پر کیے جانے والے سروے کے بعد منظر عام پر آئے ہیں، اس کو پڑھ کر آنکھیں خون کے آنسو نہ روئیں تو کیا کریں؟ زبان گنگ نہ ہو جائے تو کیا کرے؟ اور دل ماتم کناں نہ ہو تو کیا کرے؟

مصر نے اپنے روشن ماضی میں عالم اسلام کی دینی، فکری، تہذیبی اور ثقافتی قیادت کی ہے، اس ملک کو عالم اسلام کے قلب کی حیثیت حاصل رہی ہے، اس ملک کے سینے کو چیرتے ہوئے بہنے والا دریائے نیل، مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کا شاہد ہے؛ لیکن یہ اس دریا کی بدقسمتی ہے کہ آج وہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ، فکری اور تہذیبی انحطاط کا بھی گواہ بن چکا ہے، صدیوں پہلے اگر حضرت عمرؓ کے خط نے اس دریا کو ہمیشہ ہمیش کے لیے پرسکون نہ کر دیا ہوتا، تو اب تک اپنے ساحلوں پر چلنے والے نائٹ کلبوں اور حسن و جمال کے بازاروں کو دیکھ کر، کتنی ہی مرتبہ طغیانی پر آمادہ ہو چکا ہوتا۔

حالیہ تحقیقات بتلاتی ہیں کہ گلوبلائزیشن کا سب سے بڑا آلۂ کار ''انٹرنیٹ''، جنسیت اور فحش کاری کو سب سے زیادہ فروغ دینے والا ہے،

---

(۱) اخبار ''اکتوبر'' جمعہ ۱۶/ ۲/ ۱۹۹۷ء۔

کمپیوٹر کی اسکرین کے سامنے اس عالمی نیٹ ورک پر بیٹھ کر، صرف ایک مرتبہ ''کلک'' (بٹن دبانا) انٹرنیٹ پر فراہم کردہ فحش سروسز اور تصویروں کی راہ میں آنے والی دو بڑی رکاوٹوں، ''جہالت اور شرم'' کو ختم کر دیتا ہے، انٹرنیٹ پر لاکھوں کی تعداد میں ایسی ویب سائٹس ہیں، جن پر عریاں تصویریں، فحش پروگرام اور جنسی ہیجان برپا کرنے والی فلمیں کھلے عام پیش کی جاتی ہیں، انٹرنیٹ کی مدد سے دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھے ہوئے شخص، کی ان تک رسائی ممکن ہے۔(۱)

مغرب پرستی

گلوبلائزیشن کے بدترین اثرات میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ مغربی کلچر، جو دراصل امریکی کلچر ہے، مکمل طور پر لوگوں کے دل ودماغ پر چھا گیا ہے، امریکی موسیقار ''مائکل جیکسن'' کا میوزک اور موسیقی ہی بہت زیادہ دلچسپی کی چیز بن گئی ہے، ''ریمبو'' کی فلمیں اور ''ڈیلس اسٹوڈیو'' کی جانب سے بنائے جانے والے پروگرام ہی پوری دنیا میں لوگوں کے اور خصوصاً نوجوان نسل کے ذہنی دریچوں پر دستک دے رہے ہیں اور ان کی طبیعت وفطرت پر بری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں، حتی کہ امریکی تلفظ ہی میں انگلش بولنا، اس وقت کا ایک بہت بڑا فیشن بن گیا ہے۔(۲)

---

(۱) الإسلام والأمة الإسلامية، از ڈاکٹر جمال الجابدۃ ص: ۳۳۔

(۲) الثقافة العربية في عصر العولمة، از ڈاکٹر عبدالفتاح احمد فاوی، ''الأهرام'' ۲۲، ۲، ۲۰۰۱۔ دیکھیے رسالہ المستقبل العربي، بیروت عدد: ۲۲۹ مارچ ۱۹۹۸۔

عالم اسلام میں فیشن ...ایک دردناک صورت حال

امت مسلمہ کے ثقافتی تشخص کو مٹانے کی خاطر، عالم گیریت کا ایک تحفہ امریکی لباس اور اس سے متعلقہ چیزوں کا وہ سیلاب ہے، جس میں پورا عالم اسلام آج غرق ہو چکا ہے، ان کپڑوں اور سامانوں پر انگلش زبان میں ایسے جملے لکھے ہوئے ہیں، جو امریکی تہذیب کی ترجمانی کرتے ہیں، عالم عرب کی بڑی بڑی دوکانوں اور تجارتی مراکز کے اشتہاری ''بورڈز''، نیز ان میں فروخت ہونے والی اشیا پر عربی زبان کے بجائے انگلش میں فقرے اور جملے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور مقامی مصنوعات کی جگہ، ان ہی مصنوعات کی سب سے زیادہ مانگ بھی ہے۔

ایک اور حیرت ناک سروے سے عجیب وغریب انکشاف ہوتا ہے اور دل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام کے مرکز وقلب اور ارضِ وحی وقرآن میں بسنے والے ان عربوں کی عقلوں نے، کام کرنا بند کر دیا ہے، یا انعامات خداوندی کی ناشکری کی وجہ سے، اللہ نے سزا کے طور پر ان کی عقلوں کو ہی سلب کر لیا ہے۔؟

۱۹۹۵ء کے اعداد وشمار میں بتایا گیا ہے کہ صرف ایک سال میں سعودی عرب کی خواتین نے ۵۳۸ ٹن ''لپ اسٹک'' (سرخی) ۴۳ ٹن ''نیل پالش'' (ناخن رنگنے والا مادہ) اور ۱۴۱ ٹن ''نیل پالش ریموور'' (نیل پالش زائل کرنے والا مادہ) استعمال کیا ہے، جب کہ ۲۳۲ ٹن ''آئی لائنر'' (مسکارا یعنی آنکھوں کو پرکشش بنانے والا مادہ) اور ۴۴۵ ٹن مختلف رنگ کے خضاب استعمال کیے

ہیں، نیز ۱۲۰۰ سے ۱۵۰۰ ملین ریال، ''پرفیوم'' پر خرچ کیے ہیں، صرف گرمی کے موسم میں چار ہزار چار سو خواتین نے ۱۱۰ ملین ریال، میں مغربی طرز کی شادی کے کپڑے سلوائے ہیں، اوسطاً ۸ ہزار ریال ایک شادی کے جوڑے پر خرچ ہوتے ہیں، سعودی عرب میں عام طور پر ایک عورت شادی کے موقع پر، صرف اپنے بناؤ سنگار کے لیے ۲۵ ہزار ریال خرچ کر دیتی ہے۔

مزید برآں ۱۹۹۷ء کے اعداد و شمار سے یہ دل سوز انکشاف ہوتا ہے کہ خلیج عرب کی خواتین نے، صرف ایک سال میں ۹۹ ملین ڈالر پرفیوم پر اور ۴ ملین ڈالر خضاب پر خرچ کیے ہیں، نیز ۶۰۰ ٹن ''لپ اسٹک'' اور ۵۰۰ ٹن ''نیل پالش'' استعمال کی ہے، جب کہ خلیج کی خواتین نے ۱۰۵ ارب ڈالر ''میک اپ'' کے سامان پر خرچ کیے ہیں۔ (۱)

مغرب زدہ مسلمانوں کا اعتراض

کچھ فریب خوردہ مسلمان، جو ''ماڈرنیٹی'' اور جدت کو نعمت الٰہی سمجھ کر اپنائے ہوئے ہیں اور مغرب کے دامِ فریب میں آ کر، اس کی اندھی تقلید میں شادکام ہیں، اپنے احساس کم تری (جس کی وجہ سے وہ مغرب کی اندھی تقلید میں ملوث ہیں) کا جواز پیش کرنے کے لیے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ: اگر یہ مغربی ریستوراں، مغربی طرز کے لباس اور امریکی مصنوعات دیگر ممالک میں فروغ پا جائیں، یا مسلمان انھیں استعمال کر لیں، تو اس میں کیا

(۱) رسالہ: ''الأسرۃ'' ماہ صفر ۱۴۲۰ھ۔

حرج ہے؟ ان اشیا کے عام ہونے سے مسلمانوں کے وجود کو کون سا خطرہ لاحق ہے؟ اور ان کا ثقافتی تشخص آخر کس طرح متأثر ہوتا ہے؟

ایسے مغرب پرستوں کے لیے جواب میں صرف ایک فرانسیسی مثال پیش کر دینا کافی ہے کہ: ''آپ مجھے اپنا کھانا بتلایئے، میں بتلاتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟'' یہ مثال حقیقت کی عکاس ہے، کیوں کہ لباس، ماکولات ومشروبات وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں، جو اپنے ملک کے نظریات وخیالات، عادات واقدار اور زبان بھی ساتھ لاتی ہیں۔(۱)

بازاروں میں ایسے امریکی اور یورپی لباس عام ہیں، جن پر انگلش میں ایسی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں، جو جنسی خواہشات کے لیے محرک ہوسکتی ہیں، نیز ان پر اسلامی مقدسات کے خلاف جملے بھی درج ہوتے ہیں، مثلاً: ''Kissme'' (میرا بوسہ لو) ''Take me'' (مجھے پکڑو) ''I'm Jewish'' (میں یہودی ہوں) ''Prostitute'' (بازاری عورت) ''Adultery'' (زنا) اور ''Zion'' (صہیونی) جیسے غیر مہذب اور مخرب اخلاق الفاظ، ان ملبوسات پر درج رہتے ہیں، جن کا مقصد اس مغربی تہذیب کو پھیلانا ہے، جس کی بنیاد اباحیت اور بے امن آزادی پر ہے۔(۲)

اس لیے یورپی وامریکی مصنوعات کا فروغ، اپنی تہذیب وثقافت کو مٹانے، اپنے ملّی وقومی تشخص کو دفن کرنے اور غیروں کی تہذیب کو اپنانے کی

---

(۱) رسالہ: ''المنار الجدید''، مقالہ: الشباب المسلم والعولمة، از کامل الشریف۔

(۲) الإسلام والعولمة ص:۱۳۶۔

طرف ایک قدم ہوگا، جو افسوس کہ عالم اسلام اٹھا چکا ہے؛ لیکن اس سے بڑھ کر باعث افسوس یہ ہے کہ اس راہ کے منفی اثرات ونتائج کا ابھی تک اس کو ادراک نہیں ہو پایا ہے۔

لسانی عالم گیریت کی طرف بڑھتے قدم

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ اگر ایک لفظ میں گلوبلائزیشن کے مفہوم کو ادا کرنا ہو، تو اس کے لیے ''امریکنائزیشن'' کا لفظ سب سے زیادہ موزوں رہے گا، امریکنائزیشن کا مطلب ہے ''امریکہ کاری'' یعنی دنیا کی ہر چیز کو امریکی رنگ میں رنگ دینا۔ درحقیقت عالم گیریت کے پالیسی ساز ادارے، گلوبلائزیشن کی جو تشریح کرتے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ امریکی دین، امریکی ثقافت وتہذیب، امریکی اقتصادی نظام، امریکی معاشرہ اور امریکی زبان ہی پوری دنیا پر تھوپ دی جائے، امریکہ وبرطانیہ کے علاوہ دیگر مغربی ممالک، اگرچہ پوری طرح امریکی تہذیب وثقافت اور امریکی معاشرے میں ڈھل چکے ہیں، لیکن انھوں نے اپنے لسانی امتیاز کے بقا کی خاطر، قابل تقلید اقدامات کیے ہیں اور بڑی حد تک وہ اس لسانی حملے سے محفوظ ہیں؛ لیکن گلوبلائزیشن کا اصل نشانہ اس میدان میں بھی عالم اسلام ہے، یوں تو دنیا کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمان بہت سی زبانیں بولتے اور لکھتے ہیں؛ بل کہ اردو فارسی اور ترکی تو ایسی زبانیں ہیں، جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں؛ لیکن ان زبانوں کو اسلامی زبان قرار نہیں دیا جاسکتا،

مسلمانوں کی زبان ضرور کہا جاسکتا ہے، جب کہ عربی جہاں مسلمانوں کی زبان ہے، وہیں اسے اسلامی زبان ہونے کا بھی شرف حاصل ہے اور ایسا کیوں نہ ہو، جس زبان میں اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی عظیم کتاب نازل فرمائی ہو، جس زبان میں احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کا ذخیرہ موجود ہو اور جس زبان کی حفاظت کی ذمے داری، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کے واسطے سے لے لی ہو اس کو اسلامی زبان نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ عربی زبان کی یہی خصوصیات اور امتیازات ہیں کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کے الفاظ میں حرفی تبدیلی بھی رونما نہیں ہوئی، حال آں کہ اس کے خلاف کی جانے والی سازشوں اور چلائی جانے والی تحریکوں کی، ایک طویل داستان ہے۔ عربی زبان وادب کے گہوارے مصر پر، جب فرانسیسی و برطانوی سامراج نے اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے، تو منظم طور پر ایسے لوگوں کو تیار کیا گیا، جو عربی زبان وادب کے تو امام تھے؛ لیکن اس زبان کے دینی تشخص کے سخت خلاف تھے، طٰہ حسین اور ان جیسے بہت سے ادیب ہیں، جنھوں نے ایسی تحریکیں چلائیں اور ایسے نظریات پیش کیے، جن کا مقصد عربی زبان کے دینی تشخص کا خاتمہ کرنا تھا، تاکہ یہ زبان اپنا اصل تفوق وامتیاز کھو دینے کے بعد، ایک عام زبان کی طرح ہو جائے اور مغربی سازشوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دے: عربی زبان وادب کے شہسواروں کے مغربی آقاؤں کا خواب، کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، مگر سازشوں کے سیلاب نے تھمنے کا نام نہیں لیا، کل اور آج میں اگر فرق آیا ہے، تو صرف اتنا کہ کل ان سازشیوں کے ہتھیار روایتی

تھے اور آج ان کے ہتھیار، نہایت ترقی یافتہ اور جدید ٹکنالوجی سے آراستہ ہیں۔

البتہ عربی زبان وادب کو، اس کی اصل شکل وصورت میں باقی رکھنے اور نئے زمانے کی ترقیات سے اس کو ہم آہنگ کرنے کے حوالے سے، بعض عرب تنظیموں اور اداروں کا کردار لائق تحسین ہے، اللہ تعالیٰ (جو کہ مسبب الاسباب ہے) نے اپنی محبوب زبان کی حفاظت کا کام ان سے لیا؛ لیکن اگر عوامی سطح پر اس زبان کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے، تو افسوس ناک نتائج سامنے آتے ہیں، امید کا سفینہ ہچکولے کھانے لگتا ہے اور ہر محاذ کی طرح اس محاذ پر بھی گلوبلائزیشن کے ہاتھوں، اپنی ناکامی ہی نظر آتی ہے۔

زبان جو بہ ظاہر لوگوں کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے، درحقیقت ثقافت وتمدن کا لباس، بل کہ محافظ ہے اور ثقافت، تہذیب کی بنیاد ہے اور تہذیب ہی تشخص کا عنوان ہے، اس لیے یہ اندازا لگانا مشکل نہیں ہے کہ کسی قوم کے تشخص وکردارسازی میں، زبان کی کتنی زیادہ اہمیت ہے، کوئی بھی قوم اپنی زبان کو جتنا زیادہ استعمال کرتی ہے، اتنا ہی وہ زبان اس کی تہذیب وثقافت کو دوام بخشتی ہے، زبان کی اتنی زیادہ اہمیت ہی کی وجہ سے، اسلامی شریعت نے بلا ضرورت دوسروں کی زبان استعمال کرنے سے اجتناب کی تلقین کی ہے؛(۱) بل کہ بعض فقہا نے تو عربی زبان کے سیکھنے کو واجب قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیة، ج:۱،ص:۲۰۳۔

(۲) دیکھیے الرسالة للشافعي،ص:۴۹۔

زبان کے تہذیب و ثقافت بل کہ عقائد کے ساتھ اتنے گہرے ربط کو دیکھتے ہوئے، بعض ماہرین لسانیات یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ: موجودہ دور میں انگلش زبان کا حملہ، کسی عسکری حملے سے کم نہیں ہے۔ جس طرح کوئی قوم سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے نفع اٹھانے کے لیے دوسری قوم پر حملہ آور ہوتی ہے، اسی طرح انگلش زبان بھی دوسری زبانوں کے خلاف حملہ آور ہو، تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیوں کہ ہر قوم کو اپنی زبان پر فخر ہوتا ہے اور اس زبان کی ترقی اور پھیلاؤ کو وہ اپنے لیے کسی اعزاز سے کم تصور نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ بعض خطوں میں زبان ہی کی وجہ سے، امن قائم نہیں ہو پایا، ''مقدونیا'' سالہا سال سے امن و امان کی راہ تک رہا ہے؛ لیکن البانی زبان کو ملک کی دوسری زبان قرار دینے کا مسئلہ، اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

زبان اتحاد کا ذریعہ

زبان جہاں کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کی محافظ ہے، وہیں قوم کے درمیان اتحاد و اتفاق کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے، زبان ہی کے ذریعے قومیں ترقی کرتی ہیں، رفعت و بلندی سے سرفراز ہوتی ہیں اور ان کے درمیان وحدت و یگانگت پیدا ہوتی ہے؛ لیکن اگر زبان کو اس کی اصل حیثیت اور اس کا حقیقی مقام نہ دیا جائے، تو پھر قوموں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں صرف ایک زبان بولی جاتی ہے، وہ اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے، اس ملک سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے،

جہاں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں، کیوں کہ ایک زبان کا ہونا سیاسی واقتصادی استحکام کا اہم ذریعہ ہے، ہندوستان کو کثیر اللسان ملک ہونے پر فخر ہے، لیکن یہی کثرت لسانی اس کے سیاسی واقتصادی عدم استحکام کا ایک سبب ہے، افریقی ممالک جہاں بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں، اگر ان کا موازنہ یورپی ممالک سے کیا جائے، تو زمین وآسمان کے درمیان کی دوری جیسے فرق کے اسباب واضح ہوکر، سامنے آجائیں گے۔ جمال الدین افغانی کے بہ قول:

> ''اگر خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیا جائے، تو ایک وجہ یہ بھی منکشف ہوتی ہے کہ عربی زبان کو، خلافت عثمانیہ کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل نہ تھا، اسی لیے عربوں اور ترکوں کے نام پر، قومیت کے نعرے بلند ہوے اور عظیم خلافت عثمانیہ کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔'' (۱)

اس تناظر میں، بعض محققین کی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جو ملک لسانی تقسیم کا شکار ہو، وہ ہمیشہ غریب اور اقتصادی اعتبار سے کم زور رہتا ہے۔ (۲) اسی طرح کچھ محققین کا یہ بھی ماننا ہے کہ یورپ میں کثرت لسانی کا وجود ہی اس کے اتحاد کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ (۳)

لہذا اس بات میں اختلاف کی گنجایش نہیں ہے کہ کسی قوم کے درمیان اجنبی وغیر ملکی زبان کا در آنا کس قدر خطرناک ہے، پھر یہ خطرہ غیر ملکی زبان کے کم زور وضعیف ہونے کے باوجود برقرار رہتا ہے؛ لیکن اگر اجنبی زبان طاقت

---

(۱) دیکھیے الأعمال الكاملة لجمال الدين الأفغاني از ڈاکٹر محمد عمارۃ ص:۲۱۹ طبع قاہرہ۔

(۲) اللغة والاقتصاد از محمد عوض بہ حوالہ اللغة العربية في عصر العولمہ ص:۴۰، از ڈاکٹر احمد بن محمد الضبیب۔ (۳) ایضاً۔

ور اور فروغ پانے کے ذرائع و وسائل کی مالک ہو، تو اس سے لاحق ہونے والے خطرے کا اندازا لگانا ناممکن ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر ملکی زبان، مقامی زبان پر غالب آجاتی ہے، اور اجنبی زبان کا استعمال کرنا ہی کسی بھی شخص کے مہذب، شائستہ، سلیقے منداور تعلیم یافتہ ہونے کی علامت بن جاتا ہے، اس زبان کے بولنے والوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور انھیں مقامی زبان بولنے والوں پر تفوق و برتری حاصل ہوتی ہے اور یوں غیر ملکی زبان تدریجی طور پر، مقامی ثقافت کا خاتمہ کرکے، اپنے ساتھ لائی ہوئی تہذیب وثقافت کو قوم پر مسلط کردیتی ہے۔

تہذیب وثقافت: بل کہ عقائد و مذہب کے ساتھ زبان کے اسی گہرے تعلق کی بنا پر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امت مسلمہ کے دستور حیات: قرآن کریم کو، ایسی کتاب بنادیا، جس کے الفاظ، حروف، حتیٰ کہ اعراب تک محفوظ ہیں، پھر امت کو قرآن کریم کی اسی زبان میں تلاوت کرنے اور اسے سیکھنے کا حکم فرمایا، جس میں یہ نازل ہوا اور محض الفاظ و حروف کی تلاوت کو بھی، عبادت کا درجہ دے دیا، تاکہ ایک مسلمان قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت، اپنے خالق کے ساتھ روحانی تعلق محسوس کرے، اسی حکمت الٰہیہ کے نتیجے میں، عربی زبان آج بھی اسی حالت پر باقی ہے، جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا، اس لیے امت مسلمہ کے لیے یہ بات باعث فخر ہونی چاہیے کہ اس کے پاس ایک ایسی زبان ہے، جو کسی دوسری قوم کے پاس نہیں ہے، ایشیا و افریقہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مسلم ممالک، کسی دوسری چیز میں متحد ہوں یا نہ

ہوں؛ لیکن عربی زبان نے ان کے درمیان اتحاد کا احساس باقی رکھا ہے، پھر یہ لسانی وحدت، جغرافیائی صورت حال کا نتیجہ نہیں ہے؛ بل کہ یہ اس پاکیزہ آسمانی مذہب کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو ان ممالک کے لیے مایۂ افتخار ہے۔

اتحاد کا یہی لطیف احساس ہے، جس نے مغربی مفکرین کو سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ کہیں لسانی وحدت ہی عالم اسلام کے درمیان، یکجہتی کا سبب نہ بن جائے، کیوں کہ زبان ہی ایک ایسی چیز باقی بچی ہے، جس نے عالم اسلام کو ایک لڑی میں پرو رکھا ہے، ورنہ عرب لیڈران سے دین ومذہب تو کب کا رخصت ہو چکا ہے، اس لیے مذہبی خطوط پر اتحاد کا خواب کبھی تعبیر کی سرحد پار نہیں کر سکتا، مغربی سورماؤں کو اب جو فکر لاحق ہے، وہ اس زبانی وحدت کا خاتمہ کرنا ہے، جس سے انھیں اگرچہ یقین نہیں، مگر شک ضرور ہے کہ کہیں یہ وحدت عالم اسلام کو ایک صف میں لا کر نہ کھڑا کردے، اس لیے لسانی عالم گیریت کا رخ اب پوری طرح سے، عربی زبان کی طرف ہے، مغربی ذہن عربی زبان پر حملوں کے منصوبے بنانے اور انھیں نافذ کرنے کے لیے وقف ہو چکے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ جب سیلاب کسی علاقے کا رخ کرتا ہے، تو اس کے راستے میں آنے والی ہر چیز متاثر ہوتی ہے، اسی طرح لسانی عالم گیریت کے اس سیلاب کا رخ، اگرچہ عالم اسلام ہے؛ لیکن اس کے عالمی راستوں میں آنے والی ہر چھوٹی بڑی زبان، اس سے متاثر ہو رہی ہے اور اپنے بولنے والوں سے اپنے وجود وبقا کے لیے جدّ وجہد کرنے کی بھیک مانگ رہی ہے۔

لسانی عالم گیریت کا مطلب

''لسانی عالم گیریت'' سن کر ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ کیا واقعی کسی زبان کی عالم کاری ہو رہی ہے؟ اگر ہم گلوبلائزیشن کے ظاہری مفہوم (مقامی کو عالمی بنانا) پر غور کریں، تو کیا واقعی کوئی ایسی زبان ہے، جو مقامی دائرۂ کار سے نکل کر عالمی سطح پر آ گئی ہے؟ کیا حقیقتاً کوئی ایسی زبان ہے، جو جغرافیائی حدود کو پار کر چکی ہے؟ کیا کوئی ایسی بھی زبان ہے، جسے پوری دنیا کے لوگ اپنی اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر رابطے کا ذریعہ بنا رہے ہیں؟ ان سب سوالوں کا جواب اثبات میں ہے، کیوں کہ انگلش ہی ایک ایسی زبان ہے، جس کی عالم کاری ہو رہی ہے، بایں معنی کہ اس کو چند ملکوں کی جغرافیائی حدود سے نکال کر، غیر محدود بنایا جا رہا ہے، اور اب اس زبان کو بولنے والے صرف چند ممالک کے باشندے ہی نہیں ہیں؛ بل کہ ہر ملک کی آبادی کا معتد بہ تناسب، یہ زبان اپنا چکا ہے، یہی لسانی گلوبلائزیشن کی راہ میں بڑھتے قدم ہیں، ورنہ اس تحریک کا اصل مقصد تو اس دن پورا ہوگا، جب ہر ملک کی قومی زبان انگلش ہی ہوگی۔

گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں انگلش زبان کے فروغ میں، امریکہ کی اقتصادی اور ذرائع ابلاغ کی بالادستی کے نتیجے میں زبردست اضافہ ہوا ہے، پھر انٹرنیٹ کے استعمال نے تو مقدمۃ الجیش کا کام دے کر، اس کی تمام راہیں آسان کر دیں، جس کے نتیجے میں امریکی ثقافت کی ترجمانی کرنے

والے، انگلش زبان کے جملے اور کلمات بلاتفریقِ قوم وملّت، لوگوں کی زبان پر عام ہو گئے، حتیٰ کہ جرمنی، فرانس اور چین کے ماہرین لسانیات نے، اس کو اپنی اپنی زبانوں کے لیے خطرہ تصور کیا؛ لیکن عربوں نے اس حملے کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور اس کے لیے عربی زبان کے تمام دروازے پوری طرح کھول دیے، تاکہ انگلش عربی زبان میں اچھی طرح منضم ہو سکے، انگلش کے کلمات کو عربی زبان میں بہ کثرت استعمال کیا جا سکے اور اس کی تعبیرات کو عربی حروف اور کلمات کا جامہ پہنا کر لکھا پڑھا جائے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ گلوبلائزیشن کے پیچھے کارفرما دماغ اگرچہ یہودیوں کا ہے؛ لیکن انھوں نے اس تحریک کا مرکز امریکہ کو قرار دیا ہے، لہٰذا اس ملک کی ہر مقامی چیز کو عالمی بنانا ہی، اب عالم گیریت کا اصل مقصد ہے، امریکہ کی تہذیب وثقافت اور معاشرے کی عالم کاری کرنے کی کوششیں، بڑے پیمانے پر جاری ہیں۔ اسی طرح انگلش زبان کی عالم کاری کرنے کی راہ میں، کوششیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہیں؛ بل کہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ تقریباً نصف صدی سے جاری کوششوں اور منصوبوں کو، اب بڑی تیزی سے نافذ کیا جا رہا ہے، سالہا سال سے جاری اس جدّ وجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ انگلش کو آج عالمی زبان کا درجہ حاصل ہو چکا ہے؛ لیکن اس زبان کو عالمیت کا درجہ دلوانا، عالم گیریوں کی پہلی منزل تھی، اب ان کا نشانہ دیگر زبانوں کو مٹا کر، صرف ایک زبان رائج کرنا ہے، اس راہ میں اگر انھیں کوئی رکاوٹ نظر آتی ہے، تو وہ ہے عربی زبان، اس لیے فراعنۂ مغرب کے دماغ اب اس زبان کے خاتمے کی منصوبہ سازی کرنے اور اس

سلسلے میں بنائے ہوئے منصوبوں کو، نافذ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

انگلش زبان کی عالم کاری: طریقہ کار

گلوبلائزیشن اور انگلش زبان سے متعلق ادارے، اس زبان کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے اور اس کے دائرے کو وسعت دینے کے لیے، مختلف طریق ہائے کار استعمال کررہے ہیں، چوں کہ زبان کا سیکھنا ایک فن ہے اور کسی بھی فن کو عام کرنے کے لیے، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کا اہم کردار رہا کرتا ہے، اس لیے انگلش زبان کو فروغ دینے کی کوششیں بھی، عوامی سطح کے ساتھ ساتھ یونیورسٹیوں اور اسکولوں کی سطح پر جاری ہیں، چنانچہ ماہر لسانیات "Claud Hagege" ''کلاوڈ ہیج'' کا کہنا ہے کہ:

> ''بہت سی مرتبہ انگلش زبان سے متعلق ادارے، دنیا بھر کی یونیورسٹیوں پر یہ زور ڈالتے ہیں کہ وہ فرانسیسی زبان کی تعلیم دینا بند کردیں، تاکہ انگلش زبان سیکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔''

لیکن عالم گیریوں کو برطانوی انگلش کا پھیلاؤ منظور نہیں ہے؛ بل کہ ان کی تمام تر کوششیں امریکی انگلش کی توسیع پر صرف ہورہی ہیں اور اسی کو وہ عالم گیر بنانا چاہتے ہیں، ''سوئٹزرلینڈ'' کی یونیورسٹیوں میں انگلش زبان وادب سے متعلق شعبہ جات تقریباً ایک صدی پہلے ہی قائم ہوگئے تھے، گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی تک، یہ جامعات صرف اسی طالب علم کو ڈگری تفویض کیا کرتی تھیں ،، جس نے انگلش زبان اور برطانوی اد ا کے حالات زندگی۔ متعلق امتحان

پاس کیا ہو؛ لیکن پھر برطانوی ادبا کے ساتھ ایک امریکی ادیب کے حالات زندگی بھی، نصاب میں داخل ہو گئے، اس کے بعد ''شیکسپیئر'' کے علاوہ کسی بھی برطانوی ادیب کے بارے میں پڑھانا، گوارا نہیں سمجھا گیا اور برطانوی ادبا کی جگہ امریکی ادیبوں نے لے لی، اسی کے ساتھ ساتھ انگلش پڑھانے کے لیے، ایسے اساتذہ اور پروفیسروں کا تقرر ہونے لگا، جو امریکی النسل ہوں، یا انھوں نے انگلش زبان وادب پر، امریکہ میں دسترس حال کی ہو؛ بل کہ نصاب تعلیم مرتب کرنے والی کمیٹیوں میں بھی، ان ہی لوگوں کا اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا، ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلبہ کی اکثریت، امریکن انگلش ہی کو ترجیح دینے لگی۔

اس سلسلے میں ''سوئٹزر لینڈ'' کے شہر ''برن'' میں واقع امریکی سفارت خانہ بھی پیچھے نہیں رہا، اس نے دسمبر ۱۹۸۸ء میں ''سوئٹزر لینڈ'' کے پرائمری اسکولوں میں پڑھانے والے اساتذہ کے لیے، ایک پروگرام کا آغاز کیا، جس کے تحت اساتذہ کو ایک مہینے کے لیے امریکہ کے مختلف شہروں میں بھیجا گیا، جہاں ان کو خصوصی ٹریننگ دی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ مشاہرہ بھی دیا گیا، اس پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ ٹریننگ یافتہ اساتذہ، جب بچوں کو تعلیم دیں، تو ذریعۂ تعلیم انگلش زبان ہو۔ جن لوگوں نے اس پروگرام میں حصہ لیا اور بعد میں بھی انگلش زبان کی ترویج واشاعت میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا، انھیں سفارت خانے کی طرف سے بھی مشاہرہ دیا جاتا رہا اور حوصلہ افزائی کے لیے، انگلش زبان سے متعلق ایک رسالہ بھی جاری کیا گیا۔ (۱)

---

(۱) أمريكا المستبدة ص: ۱۲۸۔

ایک اخبار کی نامہ نگار ''ورجینی ڈومرون'' لکھتی ہیں کہ:

''اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے علاوہ، عوامی سطح پر انگلش زبان کو سب سے زیادہ، اشتہارات سے مدد ملی ہے، جو اخبارات اور ٹی وی پر انگلش زبان ہی میں پیش کیے جاتے ہیں، ان اشتہارات کی بہ دولت، اگرچہ مکمل زبان نہیں؛ لیکن بہت سے انگلش الفاظ زبان زد عام ہو گئے ہے۔''(۱)

انگلش زبان کی نشر و اشاعت کے لیے، ایک مؤثر طریقۂ کار یہ اختیار کیا گیا کہ مختلف امریکی کالجوں اور یونیورسٹیوں نے، دنیا بھر میں اپنے ادارے قائم کر دیے، جہاں انگلش زبان کی تعلیم دی جاتی ہے، ان اداروں کا معیار اتنا بلند رکھا گیا کہ وہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے کو، بڑی بڑی کمپنیوں میں اچھی ملازمتیں ملنے لگیں، جس سے ان اداروں کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا، اس طرح کے ادارے دنیا کے تقریباً سبھی ملکوں میں قائم کیے گئے، اس ضمن میں ''وال اسٹریٹ انسٹی ٹیوٹ'' (Wall Street Institute) نامی امریکی ادارے کا نام سرِ فہرست ہے، جس کی شاخیں ہر ملک میں قائم ہیں، اس ادارے نے سعودی عرب کے مشہور اخبار ''عکاظ'' میں اشتہار دیا ہے، جس میں ایک شخص کو ہاتھ بندھا ہوا دکھایا گیا ہے، نیچے لکھا گیا ہے کہ:

''خواہ آپ کے اندر کتنی بھی صلاحیت کیوں نہ ہو؛ لیکن انگلش زبان، کے بغیر، بہ ہر حال آپ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ ''وال اسٹریٹ'' کے ادارے میں انگلش سیکھنے کے لیے تشریف لائیے، جہاں امریکہ

---

(۱) ایضاً۔

کے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔(۱)

مذکورہ بالا طریق ہائے کار کے علاوہ، ''انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن'' اور ہالی وڈ کی فلموں نے، امریکی زبان کو سارے عالم میں پھیلانے اور اس کو عام کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے اور آج انگلش کو دنیا کی مقبول ترین زبان بنادیا ہے۔

امریکن انگلش ہی دراصل عالمی زبان

انگلش یوں تو کئی ممالک کی قومی زبان ہے اور وہاں صدیوں سے اس کا استعمال ہو رہا ہے؛ لیکن ان ممالک کی انگلش زبان میں اچھا خاصا فرق پایا جاتا ہے، خصوصاً تلفظ اور اسپیلنگ میں کافی اختلاف ہے، اس لیے انگلش زبان علی الاطلاق عالم گیر زبان نہیں ہے؛ بل کہ وہ انگلش جو امریکہ میں بولی جاتی ہے، دراصل عالم گیر زبان ہے، امریکن انگلش کی بڑے پیمانے پر اشاعت کے نتیجے میں دیگر ممالک کی انگلش کو بھی خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔

۱۷۸۳ء میں امریکن انگلش کا وجود ہوا، اس دور میں ''ویبسٹر'' ''ٹاس پین'' اور ''ولیم اسمتھ'' جیسے امریکی ادبا، نئے دریافت شدہ امریکہ کی تعمیر میں، سیاسی قائدین کے ساتھ دے رہے تھے، ان ادبا کا بھی یہی خیال تھا کہ امریکی قوم ہی، مستقبل میں اس مشعل کو ہاتھ میں لے گی، جس سے پوری دنیا میں روشنی پھیلے گی، امریکہ ہی آنے والے دنوں میں عالم کی راہ نمائی کرے گا اور

---

(۱) اخبار ''عکاظ'' ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ۔

اسے جہالت زدہ دنیا کو علم کی روشنی کی طرف لے جانے کا شرف حاصل ہوگا، اس لیے ہر میدان میں امریکہ کو بالاتری اور تفوق و امتیاز حاصل ہونا چاہیے، چناں چہ انھوں نے امریکن انگلش ایجاد کی، جو تلفظ اور ''اسپیلنگ'' میں برطانوی انگلش سے بہت مختلف تھی، اس نئی انگلش کی تشہیر کے لیے کتابیں تصنیف کی گئیں، ڈکشنریاں مرتب کی گئیں اور رسائل و مجلّات کی اشاعت کی گئی، مشہور انگلش ڈکشنری ''نیو ویبسٹر'' اسی دور کی پیداوار ہے، جس کے ذریعے ابتدا سے آج تک امریکن انگلش کے فروغ کا کام لیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی کی وجہ سے امریکن انگلش کو سب سے زیادہ فروغ ملا، جگہ جگہ امریکن انداز ہی میں انگلش الفاظ لکھے جانے لگے، دوکانوں اور سڑکوں کے ''بورڈز'' نیز مصنوعات وغیرہ پر، امریکن ''اسپیلنگ'' ہی کا استعمال ہونے لگا اور برطانوی قدیم انگلش کا دائرہ محدود ہوتا گیا، حتی کہ وہ ایک، دو ملکوں ہی میں سمٹ کر رہ گئی۔

ایسے بے شمار الفاظ ہیں جن میں امریکی اور برطانوی انگلش کے درمیان ''اسپیلنگ'' میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ امریکی Centre کے بجائے Center، Through کے بجائے Thru، Colour کے بجائے Color، Defense کے بجائے Defence، Traveller کے بجائے Traveler اور Theatre کے بجائے Theater لکھتے ہیں، یہ تو مفردات کا اختلاف تھا، تعبیرات میں بھی دونوں جگہوں کی انگلش میں بہت تفاوت ہے۔

چنانچہ امریکہ میں اگر کہنا ہو کہ:

''گھر پر ملیں گے'' تو اس کے لیے ''See you home''استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ برطانیہ میں ''See you at home''بولا جاتا ہے، اسی طرح کسی کے بیمار ہونے کو بتلانے کے لیے لفظ ''Ill'' کے بجائے ''Sick''بولا جاتا ہے۔''

اگر چہ برطانوی ریڈیو (BBC) کی جانب سے قدیم اور صحیح انگلش کی ترویج کے لیے، قابل قدر کوششیں کی جاتی ہیں؛ لیکن چوں کہ ذرائع ابلاغ پر امریکہ کی بالادستی ہے، اس لیے ان کوششوں سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا؛ بل کہ امریکی انگلش ہی میں روز افزوں ترقی دیکھنے کو ملتی ہے۔(۱)

اس کے باوجود موجودہ دور میں انگلش ہی کو علی الاطلاق عالمی زبان کا درجہ دیا جاتا ہے اور اس کو دنیا کی دیگر زبانوں پر فوقیت دی جاتی ہے، خواہ اس پر امریکی رنگ ہی غالب کیوں نہ آ گیا ہو، اس لیے کہ کسی بھی زبان کا مختلف الجہات ہونا، اس کی وسعت کا پتا دیتا ہے؛ لیکن اتنا ضرور ہے کہ دیگر زبانوں میں کسی ایک طرز یا لہجے کو فوقیت دینے کے لیے، اتنے بڑے پیمانے پر کوششیں نہیں کی جاتیں، جتنے بڑے پیمانے پر امریکن انگلش کے فروغ کے لیے کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں، بنا بریں امریکن انگلش کو غلبہ حاصل ہو یا برطانوی انگلش کو، بہ ہر صورت انگلش ہی غالب رہے گی، اور اسی کو دنیا کی نمبر ایک زبان کا درجہ حاصل ہوگا، جو وہ حاصل کر بھی چکی ہے، اب تو اُس دور کا انتظار ہے جب دنیا کی دیگر زبانیں تاریخ کے حوالے کر دی جائیں گی اور انھیں ایک ثقافتی

(۱) أمریکا المستبدة ص:۱۲۹۔

ورثے کے طور پر یاد کیا جائے گا، مغرب سے لے کر مشرق تک، اگر کوئی زبان باقی رہے گی تو وہ انگلش ہوگی۔ عالم گیریت اگر اپنے مشن میں صد فی صد کامیاب رہی تو ایسے دور کا آنا ناگزیر ہے۔

انگلش زبان کے اثرات

بلا شبہ انگلش اس زمانے میں عالمی رابطے کا ایک اہم ذریعہ بن گئی ہے، انگلش زبان کے تعارف کیلیے قائم مشہور ویب سائٹ "www.Krysstal.com" کے مطابق: ''یہ زبان دنیا کی دوسری سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے اور اس کے لیے یہ قابل فخر بات ہے کہ ۳۰۰ ملین افراد کی یہ مادری زبان ہے، ۳۰۰ ملین افراد ہی اس کو دوسری زبان (سیکنڈ لینگویج) کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جب کہ ۱۰۰ ملین افراد، غیر ملکی زبان کے طور پر اس کو اپنائے ہوے ہیں، ۴۵ ممالک ایسے ہیں، جہاں انگلش سرکاری یا غیر سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے، جن ممالک میں ابھی تک اس کو یہ درجہ نہیں ملا ہے، وہاں کے باشندوں کے درمیان بھی یہ بہ دستور مقبول ہو رہی ہے، دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک باقی رہا ہو، جہاں کی سیاست وثقافت اور اقتصاد پر یہ زبان اثر انداز نہ ہو۔''(۱)

ویب سائٹ کے مطابق فرانسیسی، اسپینی اور عربی زبان کا حلقہ بالترتیب ۲۷، ۲۰ اور ۱۷ ممالک پر محیط ہے، جب کہ انگلش کا حلقہ اس سے کہیں زائد ہے، ویب سائٹ پر فخریہ انداز میں کہا گیا ہے کہ:

---

(۱) http: //www.krysstal.com/english.html

"فرانسیسی، اسپینی اور عربی زبانوں کے بولنے والے مانیں یا نہ مانیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انگلش عالم گیریت کی راہ پر مسلسل گامزن ہے، چینی زبان کے بولنے والے، اگر چہ تعداد میں سب سے زیادہ ہیں؛ لیکن اس کی وجہ چین کی زبردست آبادی ہے، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ انگلش کے بولنے والے کسی ایک جگہ نہیں ہیں؛ بل کہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں، مزید برآں پوری دنیا میں ہونے والے نصف سے زائد تجارتی معاملات، انگلش ہی کے واسطے سے ہوتے ہیں، جب کہ ۲ تہائی سائنسی مواد آج اس زبان کو سیکھے بغیر نہیں پڑھا جا سکتا، ڈاک کے میدان میں عالمی سطح پر ۷۰ فی صد اسی کا استعمال ہے، جب کہ انگلش سیاحتی سطح پر رابطے کا اہم ترین ذریعہ شمار ہوتی ہے۔"(۱)

انگلش کے زبردست اثرات کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ بلا اختلاف انٹرنیٹ کی زبان بن چکی ہے، ایک جرمن ادارے کے ذریعے کرائی گئی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ انٹرنیٹ پر، ۷۷ فی صد صفحات انگلش میں ہیں، جب کہ دنیا کی بقیہ تمام زبانیں صرف ۲۳ فی صد صفحات استعمال کرتی ہیں، یہ تحقیق انٹرنیٹ کے تقریباً ایک ارب صفحات کی جانچ پڑتال کے بعد، سامنے آئی ہے (انٹرنیٹ کے ایک صفحے پر ۴ تا ۶ کتابی صفحوں کا مواد آسکتا ہے) تحقیق میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انٹرنیٹ پر انگلش کے بعد، جاپانی اور پھر جرمنی زبان کا نمبر ہے۔

حال آں کہ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے امریکیوں کا تناسب، مسلسل کم

---

(۱) دیکھیے انگلش زبان کے تعارف کے لیے قائم مشہور ویب سائٹ
http: www.Krysstal.com english.html

ہو رہا ہے اگر چہ آج بھی پوری دنیا میں انٹرنیٹ کے استعمال کرنے والے، آدھے امریکی ہیں؛ لیکن پانچ سال پہلے ان کا تناسب دو تہائی ہوا کرتا تھا، صارفین کے تناسب میں کمی کے باوجود انگلش زبان کا تناسب روز افزوں ہے۔(۱)

انٹرنیٹ صارفین کے حلقوں میں ''گوگل'' (Google) کوئی نیا نام نہیں ہے؛ بل کہ یہ ایک مشہور و معروف ویب سائٹ ہے، جس کے جرمنی میں قائم سینٹر نے یہ تحقیق پیش کی ہے، اس سے یہ اندازا لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ انگلش زبان مسلسل پھیلتی جا رہی ہے اور دل چسپ بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے، جو انگلش کو اپنی مادری زبان مانتے ہیں؛ لیکن گلوبلائزیشن کے مضبوط ترین آلۂ کار انٹرنیٹ کے ذریعے، اس زبان کو بے نظیر فروغ مل رہا ہے اور اس نیٹ ورک کے ذریعے یہ زبان گھر گھر داخل ہو رہی ہے، اس لیے ماہرین لسانیات کے مطابق انگلش کے اس غیر محدود پھیلاؤ کی وجہ سے، اس زبان کے بولنے والوں اور مختلف موقعوں پر استعمال کرنے والوں کے، صحیح اعداد و شمار پیش کرنا نہایت مشکل؛ بل کہ ناممکن ہے۔

انگلش کی عالم کاری کا ہی نتیجہ ہے کہ آج یہ زبان دنیا کے بیش تر ممالک خصوصاً عرب ممالک میں، دوسری زبان کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، جب کہ فرانسیسی زبان کا نمبر تیسرا ہے، عرب ممالک کے اسکولوں (جہاں انگلش کی یا بعض جگہوں پر فرانسیسی کی تعلیم دینا ضروری ہے) کے نصاب تعلیم کو دیکھ کر یہ اندازا بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان دونوں زبانوں کے حوالے سے آج پورا

---

(۱) اخبار الأھرام بہ حوالہ گوگل فاؤنڈیشن جرمنی کی ویب سائٹ، ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۰/ جون ۲۰۰۱ء۔

عالم اسلام دو حصوں میں تقسیم ہے، پہلا حصہ جو تعداد کے لحاظ سے غالب ہے، نونہالانِ قوم کو انگلش زبان کی، دوسری زبان کے طور پر تعلیم دینا پسند کرتا ہے، جیسے خلیجی ممالک، مصر، سوڈان، پاکستان اور بعض جنوبی مشرقی ایشیائی ممالک، جب کہ دوسرا حصہ فرانسیسی زبان کو ترجیح دیتا ہے جیسے مراکش اور شام وغیرہ۔

نصاب تعلیم میں انگلش کی اس دخل اندازی کے نتائج ۱۹۹۵ء میں، ایک برطانوی کمیٹی کے ذریعے ترتیب دی گئی کتاب، ''انگلش زبان کا مستقبل'' (The Future of English?) میں بیان کیے گئے ہیں، اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ:

''دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ کسی نہ کسی درجے میں، انگلش زبان بول رہا ہے، جب کہ ایک بہت بڑی تعداد اس زبان کو سیکھنے کی شدید ضرورت محسوس کررہی ہے، ۲۰۰۰ء کے آتے آتے انگلش سیکھنے والوں کی تعداد، ایک ارب سے متجاوز ہوگی اور انگلش ہی زندگی کے تمام گوشوں کی زبان بن جائے گی۔ (۱)

انگلش کا عربی زبان پر اثر

یوں تو مصر پر فرانسیسی سامراج کے زمانے ہی سے، عربی زبان کے خلاف (بہ حیثیت ایک اسلامی زبان کے) یورش کا آغاز ہو چکا تھا، شروع شروع میں ''جرجی زیدان'' اور ان جیسے دیگر مستشرقین نے اور پھر ان مستشرقین کے پروردہ، کچھ عرب ادبا نے عربی زبان کے دینی تشخص کو ختم

(1) The Future of English? طبع The English Company (انگلش کمپنی)
بحوالہ العولمة اللغوية: از ڈاکٹر ہیثم بن جواد الحداد، رسالہ: البیان عدد ۱۷۰۔

کرنے کی زبردست مہم چلا رکھی تھی، کہیں فصیح عربی کے بجائے، عامی زبان کو ہی اصل عربی قرار دینے کا نعرہ بلند کیا گیا اور یہ اپیل کی گئی کہ زندگی کے ہر میدان میں، عامی زبان کو استعمال کیا جائے اور فصیح زبان کو قرآن وحدیث تک محدود رکھا جائے، تو کہیں سے یہ تحریک چلی کہ عربی زبان کے رسم الخط کو تبدیل کر دیا جائے۔ ان تحریکوں کا مقصد یہی تھا کہ امت اپنی سب سے بڑی طاقت اور دولت: قرآن کریم سے محروم ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کے واسطے سے، اس زبان کی حفاظت کی بھی ذمے داری لی ہے، اس لیے اس کے مفردات اور کلمات آج تک پہلی حالت پر باقی ہیں۔

نئی نئی ایجادات کے اس دور میں، دیگر زبانوں کے بھی بہت سے کلمات ومفردات بڑی کثرت کے ساتھ، عربی زبان میں داخل ہوئے ہیں اور عربی میڈیا میں بڑے پیمانے پر استعمال ہو رہے ہیں، حال آں کہ مختلف عرب ممالک میں بہت سی ایسی عربی انجمنیں بھی قائم ہیں، جو جدید ایجادات کے لیے نئے الفاظ وضع کرتی ہیں اور مختلف ذرائع سے، ان کو عام کرنے کی کوشش کرتی ہیں، عربی میڈیا سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ انھی الفاظ کو استعمال کریں؛ لیکن انگلش سے متأثر عرب صحافی اور مضمون نویس، کثرت کے ساتھ انگلش وعربی کا مخلوطہ پیش کرتے ہیں، اس کے باوجود عرب انجمنوں کی اس سلسلے میں توجہ نہایت خوش آیند قدم ہے۔

عربی زبان مفردات وکلمات میں، انگلش سے خواہ اتنی متأثر نہ ہوئی ہو؛ لیکن اسلوب، انداز بیان اور تعبیر میں بے حد متأثر ہوئی ہے، اگر یہ کہا

جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مصر پر، فرانسیسی اور پھر برطانوی سامراج میں، عربی زبان کو پوری طرح فرنچ اور انگلش کے اسلوب اور قالب میں ڈھال لیا گیا ہے، آج عربی صحافت میں استعمال ہونے والی تعبیرات اور جملوں میں، انگلش کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے، اگرچہ الفاظ وکلمات خالص عربی ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جدید عربی اور قدیم عربی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور جدید نثر پر جدید عربی کا اطلاق کرنا ہرگز درست نہیں ہے، ان کی یہ بات مفردات کی حد تک تو صحیح ہوسکتی ہے؛ لیکن اسلوب، تعبیر اور طرز استعمال کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس اعتبار سے عربی میں انگلش اور دیگر یورپی زبانیں، مکمل طور پر رچ بس گئی ہیں، گزشتہ دو صدیوں سے جس طرح کی تعبیرات اور جملے عربی میں استعمال ہورہے ہیں، وہ سب اجنبی زبانوں سے اخذ کردہ ہیں، خانہ ساز نہیں ہیں، جب کہ دو صدی پہلے کی تمام تعبیرات عربی کی خانہ ساز ہیں اور قرآنی عربی سے ہم آہنگ ہیں۔

ہم سردست چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں، جو اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں کہ عربی زبان کس حد تک انگلش سے متأثر ہوئی ہے، مثلاً عربی زبان کا ایک جملہ ہے ''لَعِبَ دوراً'' (کردار ادا کرنا) یہ جملہ صحافتی وغیرصحافتی مضامین میں، عام طور پر استعمال ہوتا ہے اور انگلش سے ماخوذ ہے، انگلش زبان میں یہی معنی ادا کرنے کے لیے Play The role استعمال ہوتا ہے، '' سجّل انتصاراً'': (فتح حاصل کرنا) اسی کو انگلش میں کہا جاتا ہے Record The victory۔ بہت سے اخبارات ومجلّات میں ''مدار الساعة''

کے نام سے ایک کالم ہوتا ہے، جو ایک انگلش جملے کا بلفظہٖ ترجمہ ہے، انگلش میں اس کے لیے اخبارات ورسائل میں Around The clock استعمال ہوتا ہے۔

یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ آج کل کی اخباری زبان میں استعمال ہونے والے عربی جملے، انگلش ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، عربی کی اپنی تعبیرات خال خال ہی نظر آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک عجمی کے لیے عربی میں مہارت حاصل کرنے کے لیے، انگلش کا سیکھنا ناگزیر بن چکا ہے، لیکن انگلش کا کسی زبان پر حاوی ہونا ہی، گلوبلائزیشن کے پالیسی ساز اداروں کے لیے کافی نہیں ہے؛ بل کہ انگلش کے سامنے کسی دوسری زبان کا وجود ہی، ان کے لیے ناپسندیدگی کا باعث ہے، اس لیے اب دوسرے مرحلے کے طور پر، جہاں جہاں مواقع فراہم ہو رہے ہیں، عالم گیری عربی زبان کو ختم کرنے کے لیے بہانے تلاش کر رہے ہیں، چناں چہ جب سے عراق پر امریکہ کا قبضہ ہوا، عراقی بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کو مہذب بنانے کی ذمے داری بھی، امریکی قوم کے ہاتھ آگئی ہے، بش انتظامیہ نے عراق کی تعمیر نو کے ضمن میں، وہاں کے اسکولوں کا نصاب ترتیب دینے کا بھی منصوبہ بنایا ہے، امریکی وزرات خارجہ کے تحت بنائی گئی تعلیمی ایگزیکٹیو ٹیم، عراق پر حملہ شروع ہونے سے دو ماہ قبل، جنوری سے ہی امریکی نژاد عراقیوں اور امریکی ماہرین کی مدد سے، عراقی اسکولوں کے لیے نیا نصاب تیار کرنے میں مصروف ہوگئی تھی، اس ٹیم کے رکن ''ایڈورڈ اوڈیسی'' کا کہنا ہے کہ:

''وہ عراق کے موجودہ عربی نصاب کے بجائے، مختلف زبانوں پر مشتمل

نصاب تیار کر رہے ہیں۔"(۱)

اس سے بہ خوبی اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ عراقی عرب بچے، جب اس نصاب کو پڑھ کر مستقبل کے دروازے پر قدم رکھیں گے، تو عام بول چال کے لیے اگر چہ وہ عامی زبان کا استعمال کریں گے؛ لیکن فصیح عربی سے نا آشنا رہیں گے اور انگلش ہی کو وہ مثالی زبان تصور کریں گے، عراق سے پہلے امریکہ نے یہی تجربہ افغانستان میں کیا اور عراق کے بعد جن مسلم ممالک کا نمبر ہے، وہاں پر بھی یہی عمل دہرایا جائے گا، تا آں کہ مشرق کا بچہ بچہ انگلش زبان سے محبت کرنے والا؛ بل کہ اس کا خدمت گزار بن جائے۔

دیگر زبانوں کا وجود خطرے میں

لسانی گلوبلائزیشن نے جہاں انگلش بولنے والے ممالک بالخصوص امریکہ کے لیے، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی اعتبار سے راہیں ہموار کی ہیں، وہیں اس سے دنیا کی بہت سی زبانوں کا وجود بھی خطرے میں پڑ گیا ہے، وہ زبانیں اپنے بولنے والوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں، یا اب ان کا تذکرہ ہی صرف چند کتابوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، جو زبانیں باقی بچی ہیں اور اپنے وجود و بقا کی حفاظت کے لیے سرگرم عمل ہیں، وہ بھی انگلش سے سخت متأثر ہو رہی ہیں۔

اقوام متحدہ کے پروگرام برائے ماحولیات سے متعلق، ایک ٹیم کی تحقیق سے پتا چلا ہے کہ پوری دنیا میں، نصف مقامی زبانیں زوال پذیر ہیں، ماہرین

---

(۱) روز نامہ راشٹریہ سہارا اردو نئی دہلی، ۱۳/ اپریل ۲۰۰۳ء۔

کا کہنا ہے کہ:

”یہ صورت حال ثقافتی ورثے اور ماحولیات، دونوں ہی کے لیے افسوس ناک ہے، بہت جلد ہر میدان میں گلوبلائزیشن کی وجہ سے، قدیم قوموں کے پاس محفوظ فطرت کے راز، جن میں قصے کہانیاں، فن کاری اور صنعت وحرفت شامل ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائیں گے“

تحقیقاتی کمیشن کے مطابق ۲۳۴ معاصر زبانیں مکمل طور پر ختم ہو چکی ہیں، جب کہ پوری دنیا کی ۹۰ فی صد مقامی زبانیں، اکیسویں صدی میں ختم ہو جائیں گی، اقوام متحدہ کے پروگرام برائے ماحولیات کے چیرمین ”کلاوس ٹوبیفر“ نے خبردار کیا ہے کہ:

”پوری دنیا کی منڈیوں میں، جس آزادانہ تجارت کو ہم اقتصادی ترقی کا ضامن سمجھ رہے ہیں، دراصل یہی چیز بے شمار ثقافتی اور مقامی روایات کو زندہ در گور کر دے گی۔“(۱)

تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ۳۲ فی صد مقامی زبانیں ایشیا میں پائی جاتی ہیں، جب کہ ۳۰ فی صد افریقہ میں، ۱۹ فی صد بحرالکاہل کے علاقے میں، ۱۵ فی صد برّ اعظم امریکہ میں اور ۳ فی صد یورپ میں پائی جاتی ہیں، افریقی ملک کینیا ان ممالک میں سرفہرست ہے، جہاں بہت سی زبانیں پروان چڑھی ہیں، چناں چہ کینیا میں سب سے زیادہ ۸۴۷ زبانیں ہیں، اس کے بعد انڈونیشیا کا نمبر ہے، جہاں ۶۵۵ زبانیں ہیں، پھر نائجیریا

---

(۱) العولمة اللغوية مجلّة البيان عدد ۱۷۰۔

میں ۳۷۶ زبانیں، ہندوستان میں ۳۰۹، آسٹریلیا میں ۲۶۱، میکسیکو میں ۲۳۰ کیمرون میں ۲۰۱، برازیل میں ۱۸۵، کونگو میں ۱۵۸ اور فلپین میں ۱۵۳ زبانیں پائی جاتی ہیں۔(۱) یہ بھی زبانیں اس وقت محض انگلش کی وجہ سے اپنے وجود و بقا کے لیے لڑائی لڑ رہی ہیں اور مسلسل رو بہ زوال ہیں، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ ان پر ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا اور کبھی کبھی ثقافتی ورثے کی دہائی دینے والوں کی محفلوں میں، ان کا تذکرہ زیرلب آجایا کرے گا اور وہ تذکرہ بھی اسی زبان میں ہوگا، جو پوری دنیا کی ثقافت کو مٹانے کی اصل ذمے دار ہوگی۔

مادّیت پرستی کے اس دور میں، انگلش زبان جس تیزی کے ساتھ لوگوں کے ماحول اور ان کی زندگیوں میں سرایت کر رہی ہے، اس کا اندازا خود لوگوں کو بھی نہیں ہو پا رہا ہے، پوری دنیا اقتصادی منافع کے پیش نظر، انگلش زبان کو اپناتی چلی جا رہی ہے، جہاں حکومتیں اپنی سرد مہری کی وجہ سے، اس ابتر صورت حال کی ذمے دار ہیں، وہاں عوام کی بے شعوری بھی ثقافتی ورثے کی ہلاکت اور انگلش کو عالمی زبان بنانے میں برابر کی شریک ہے، برطانیہ کو مستثنیٰ کر کے، عام طور پر یورپی عوام انگلش کے سخت خلاف رہے ہیں، حال آں کہ ان کی تہذیب اور برطانوی و امریکی تہذیب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے؛ لیکن گوری چمڑی کی اس نسل کے درمیان، مابہ الامتیاز اگر کوئی چیز ہے، تو وہ زبان ہے، اس لیے چند یورپی ممالک اپنی زبانوں کی حفاظت کے سلسلے میں کافی سنجیدہ نظر آتے ہیں، اسی کے پیش نظر ۴ فروری ۲۰۰۱ء کو بعض یورپی شہروں

(۱) ایضاً۔

میں لسانی گلوبلائزیشن کے خلاف مظاہرے ہوے، اخبار The Globlist کے کالم نویس ''الیکسی بایر'' کے یہ قول:

''انگلش زبان کے خلاف ان مظاہروں کا دل چسپ پہلو یہ تھا کہ لوگوں نے جو تختیاں اٹھا رکھی تھیں، ان پر لسانی گلوبلائزیشن کے خلاف انگلش زبان میں ہی فقرے لکھے ہوے تھے۔ یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ انگلش عالم کاری کی راہ پر مسلسل گامزن ہے اور اس کا کسی کو احساس تک نہیں ہو رہا ہے۔''(۱)

مختلف قوموں کو لاحق فکر

انگلش زبان کے گلوبلائزیشن اور زبردست فروغ کو دیکھتے ہوے، بہت سی قوموں کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ اگر انھوں نے، سرد مہری کا مظاہرہ کیا، تو ایک دن ان کی زبان، انگلش میں منضم ہو جائے گی اور ان کے پاس جو واحد تہذیبی و ثقافتی سرمایہ ہے، وہ ختم ہو جائے گا، یہ اقوام امریکی ثقافت کے پھیلاؤ کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں اور زندگی کے مختلف گوشوں میں، امریکی بالادستی کے خلاف آسانی سے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نظر نہیں آتیں، ''فرانس''، ''جرمنی'' اور دیگر یورپی ممالک آج انگلش کی لامحدود وسعتوں پر فکر مند ہو گئے ہیں، ان ممالک کے باشندوں نے اس سلسلے میں حکومت کے شانہ بشانہ چلنے کا عزم کیا ہے، حتی کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو آزاد، کشادہ ذہن، تنگ نظری کا مخالف اور جدت پسند کہلوانا پسند کرتے ہیں، اس موڑ پر آکر تنگ نظر،

---

(۱) The Globalist ۵/۲/۲۰۰۱ء

قدامت پرست اور متعصب بن گئے ہیں، کوئی شدید ضرورت ہی ان کو انگلش سیکھنے پر مجبور کردے تو بات الگ ہے، ورنہ وہ اس زبان کا کوئی لفظ بولنا بھی اپنے لیے توہین سمجھتے ہیں، جو لوگ فرانس کی گلیوں میں گھوم چکے ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرانسیسی عوام کی عصبیت، اس قدر شدت اختیار کر چکی ہے کہ انگلش جاننے اور مخاطب کے غیر ملکی ہونے کے باوجود، وہ اس کو اپنی ہی زبان میں جواب دیتے ہیں، انھیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ سامنے والے نے ان کی بات سمجھی ہے یا نہیں، وہ اس کو اشاروں کنایوں میں سمجھانے کی تو کوشش کر سکتے ہیں؛ لیکن انگلش کا ایک حرف بھی زبان پر لانا گوارہ نہیں کرتے۔

حال آں کہ فرانسیسی اور امریکی تہذیب وثقافت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، کیوں کہ حقوق نسواں کے نام پر، جس عریانیت اور فحاشی کو امریکن درست قرار دیتے ہیں، اسی عریانیت اور فحاشی کو فرانسیسی جائز ٹھہراتے ہیں؛ بل کہ ہم جنس پرستی کو فرانس میں ہی سب سے پہلے قانونی حیثیت دی گئی اور اس کو ایک انسانی حق شمار کیا گیا۔ دیگر کسی میدان میں امریکہ نے فرانس کی تقلید کی ہو یا نہ کی ہو؛ لیکن اس سلسلے میں امریکہ نے فرانس ہی سے راہ پائی اور اپنے ملک میں ہم جنس پرستی کو قانوناً درست قرار دیا، بس پھر کیا تھا، فرانس کی مشرقی سرحدوں سے لے کر، امریکہ کی مغربی سرحدوں تک، ہم جنس پرستوں کی انجمنیں بن گئیں، ان کے سالانہ عالمی کنونشن منعقد ہونے لگے اور جنس پرستی واباحیت کے فروغ کے لیے، رسائل ومجلّات کی اشاعت شروع ہوگئی۔

امریکہ اور فرانس کے درمیان اس ''تہذیبی وثقافتی وحدت'' کے

باوجود، جب زبان کا مسئلہ آتا ہے، تو فرانس ایک دشمن کے کردار میں امریکہ کے سامنے کھڑا نظر آتا ہے، اپنی زبان کی حفاظت اور انگلش کی آمیزش سے اس کو بچانے کے لیے، فرانس کی کوششوں کا اندازا فرانسیسی لیڈران کی جدوجہد اوران کے افکار وخیالات سے لگایا جا سکتا ہے۔

چناں چہ فرانس کے صدر ''جاک شیراک'' نے ''گلوبلائزیشن کے چیلنج'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے سیمینار کے افتتاح کے موقع پر، لاتینی زبان بولنے والے ممالک سے اپیل کی کہ وہ انگلش زبان کی بالادستی کے خلاف، محاذ آرائی کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور ایک مشترکہ وفاق قائم کریں۔

سوربون یونیورسٹی میں ایک سیمینار کے افتتاح کے موقع پر، جس میں فرانس، اسپین اور پرتگال کے مندوبین نے شرکت کی، جاک شیراک نے کہا کہ: ''ایک بالادست نظام کے خلاف ہم یہاں جمع ہونے اور غور وفکر کرنے پر مجبور ہوگئے، تاکہ ہم مستقبل میں اپنے قومی ورثے کی حفاظت کر سکیں''

فرانسیسی صدر نے لاتینی یونین سے تعلق رکھنے والے اطالوی عوام کو مشورہ دیا کہ: ''وہ ایسوسی ایشن آف فرنچ لائزیشن''، (تنظیم برائے فرانس کاری) پرتگالی بولنے والے ممالک کے گروپ، ''امریکی اسپینش ایسوسی ایشن'' اور ''ایبیر یائی اسپینش ایسوسی ایشن'' سے منسلک ہو جائیں، تاکہ ان ممالک کی تعداد ۷۹ ہو جائے، جو ۱ء۲ ارب ایسے نفوس کی نمایندگی کرتے ہوں، جو اپنی زبان کی حفاظت کی خواہش رکھتے ہیں'' جاک شیراک نے پانچوں تنظیموں سے مشترکہ طور پر، اقوام

متحدہ میں اپنے منصوبے پیش کرنے کی اپیل کی اور ”عالمی معاشرے میں کثرت لسانی“ کے اصول کا زبردست انداز میں دفاع کیا، انھوں نے سیمینار کے شرکا کو اس بات پر ابھارا کہ وہ انفارمیشن اور ٹکنالوجی کے میدان میں، زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کریں اور انٹرنیٹ پر لاتینی ثقافتوں کے تعارف اور ان کی نشر واشاعت کے لیے، ایک جامع ویب سائٹ بھی قائم کریں، آخر میں انھوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ اقوام متحدہ کے تابع ”یونیسکو“ نامی ادارہ ایک عالمی منشور شائع کرکے ”کثرت ثقافت کے حق“ کو باقاعدہ تسلیم کرلے گا۔(۱)

یہاں یہ ذکر کرنا فائدے سے خالی نہیں رہے گا کہ ۳۳ سال پہلے، فرانس نے اپنی تہذیب وثقافت کو فروغ دینے کے لیے، ”عالمی تنظیم برائے فرنچ لائزیشن“ قائم کی تھی، جس میں ان ۵۵ ممالک نے رکنیت حاصل کی تھی، جو جزوی یا کلی طور پر فرانسیسی زبان بولتے ہیں، اس وقت تنظیم کے صدر، اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری بطرس غالی ہیں، یہ تنظیم ۲۰/۳/۱۹۷۰ء میں نائجیریا کی دارالحکومت ”نیامی“ میں قائم ہوئی تھی جس کا مقصد فرانس کی ثقافت وتمدن کو غیر محدود بنانا اور دنیا کے کونے کونے میں، فرانسیسی تہذیب کو پہچانا تھا؛ لیکن گلوبلائزیشن کے مقابلے میں، اس تنظیم کی نقل وحرکت سست پڑگئی، حتی کہ گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں، فرنچ لائزیشن تحریک نے گلوبلائزیشن کا مقابلہ کرنے کے لیے، اپنے آپ کو وقف کردیا، بہ صورتِ دیگر فرانس کی زبان بھی گلوبلائزیشن کا شکار ہوجاتی۔(۲)

(۱) ویب سائٹ ”الجزیرۃ“ چینل http: www Aljazeerh.net بتاریخ ۲۰/۳/۲۰۰۱ء۔
(۲) ایضاً۔

فرانس کی ان کوششوں سے اندازا ہوتا ہے کہ وہاں کی قوم، اپنی زبان اور" نام نہاد" ثقافت کو بچانے کے لیے کس قدر سنجیدہ ہے، عوامی سطح سے لے کر سرکاری سطح تک، فرانسیسی زبان کو انگلش کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی جدّ وجہد کی جارہی ہے اور اس پر بہت بڑا سرمایہ خرچ کیا جارہا ہے، انھی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ فرانس (باوجودیکہ امریکی ثقافت سے مماثلت رکھتا ہے) ایک الگ ثقافتی محاذ کی شکل میں، دنیا کے سامنے نمودار ہوا ہے، فرانسیسی ثقافت کے غیر اخلاقی اور غیر فطری اقدار پر مشتمل ہونے کے باوجود، اس کو دیگر یورپی وامریکی ثقافتوں کے درمیان امتیاز حاصل ہوگیا ہے، حال آں کہ ان تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان اگر کہیں فرق ہوسکتا ہے، تو وہ صرف زبان ہے اور کچھ نہیں۔

فرانس کے بعد جرمنی کے عوام کا نمبر آتا ہے، جو انگلش کے دائرے کی وسعتوں سے خوفزدہ ہیں اور اپنی محبوب زبان کو انگلش کے اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، کیوں کہ وہ اپنی زبان کو باعث افتخار سمجھتے ہیں اور اس پر ہونے والے حملے کو اپنے اوپر حملہ تصور کرتے ہیں، جرمنی کے یہی باشندے ہیں، جنھوں نے آج سے تقریباً ایک دہائی قبل، پرامن انقلاب لاکر مشہور برلن دیوار کو منہدم کردیا تھا اور مشرقی ومغربی جرمنی کے درمیان دوریوں کو ختم کرکے، بے مثال وحدت کا ثبوت دیا تھا، آج یہی لوگ امریکہ وبرطانیہ سے آنے والی اس ثقافت کے سامنے، جو انگلش کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے، لوہے کی ایک دیوار تعمیر کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ اس سیلاب سے اپنے ثقافتی تشخص اور اپنی

زبان کی حفاظت کر سکیں، جرمنی میں آئے دن ایسے مطالبے کیے جا رہے ہیں کہ قومی زبان کو دیگر زبانوں، بالخصوص انگلش کے اثرات سے پاک رکھنے کے لیے قوانین پاس کیے جائیں، تاکہ جرمن زبان ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے، لیکن جرمنی کے ماہرین لسانیات کے بہ قول:

> ''انگلش کی اصطلاحات ان کی زبان کی سلامتی کے لیے خطرہ بن گئی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں ہیں اور ان کی تمام تر سوچ و فکر کا دائرہ سمٹ کر، زبان کی حفاظت تک محدود ہو کر رہ گیا ہے''

ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ جرمنی بھی فرانس کے نقش قدم پر چلے اور ایسے قوانین بنائے، جن کی رو سے لوگ اپنی تحریروں اور اشتہارات میں غیر ملکی اصطلاحات استعمال نہ کر سکیں۔ باوجودیکہ جرمنی کے وزیر ثقافت کو اس سنگین مسئلے کا احساس ہے؛ لیکن وہ قوانین پاس کرنے کے حق میں نہیں ہیں، البتہ جرمن زبان کی حفاظت کے لیے ضروری اقدامات کرنے کی، وہ پرزور وکالت کرتے ہیں۔(۱)

چین تیسرا ملک ہے، جو لسانی گلوبلائزیشن کے سلسلے میں سنجیدگی سے غور و فکر کر رہا ہے، چینی ماہرین کا یہ خیال ہے کہ نوجوان طبقہ، امریکی فلموں کا شوقین ہونے کی وجہ سے، امریکی ثقافت سے بہت زیادہ متاثر ہو رہا ہے، اِس صورت حال نے چینی ماہرین ثقافت کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور انھوں نے چینی ثقافت اور چینی زبان کی حفاظت کے لیے، حکومت سے قانون پاس کرنے کی

---

(۱) رائٹر نیوز ایجنسی بحوالہ الجزیرہ ٹی وی چینل ۳ دسمبر ۲۰۰۱ء۔

اپیل کردی، چناں چہ جنوری ۲۰۰۱ء سے اس قانون کا نفاذ ہو گیا، جس کی رو سے ذرائع ابلاغ قدیم چینی طرز کی زبان استعمال کرنے کے پابند تھے، جب کہ برطانوی کالونی-ہانگ کانگ- میں چینی زبان میں در آئی تبدیلیوں کے ساتھ اس زبان کو استعمال کرنا سخت جرم قرار پایا۔(۱)

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ممالک اور وہاں کے باشندے، اپنی زبان سے کس حد تک محبت کرتے ہیں کہ وہ خود حکومتوں سے زبان کی حفاظت کی خاطر، قوانین پاس کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور پھر ان پر سختی سے عمل پیرا بھی ہوتے ہیں؛ لیکن ان عربوں کے فکر کے سوتے خشک ہو چکے ہیں، جو دنیا کی قدیم ترین اور سب سے زیادہ وسیع زبان کے مالک ہیں۔ عربی زبان کی ثقافتی اہمیت سے زیادہ اس کی دینی اہمیت ہے؛ لیکن اس کے باوجود عمومی طور پر، اپنی زبان کو غیر ملکی اور خصوصاً انگلش کے اثرات سے پاک رکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی جا رہی ہے، دین کے درد و حمیت اور اسلامی تعلیم کے زیور سے محروم، مغرب پرستی میں سرشار اور انگریزوں کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے ہوئے عرب لیڈر، محض اپنے آقاؤں کو راضی رکھنے کے لیے کوئی ایسا قانون پاس کرنے سے گریزاں ہیں، جو عربی زبان کی حفاظت کا ضامن ہو، ہم آج ہر میدان میں مغرب کے سامنے شکست خوردہ کھڑے ہوئے ہیں، حال آں کہ امت مسلمہ ایک ایسی زبان کی مالک ہے، جس میں عالمیت کے سب سے زیادہ اوصاف جمع ہیں اور جو اپنے الفاظ

(۱) العولمة اللغوية، رسالہ: البیان عدد ۱۷۰۔

کی کثرت کی وجہ سے، ہر ماحول میں پنپ سکتی ہے؛ لیکن مسلمانوں نے اس میدان میں بھی غفلت وسرد مہری کا مظاہرہ کیا اور اپنی دینی زبان کو بھی انگلش کے اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکے۔

لسانی گلوبلائزیشن کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

امت مسلمہ کو اپنی مشترکہ دینی زبان (عربی) کی حفاظت کے لیے، اسی حمیت، غیرت؛ بل کہ عصبیت سے کام لینا پڑے گا، جس کا مظاہرہ گزشتہ چند سالوں سے فرانس وجرمن کے عوام کر رہے ہیں، یہ اصول صرف عربی زبان ہی کی حفاظت کے لیے نہیں ہے؛ بل کہ ہر ایسی زبان کے لیے ایک تریاق کی حیثیت رکھتا ہے، جو آج انگلش زبان کے حملوں سے لبِ دم ہے۔ اردو کو اگرچہ اسلامی زبان نہیں کہا جاسکتا؛ لیکن مسلمانوں کی زبان ضرور کہا جاسکتا ہے، اس حیثیت سے اردوداں طبقے کی بھی یہ ذمے داری ہے کہ وہ اس زبان کو غیر ملکی اثرات سے پاک رکھے، اردو کے سلسلے میں بھی بے پناہ غفلت کا مظاہرہ کیا گیا ہے؛ بل کہ من وعن انگلش الفاظ کو ہی اردو میں داخل کرنے کو مستحسن سمجھا گیا ہے، عربی کے ساتھ ساتھ اردو کی حفاظت کی خاطر بھی، اسی عصبیت وحمیت کی ضرورت ہے، جس کو ہم اپنی نام نہاد فراخ دلی سے ختم کر چکے ہیں، خواہ ہمیں یہ عصبیت فرانسیسیوں اور جرمنیوں سے ہی کیوں نہ مستعار لینی پڑے، اس کے بغیر کسی بھی زبان کی حفاظت ممکن نہیں ہے۔

ہمارے لیے اردو یا فارسی سے زیادہ، عربی زبان کی اہمیت اس معنی کر

ہے کہ یہ ثقافتی سے زیادہ ایک دینی ورثہ ہے، جو آج مغرب کی جانب سے اٹھے طوفانوں میں گھرا ہوا ہے، اس ڈولتے سفینے کی حفاظت کی ذمے داری ہر باشعور مسلمان کا دینی فریضہ ہے، لہذا قرآنی زبان کی حفاظت میں عربوں کے ساتھ عجم بھی برابر کے شریک ہیں۔

ڈاکٹر ہیثم بن ھواز الحداد نے اپنے مقالے میں، چند ایسے حل پیش کیے ہیں جن پر اگر عمل درآمد ہو جائے، تو شاید عربی زبان کو اس بحران سے نکالا جا سکے، ذیل میں ہم ان کے مقالے میں ذکر کردہ تجاویز کو پیش کر رہے ہیں:

(۱) دنیا کے ان حصوں میں جہاں عربی زبان نہیں پہنچی ہے، وہاں اس زبان کی نشر و اشاعت کی جائے، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل چند خطوط پر چلا جا سکتا ہے۔

(الف) عرب ممالک میں جو غیر مسلم یا غیر عربی داں اقلیتیں آباد ہیں، ان کے درمیان عربی زبان کو فروغ دیا جائے، مثال کے طور پر مراکش ایک ایسا ملک ہے، جہاں بڑی تعداد میں غیر عربی داں طبقہ آباد ہے، اس لیے دینی پہلو کے ساتھ ساتھ سیاسی استحکام کے لیے بھی، وہاں عربی زبان کا فروغ از حد ضروری ہے۔

(ب) وہ مسلم ممالک جہاں عربی زبان نہیں بولی جاتی، جیسے انڈونیشیا، ملیشیا، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ ایسے ممالک میں بھی، عربی زبان کی بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت کی جائے، ان ممالک میں دینی نقطۂ نظر سے اٹھایا جانے والا ہر قدم کامیابی سے ہم کنار ہوگا، اس لیے کہ یہاں کے باشندے

اسلام کے تئیں اپنے سینوں میں جو شیلے جذبات رکھتے ہیں۔

(ج) تیسرے نمبر پر مغربی ممالک میں، عربی زبان کی ترویج کی کوشش کی جائے، کم از کم مغربی ممالک میں آباد مسلم کمیونٹی کے درمیان، عربی کا فروغ نہایت ضروری ہے۔

(۲) عرب ممالک میں عامی زبان بولنے والوں کے درمیان، فصیح عربی بولنے کا رواج پیدا کیا جائے، کیوں کہ خلیج سے لے کر بحر اٹلانٹک تک، جب پورا عالم عرب فصیح عربی زبان بولے گا، تو کیا اسلامی وحدت کی راہ میں حائل قبائلی، نسلی اور لسانی رکاوٹیں دور نہ ہوں گی؟

اس مقصد کو بہ روے کار لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے اردگرد کے ماحول میں، عامی زبان کا استعمال کم سے کم ہو، ذرائع ابلاغ عامی زبان استعمال کرنے سے اجتناب کریں اور فصیح زبان استعمال کرنے کے کا پابند ہو جائیں۔

(۳) لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھادی جائے کہ عامی زبان اسلامی وحدت کے لیے، کسی خطرے سے کم نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر عربی ملک کی عامی زبان، دوسرے سے اتنی مختلف ہے کہ مستقل زبان معلوم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ اتفاق سے حجازی، لبنانی اور جزائری جمع ہو جائیں اور تینوں عامی زبان میں گفتگو کریں، تو ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے تینوں کو ایک مترجم کی ضرورت پڑے گی، اس حقیقت سے یہ اندازا لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ ہر عامی زبان ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، چناں چہ "مجمع اللغۃ العربیۃ" کے صدر ڈاکٹر شوقی ضیف نے مجمع

کے ۶۷ ویں اجلاس کی پہلی نشست کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ:

''اگر عرب ریڈیو عامی زبان کی نشر واشاعت ہی پر اڑے رہے، تو عرب قوم کے درمیان روابط ختم ہو جائیں گے، ہر ملک کے باشندے تنہا پڑ جائیں گے، حال آں کہ وہ یورپ، جہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں سیاسی واقتصادی وحدت سے مالا مال ہے، اس کا جیتا جاگتا ثبوت یورپی یونین ہے''

(۴) لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرادی جائے کہ عامی زبان کا استعمال، اسلام سے دوری کا باعث بن سکتا ہے، کیوں کہ وہ شخص جو فصیح عربی کے بجائے عامی زبان استعمال کرتا ہے، وہ فصیح لغوی تراکیب اور الفاظ سے دور ہو جاتا ہے اور قرآن وسنت کا سمجھنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور یوں آہستہ آہستہ اسلام کے دو سرچشموں- قرآن وسنت- کے سمجھنے کی راہ میں، رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

(۵) انگلش زبان کی بڑھتی ہوئی وسعتوں پر روک لگائی جائے، کم از کم ایسے مواقع پر، جہاں انگلش کے بغیر کام چل سکتا ہے اس کو استعمال نہ کیا جائے؛ لیکن افسوس ہے کہ عرب ممالک نے اپنے ابتدائی نصاب تعلیم سے لے کر، یونیورسٹی کے تعلیمی مراحل تک، انگلش کو لازمی قرار دے رکھا ہے۔ دنیا میں ایسے بھی ممالک ہیں، جو خود اپنا احترام کرتے ہیں، اپنے تشخص پر فخر کرتے ہیں، نیز ٹکنالوجی اور سائنس کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں؛ لیکن ان ممالک نے یونیورسٹیوں کے تعلیمی مراحل ہی میں انگلش زبان داخل کی ہے، انھوں نے نونہالان قوم کو کسی غیر ملکی زبان کے سیکھنے کا مکلف

نہیں بنایا ہے؛ لیکن مسلم ممالک کا ہر اسکول جانے والا بچہ، روز اوّل ہی سے غیر ملکی زبان سیکھتا ہے اور یونیورسٹی تک اپنے پورے تعلیمی سفر کے دوران، وہی زبان سیکھتا رہتا ہے، نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اتنی طویل مدت تک انگلش زبان کی مزاولت سے اس کے دل میں یہ تمنا موجزن ہو جاتی ہے کہ وہ مغربی ممالک کا سفر کرے، وہاں جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، ایک دن وہ اپنے ملک کو خیر آباد کہہ کر کسی مغربی یونیورسٹی کے لیے روانہ ہو جاتا ہے (ظاہر ہے کہ جب تک وہ اپنے ملک میں تھا، اسلامی و دینی تربیت سے کوسوں دور تھا اور مغربی تہذیب کا دل دادہ تھا، جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ مغربی یونیورسٹی میں جا کر وہاں کی تہذیب و ثقافت میں مکمل ڈھل جانا اس کے لیے کوئی امر مستبعد نہیں رہتا)

کچھ لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ عام لوگوں کے لیے اس دور میں، انگلش سے بے نیاز ہونا ناممکن ہے، حال آں کہ ان لوگوں کے سامنے جاپان، فرانس، چین اور جرمنی جیسے ممالک کی مثال ہونی چاہیے، جنھوں نے اپنی زبان کے بل بوتے پر، ترقی کے تمام زینوں کو طے کیا ہے، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انگلش زبان کی ضرورت میں انسان کے اپنے ارادے کا دخل ہوتا ہے، خود وہ چاہے تو ضرورت بڑھ جاتی ہے اور وہ ارادہ کرے تو اس میں کمی بھی آ جاتی ہے، مثال کے طور پر کمپیوٹر کا استعمال آج ایک انسانی ضرورت بن چکا ہے؛ لیکن جب لوگوں نے کمپیوٹر کے عربی پروگراموں کی مانگ کی، تو کمپیوٹر کمپنیاں عربی پروگرام زیادہ مقدار میں بنانے پر مجبور ہو گئیں اور لوگوں کو انگلش میں کمپیوٹر کی اصطلاحات جاننے کی کوئی خاص ضرورت نہ رہی، اسی طرح زندگی کے

دوسرے میدانوں میں، خود ہم چاہیں تو انگلش کا استعمال کم کر سکتے ہیں؛ لیکن ضرورت ہے ارادے، عزم اور حوصلے کی اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کی۔

(۶) لوگوں کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ روشن مستقبل اور بہترین ملازمت کے لیے، انگلش کا جاننا ضروری ہے، اس خیال کو حکومتوں اور مختلف اداروں کے تعاون سے زائل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

(۷) عربی جامعات کی یہ ذمے داری ہے کہ دنیا کی دیگر زبانوں میں لکھی جانے والی علمی، اور مفید کتابوں کا عربی زبان میں، ماہرین سے ترجمہ کرایا جائے، تاکہ ان کتابوں سے استفادہ عربی زبان ہی میں ممکن ہو سکے، انگلش یا کوئی دوسری زبان سیکھنے کی ضرورت نہ رہے، پھر ترجمہ کرنے والے ایسے افراد ہوں جو اس کتاب کے مضمون میں متخصص اور ماہر ہوں، تاکہ کتاب میں مذکور منفی پہلوؤں کا وہ دوران ترجمہ ازالہ کر سکیں۔

(۸) ماہرینِ تعلیم بالخصوص ابتدائی اور متوسط تعلیمی مراحل کے اساتذہ، یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور محاضرین پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خود بھی فصیح عربی میں مہارت حاصل کریں اور مستقبل کی قیادت کرنے والی، جو نسل ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر رہی ہے، اس کو بھی عربی زبان کا ماہر بنائیں اور ایک لسانی انقلاب برپا کرنے میں مؤثر کردار ادا کریں۔

(۹) اسکول اور کالجوں میں عربی زبان وادب کے مسابقات منعقد کیے جائیں، جن میں تقریر وتحریر، شعر وقصہ گوئی اور زبان وادب کی دیگر اقسام میں، طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے۔''(۱)

(۱) العولمة اللغوية، از ہیثم بن جواد الحذاد، رسالہ: البیان عدد ۱۷۰۔

ہیثم بن جواد کے مقالے کا یہ طویل اقتباس، اگرچہ عربی زبان اور عربوں سے متعلق ہے؛ لیکن مذکورہ بالا تجاویز کی روشنی میں دیگر زبانوں کو بھی لاحق خطرات سے بچایا جاسکتا ہے، مقالہ نگار جیسے بہت سے لوگ ہوں گے، جن کے دلوں میں اپنی زبان سے محبت، اپنی ثقافت پر فخر، اپنے تشخص کی حفاظت کا عزم، اپنے روشن ماضی کے خطوط پر، تابناک مستقبل تعمیر کرنے کا حوصلہ اور موجودہ دور کی سب سے مطلوب چیز، یعنی دینی عصبیت موجزن ہے؛ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، عوامی سطح سے لے کر سرکاری سطح تک، اگر ان تجاویز پر عمل کیا جائے تو لسانی گلوبلائزیشن کے اس سیل رواں کے آگے، بندھ باندھنا ممکن ہے، ورنہ وہ دن دور نہیں، جب مغرب کی طرف سے چلنے والی تیز آندھیاں، ہر چھوٹی بڑی زبان کا قلع قمع کردیں گی اور پانی سر سے اتنا اونچا ہو چکا ہوگا کہ "ہر تاتاری یورش کے بعد حرم کو نئے پاسبان مل جاتے ہیں" جیسے جملے کی صداقت سے، لوگوں کا یقین ختم ہو جائے گا۔

ثقافتی حملے کا اصل نشانہ مسلمان

گلوبلائزیشن کے ذریعے ہونے والے ثقافتی حملے (جس پر تفصیل سے ہم نے گزشتہ صفحات میں روشنی ڈالی ہے) کی زد میں یوں تو مغربی تہذیب (امریکی تہذیب) کے علاوہ، دنیا کی تمام ہی تہذیبیں اور ثقافتیں ہیں، جن میں چین اور افریقہ کی قدیم اور تاریخی تہذیبیں بھی شامل ہیں، لیکن ڈاکٹر "محمد مخزون" کے یہ قول:

''اس ثقافتی حملے کا ہدف چند وجوہات کی بنا پر صرف اور صرف مسلمان اوران کی تہذیب وثقافت ہے، کیونکہ:

(الف) مسلمان زبردست مادّی دولت سے مالا مال ہیں، جیسے تیل اور گیس وغیرہ۔

(ب) مغرب کو اپنے مراکز، ریسرچ سینٹروں، یونیورسٹیوں اور مستشرقین کے ذریعے، اس بات کا بہ خوبی علم ہے کہ امت مسلمہ کو اس وقت تک شکست دینا ممکن نہیں ہے، جب تک اس میں اسلامی تشخص برقرار ہے، اس لیے اس قوم کو تابع بنانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے، امّت مسلمہ کے منفرد اسلامی تشخص کا خاتمہ کرنا اور اس قوم کے اُس انقلابی دین کو بدل ڈالنا، جو ہر قسم کی بالا دستی کا شدت سے مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔(۱)

(ج) عالم اسلام کے قلب میں صہیونی وجود کی حفاظت کرنا، جو دراصل گلوبلائزیشن کا اہم مقصد ہے۔

(د) اسلامی شریعت، اسلامی تہذیب وعقائد اور اسلام کا اخلاقی نظام ہی درحقیقت گلوبلائزیشن کے فلسفے اور اس کے مادّی اقدار کا سب سے بڑا توڑ ہیں۔(۲) مغرب کو اس بات کا بہ خوبی اندازا ہے کہ اگر عالم کاری کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہے، تو اسلام کو نشانہ بنا کر اس کو کم زور کرنا ہوگا اور مسلمانوں کے دل سے ان کے دین کی عظمت و وقار کو ختم کرنا ہوگا، تاکہ مغرب کی دیرینہ

---

(۱) رسالہ: البیان مقالہ:العولمة بین منظرین عدد ۱۴۵، ماہ رمضان ۱۴۲۰ھ ص:۱۲۶۔

(۲) العولمة، از صالح الرقب، ص:۲۶۔

تمنا پوری ہو سکے اور دنیا کے چپے چپے پر، گوری چمڑی والوں کی حکومت کا قیام عمل میں آ سکے۔

امریکی ثقافت میں اتنی قوت کیسے؟

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ثقافتی گلوبلائزیشن کا مقصد، مغربی اور خصوصاً امریکی کلچر و تہذیب کو پوری دنیا پر مسلط کرنا ہے، تاکہ عالم کاری کے پسِ پردہ پوری دنیا کی امریکہ کاری کر دی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج امریکی تہذیب تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور نہایت سرعت کے ساتھ لوگ، اس کے دامِ فریب میں پھنستے جا رہے ہیں، حتی کہ انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا امریکی تہذیب واقعی پر کشش ہے، جو لوگوں کو اپنی دلکشی اور خوبیوں سے مسحور کر رہی ہے اور لوگ جوق در جوق، اس کو اپنی زندگی میں ڈھالتے جا رہے ہیں؟ کیا دیگر تہذیبیں گھٹیا اور کھوکھلی ہیں، جو آج کی ترقی یافتہ دنیا میں، پیچھے رہ کر اپنا اثر کھو چکی ہیں؟ آخر کیا اسباب ہیں، جن کی بنا پر امریکی تہذیب و تمدن کو، پوری دنیا پر بالا دستی حاصل ہے؟

یہ کہنا تو ہرگز درست نہیں ہوگا کہ امریکی کلچر آج اپنی خوبیوں کی وجہ سے، مقبول عام و خاص ہو رہا ہے، اس لیے کہ امریکہ کی تہذیب کا اگر سرسری جائزہ بھی لیا جائے، تو یہ اندازا ہو جاتا ہے کہ اس سے گھٹیا اور کھوکھلی کوئی دوسری تہذیب نہیں ہے، اس کے سایے میں پروان چڑھنے والوں کا فطرت سے دور

کا بھی واسطہ نہیں ہے، اپنے حسب ونسب کی صحت کا، کسی کو دعوی کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ کسی کو اس میں کوئی دلچسپی ہے، فحاشی، عریانیت اور زنا جیسے خلاف فطرت، امور اس معاشرے کا سرمایۂ افتخار سمجھے جاتے ہیں، فیملی اور خاندان جیسے الفاظ، اپنے معنی کے متلاشی ہیں، رشتوں اور ناطوں کا کوئی لحاظ و پاس نہیں ہے، اس کے باوجود چند ایسے اسباب وعوامل بھی ہیں، جن کی وجہ سے امریکی تہذیب ہی دنیا کا مطمحِ نظر بن چکی ہے۔

ان اسباب میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دنیا کا امریکی اقتصادیات پر انحصار۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے، گلوبلائزیشن کے نتیجے میں پیدا ہونے والی، اقتصادی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور بتلایا گیا کہ عالمی اقتصادیات کا بیش تر حصہ، آج امریکہ کے کنٹرول میں ہے اور ہر جگہ امریکی مصنوعات، بڑی برق رفتاری سے پھیل رہی ہیں، حتی کہ روایتی صنعت سے تعلق رکھنے والا سامان، جیسے کاغذ، دوات، آلات، طباعت وغیرہ بھی صنعتی ممالک اور امریکہ کے ہاتھ میں ہیں، یہ اقتصادی بالادستی امریکی ثقافت کی فروغ کاری کا ایک اہم سبب ہے۔

(۲) جدید مواصلات اور انفارمیشن سے متعلق مصنوعات، جیسے کمپیوٹر وغیرہ کی صنعت بھی، کلی طور پر امریکہ کے زیر اثر ہے، اس صنعت میں دیگر ممالک کے چند فی صد حصص کو مستثنی کیا جا سکتا ہے۔

(۳) فلم سازی اور موسیقی (جس کے بارے میں گزشتہ صفحات میں ذکر

کیا گیا) میں بھی امریکہ ہی کو تفوق اور بالاتری حاصل ہے۔ غیر ملکی بازاروں میں، امریکی فلموں اور موسیقی کی زبردست مانگ ہے، یہ صنعت ٹیلی ویژن اور سیٹلائٹ چینلوں کے زیر سایہ، مسلسل عروج کی طرف گامزن ہے اور جدید ٹکنالوجی کی بہ دولت، آج دنیا کے تقریباً ہر گھر میں پہنچ چکی ہے، جس کا اندازا مشرقِ وسطیٰ میں ''یونیسکو'' نامی تنظیم کے ذریعے، پیش کردہ اعداد وشمار سے ہوتا ہے، جن میں کہا گیا ہے کہ:

> ''سیریا (شام) میں عربی ٹیلی ویژن نیٹ ورک کی نشریات کا تہائی حصہ، غیر ملکی پروگراموں پر مشتمل ہوتا ہے، جب کہ تونس اور الجزائر میں نشریات کے نصف حصے میں، امریکی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں، لبنان میں غیر ملکی پروگرام، نصف حصے سے بھی زائد نشریات پر مشتمل ہوتے ہیں، مجموعی نشریات میں ۸۵،۵ فی صد غیر ملکی پروگرام دکھلائے جاتے ہیں، اسی پر بس نہیں ہوتا؛ بل کہ اکثر وبیشتر ایسے پروگرام، بغیر ترجمے کے پیش کیے جاتے ہیں، جب کہ بچوں کے تو دو تہائی پروگرام، بغیر ترجمے کے انگلش زبان میں نشر کیے جاتے ہیں۔(۱)

(۴) امریکہ نے ان نوجوانوں کے لیے، جن کے ہاتھ میں اپنے معاشروں اور ملکوں کی باگ ڈور ہوگی اور جو اپنی قوم کی قیادت کا بوجھ سنبھالیں گے، اپنے اداروں اور یونی ورسٹیوں کے دروازے کھول دیے ہیں، تاکہ یہ نوجوان ان تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرکے، امریکی کلچر لے کر اپنے ملک

---

(۱) اخبار ''الأھرام'' مقالہ: الثقافة العربية في عصر العولمة: از ڈاکٹر عبدالفتاح احمد ۲۲/ ۳/ ۲۰۰۱ء۔

لوٹیں اور امریکی ثقافت کے فروغ میں مؤثر کردار ادا کریں۔(۱)

یہ چند اسباب ہیں جن کی بنا پر، آج امریکی کلچر قابل تقلید سمجھا جانے لگا اور امور فطرت سے عاری اس تہذیب کو اختیار کرنا، لوگوں کی پہلی ترجیح بن گیا، ان چند مذکورہ بالا وجوہات نے امریکی ثقافت کو نہایت طاقت ور اور مؤثر بنادیا ہے، جب کہ وہ تہذیبیں جو اپنی قدامت کے ساتھ ساتھ، طبیعت وفطرت اور انسان کے اصل مزاج سے ہم آہنگ ہیں، نیز اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے، ایک دور میں دنیا کی قیادت کر چکی ہیں، مادّیت پرستی سے خالی ہونے کی بنا پر، ایک گھٹیا اور کھوکھلے تمدن کے سامنے ماند پڑتی نظر آرہی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو؟ قدیم تہذیبوں کے ماننے والوں نے، اپنے اس موروثی سرمایے کی نشر واشاعت؛ بل کہ حفاظت میں وہ کردار ادا نہیں کیا، جو ان کو کرنا چاہیے تھا، وہ اس عظیم دولت کو حقیر سمجھ کر، مادّیت پرستی کا شکار ہو گئے، نصف سے زائد دنیا پر صدیوں تک، مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور آج بھی مسلم ممالک کی ایک بڑی تعداد ہے؛ لیکن ہر ملک کی تہذیب وثقافت الگ الگ ہے، اسلامی تہذیب ایک محدود قطعۂ ارض میں سمٹ کر رہ گئی ہے، حال آں کہ اس کے برعکس امریکی کلچر، آج پوری دنیا میں بڑے آب وتاب کے ساتھ فروغ پارہا ہے، خود یورپی تمدن بھی امریکی ثقافت کے سیلاب میں بہہ گیا ہے، شاید ہی کوئی ملک ایسا باقی ہو، جہاں اس سیلاب نے تباہی نہ پھیلائی ہو؛ لیکن امریکن قوم اس ثقافتی حملے کو اپنا حق تصور کرتی ہے، وہ یہ سمجھتی ہے کہ دنیا میں انھیں جو مادّی

(۱) اخبار "أهرام" مقالہ: تحديات النظام العالمي الجديد ۲۲/۲/۲۰۰۱ء۔

تفوق حاصل ہے، اس کی بنا پر وہ اپنی ثقافت پوری دنیا پر تھوپنے کے مستحق ہیں، چناں چہ ''کولمبیا یونیورسٹی'' میں عالمی تعلقات کے پروفیسر اور سابق امریکی صدر بل کلنٹن کی انتظامیہ کے ایک اہل کار ''ڈیوڈ روشکویف'' کا کہنا ہے کہ:

''امریکہ کو اپنے کلچر اور اپنے اقدار کی ترویج واشاعت اور دیگر ثقافتوں کو ختم کرنے کے لیے، عالمی انفارمیشن اینڈ ٹکنالوجی پر مکمل کنٹرول کر لینا چاہیے اور یہ امریکن قوم کا حق بھی ہے، کیوں کہ امریکی قوم ہی سب سے زیادہ انصاف پرور اور سب سے زیادہ عفو و درگزر کرنے والی ہے، وہی دنیا کی قیادت کے لیے، سب سے زیادہ لائق اور مستقبل کا بہترین نمونہ ہے۔''(۱)

''مستر اوس ہاب'' کہتا ہے کہ:

''امریکہ کی سب سے بڑی ذمے داری، پورے خطۂ ارضی کو اپنی زیر قیادت کر لینا اور مغربی ثقافت کے تسلط کو برقرار رکھنا ہے، ایشین ٹائیگرس (ملیشیا، انڈونیشیا اور تھائی لینڈ) اور کسی ایسی دوسری طاقت کے مقابلے میں، جو مغربی تہذیب کو مسترد کرتی ہے، اس مہم کا تیزی کے ساتھ انجام دینا، از حد ضروری ہے۔''(۲)

ثقافتی عالم گیریت کے بارے میں مفکرین کی رائے

معروف امریکی سائنس داں ''ناعوم چومسکی'' کا کہنا ہے کہ:

''ثقافتی عالم گیریت کے بارے میں، اتنا کہا جانا کافی ہے کہ یہ امریکی

---

(۱) الإسلام و العولمة، ص:۱۳۔

(۲) ایضاً۔حوالہ:دراسة حول البعد التاريخي المعاصر لمفهوم العولمة، ص:۵۔

تسلط کو، پوری دنیا پر تھوپنے کے سلسلے میں ایک بڑھتا قدم ہے۔''(۱)

''بلکیز ر'' کہتا ہے کہ:

''عالم گیریت (جیسا کہ اس کے قائدین کا دعوی ہے) قومی ثقافت کے مرحلے سے، نئی عالمی ثقافت کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے، درحقیقت یہ ایک ثقافتی ڈاکہ زنی اور دیگر اقوام کے کلچروں کے خلاف، ایک حملہ ہے اور اس کا مقصد، صرف اور صرف مغربی ثقافت کو دنیا پر مسلط کرنا ہے۔''(۲)

ڈاکٹر عبدالفتاح احمد الفاوی کہتے ہیں کہ:

''گلوبلائزیشن قومی اور وطنی ثقافت کو، ایک کونی اور عالمی ثقافت میں تبدیل کرنے کا نام ہے؛ بل کہ یہ ایک ثقافتی رہزنی اور تمام ثقافتوں کے خلاف دشمنانہ کاروائی ہے اور خاص کر اس کا نشانہ صرف اور صرف اسلامی عربی ثقافت ہے۔(۳)

جرمنی کے اسلامی مفکر ڈاکٹر ''مراد ہاف مین'' کہتے ہیں کہ:

''گلوبلائزیشن نے امت مسلمہ میں تفریق پیدا کرنے اور اسلام کی اعلی اقدار کے خلاف یورش کرنے کے لیے، فکری حملے شروع کر دیے ہیں، جن میں اس تحریک کے سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار، -جنس پرستی، مادیت، فردیت اور دولت وثروت- کے ذریعے فتنہ انگیزی کرنا ہے۔(۴)

---

(۱) العولمة بين منظورين رسالہ: البیان عدد ۲۹، ص: ۱۲۶۔

(۲) دیکھیے رسالہ: المجمع العربي للمحاسبين القانونيين، عدد ۱۱، ۱۹۹۹، ص: ۳۸۔

(۳) الثقافة العربية في عصر العولمة، اخبار ''الأهرام'' ۲۲/۲/۲۰۰۱ء۔

(۴) العولمة بين منظورين، رسالہ: البیان عدد ۱۴۵، ۱۹۹۹، ص، ۲۶۔

اسلامی دنیا سبق لے

کچھ ایسے بھی ممالک ہیں، جو ثقافتی گلوبلائزیشن کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے آ رہے ہیں، انھیں اس سیلاب کی تباہ کاریوں کا اندازا ہو گیا ہے، وہ اس سیلِ رواں کی تیز موجوں میں بہنا نہیں چاہتے، وہ اپنے کلچر اور اپنی تہذیب کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، فرانس ایک ایسا ہی ملک ہے، جو اپنے تہذیبی اور ثقافتی سرمایے کو بچانے کے لیے میدان میں آیا ہے، اگرچہ دیگر اقوام کی بہ نسبت اس کا یہ سرمایہ اتنا قیمتی بھی نہیں ہے اور امریکی ثقافت سے اتنا مختلف بھی نہیں؛ لیکن اس کے باوجود حیرت انگیز طور پر، وہ ثقافتی گلوبلائزیشن کے مقابلے میں آنے والے ممالک میں سرفہرست ہے، اس بات کا اندازا فرانس کے سیاسی قائدین کے اقوال کی روشنی میں بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے۔

چناں چہ فرانسیسی وزیر انصاف ''جیک کوبن'' کا کہنا ہے کہ:

''موجودہ حالات میں انٹرنیٹ، سامراجیت کی ایک نئی شکل ہے، لہٰذا اگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے، تو ہمارا طرزِ زندگی خطرے میں پڑ جائے گا، اس لیے فرانسیسی عوام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ فرانسیسی زبان و ثقافت کو، امریکی اثرات سے بچانے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جائیں گے۔'' (۱)

بل کہ صدر ''جاک شیراک'' تو فرانس میں امریکی ریسٹورینٹ ''مکڈ لنلڈ'' کھلنے کے سخت مخالف رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

---

(۱) ایضاً۔

''اگر صورت حال یہی رہی، تو ملک میں فرانسیسی طرز زندگی کی ترجمانی کرنے کے لیے، صرف ''ایفل ٹاور'' ہی رہ جائے گا۔''(۱)

''میکسیکو'' میں منعقد ہونے والے ''یونیسکو'' نامی تنظیم کے اجلاس میں، فرانسیسی وزیر ثقافت نے امریکہ پر زبردست تنقید کی، انھوں نے کہا کہ:

''مجھے بڑا تعجب ہے کہ وہ ممالک، جنھوں نے مختلف اقوام کو آزادی کا درس دیا ہے، خود ظلم وستم کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، وہ ممالک چاہتے ہیں کہ پوری دنیا پر ایک ہمہ گیر عالمی ثقافت تھوپ دی جائے۔ یہ یقیناً مالی وفکری سامراجیت کا ایک گھناؤنا چہرہ ہے، یہ استعمار زمینوں پر قبضہ نہیں کرے گا؛ بل کہ ضمیروں کو مردہ کر دے گا، افکار وخیالات کو منجمد کر دے گا اور زندگی کے مختلف اسلوبوں کا حسن ماند کر دے گا۔''(۲)

فرانس کے سیاسی قائدین کے ان اقوال سے اندازا لگایا جا سکتا ہے کہ فرانسیسی قوم، اپنے کلچر کی حفاظت کی خاطر کس قدر سنجیدہ ہے، حال آں کہ امریکن اور فرانسیسی تہذیبوں کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے، صرف زبان کا اختلاف ہے؛ لیکن یہ اختلاف بھی اتنا شدید ہے کہ فرانس میں کوئی انگلش زبان جانتے ہوئے بھی، اس کو بولنا پسند نہیں کرتا؛ بل کہ انگلش بولنے والے کو، خواہ وہ غیر ملکی ہی کیوں نہ، ہو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، وہاں کے سیاسی قائدین بھی عالمی میڈیا کے سامنے، فرانسیسی زبان ہی میں بیانات دیتے

---

(۱) العولمة أمام عالمية الشريعة الإسلامية، از ڈاکٹر عمر الحاجی ص: ۵۱، طبع اول دار المکتبی دمشق۔

(۲) ایضاً۔

ہیں؛ لیکن اگر فکر کے سوتے کہیں خشک ہیں، تو وہ عالم اسلام ہے، جہاں اپنی قدیم اور تاریخی تہذیب کو بچانے کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں ہے، مسلمانوں کو فرانس کی قوم سے سبق لینا چاہیے اور اپنی ثقافت کو بچانے کی خاطر، فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے؛ بل کہ اس سلسلے میں اگر عصبیت کی ضرورت ہو، تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے، پانی اگر چہ سر سے اونچا ہو چکا ہے؛ لیکن ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا بھی کافی ہوتا ہے، لہذا ثقافتی سیلاب میں ڈوبتی ہوئی مسلم قوم کو، اب کم از کم اس تنکے کی تلاش میں لگ جانا چاہیے، جس کا سہارا لے کر وہ صحیح سلامت کنارے تک پہنچنے میں کام یاب ہو سکے۔

☆☆☆☆☆☆

پانچواں باب

معاشرتی واخلاقی عالمگیریت

خاندان اور معاشرہ

معاشرتی گلوبلائزیشن کا واحد ذریعہ

خواتین سے متعلق اقوام متحدہ کے ادارے

خواتین سے متعلق کانفرنسوں کی مختصر تاریخ

دیگر موضوعات پر منعقد ہونے والی چند کانفرنسیں

کانفرنسوں کے کچھ منفی پہلوؤں پر ایک تنقیدی نظر

تعلیم اور کانفرنسوں کے مضر اثرات

صحت پر پڑنے والے برے اثرات

اقتصادی امور پر مرتب ہونے والے برے اثرات

کانفرنسوں کے کچھ مثبت پہلو

عالم اسلام میں کانفرنسوں کے کچھ منفی و مثبت اثرات

ان اجتماعات کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

نظریاتی موقف

عملی موقف

معاشرتی گلوبلائزیشن کے کچھ اثرات

خاندان اور معاشرہ

تہذیب وثقافت اور معاشرہ، یہ تینوں الفاظ بہ ظاہر ایک دوسرے سے قریب معلوم ہوتے ہیں؛ لیکن حقیقتاً تینوں کا میدان الگ الگ ہے، ثقافت کے معنی اور اس کے مضمونات الگ ہیں، تہذیب کے معنی اور اس کے مشمولات الگ ہیں، جب کہ معاشرے کے معنی اور اس کے اجزا الگ ہیں۔ خالق کائنات نے جب انسان کی تخلیق کی، تو اس کو کچھ قواعد وقوانین کا بھی پابند بنایا، اس کو تجرد کی زندگی گزارنے کے بجائے، ازدواجی زندگی گزارنے پر ابھارا، تاکہ جہاں ایک طرف افزائش نسل کا مقصد پورا ہو، وہیں انسان کی تنہائی بھی دور ہو، اور اس کو ایک رفیق وہمدم کی رفاقت میسّر ہو، چناں چہ جب انسان انفرادی زندگی سے، ازدواجی زندگی میں قدم رکھتا ہے، تو وہ بہت سے نئے رشتوں سے مربوط ہو جاتا ہے، جہاں پہلے وہ کسی کا بیٹا، بھائی، بھانجہ، بھتیجا ہوا کرتا تھا، وہیں وہ کسی کا شوہر، کسی کا باپ اور کسی کا داماد بھی بن جاتا

اور اس طرح ایک فرد سے ایک خاندان بنتا ہے اور جب چند خاندان جمع ہوتے ہیں تو ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''خاندان'' معاشرے کا جزو ہے اور ''فرد'' خاندان کا۔ ایک معاشرے کا تصور بغیر خاندان کے محال ہے، جس طرح ایک خاندان کا تصور، فرد کے بغیر ناممکن ہے، اس ترکیب کا نتیجہ ہے کہ اگر فرد کے اندر کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے، تو خاندان پر براہ راست اس کا اثر پڑتا ہے اور خاندان میں اگر فساد در آئے، تو معاشرہ آلودہ ہوئے بغیر نہیں رہتا، مثبت انداز میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ فرد کے صالح ہونے سے، خاندان صالح ہوتا ہے اور خاندان کے صلاح سے صالح معاشرہ تیار ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تہذیب، ثقافت اور معاشرہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں، اور انسانی زندگی کے لیے یہ تینوں جزء لا ینفک ہیں۔ جدید عالمی نظام یعنی گلوبلائزیشن کی تحریک اپنے مقاصد کی تکمیل اسی صورت میں کر سکتی ہے، جب کہ انسانی زندگی کے ہر گوشے تک اس کی پہنچ ہو، اسی لیے اس نے سب سے پہلے سیاست میں قدم رکھا پھر اقتصادیات کی راہ سے ہوتے ہوئے، تہذیب وتمدن پر دست درازی کی اور پھر معاشرے پر بھی حملہ بولا، یوں تہذیب وتمدن کی عالم کاری کرنے کے بعد، معاشرے کی عالم کاری کی راہ میں قدم بڑھا دیا۔ سرسری طور پر تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس معاشرتی عالم گیریت کا مقصد، پوری دنیا میں مغربی معاشرہ رائج کرنا ہے، جہاں مغربی اقدار اور مغربی اخلاق کی بالا دستی اور سیادت ہو۔ حقیقت یہی ہے کہ جب

معاشرے کی عالم کاری ہوگی تو نتیجے میں اخلاق کی عالم کاری خود بہ خود ہو جائے گی، گلوبلائزیشن یہ چاہتا ہے کہ اخلاقی زوال کے اس دور میں، سب سے بد اخلاق قوم کے ناپاک اخلاق، سارے عالم پر مسلط کر دیے جائیں، اور قومیں چاہ کر بھی صالح معاشرہ تشکیل دینے میں ناکام ہو جائیں؛ بل کہ یہ اقوام کسی معاشرے کی تشکیل کی زحمت بھی گوارہ نہ کریں، کیوں کہ ان کا معاشرہ تو مغرب میں تشکیل شدہ ''امپورٹڈ'' معاشرہ ہوگا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ گلوبلائزیشن معاشرے کی عالم کاری کس طرح کرتا ہے؟ وہ کیا اسباب اور وسائل ہیں، جو معاشرتی گلوبلائزیشن کو کامیابی سے ہم کنار کر رہے ہیں؟

معاشرتی گلوبلائزیشن کا واحد ذریعہ

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ فرد، خاندان کا مرکزی عنصر ہے، جب کہ خاندان معاشرے کی بنیاد ہے، اس لیے مغرب نے سوچا کہ معاشرہ بدلنے کے لیے، ''خاندان'' پر اثر انداز ہونا ضروری ہے، معاشرے کو مغربی مفہوم دینے کے لیے، ''خاندان'' کو تمام دینی، اخلاقی اور ملکی حدود سے پاک کرنا پڑے گا، اسی مقصد کے لیے اس نے ''خاندان'' کے جز و یعنی ''فرد'' پر ہاتھ ڈالا، فرد میں جہاں مرد آتا ہے، وہیں عورت بھی داخل ہے، چناں چہ اس نے معاشرتی گلوبلائزیشن کی تشکیل میں، عورت کا سہارا لیا اور اس کو استعمال کر کے ''خاندان'' اور اس کے تحت آنے والی تمام اخلاقی قدریں، پامال کرنے کی کوشش کی، گلوبلائزیشن کو کیوں کہ سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے

ہے، اس لیے ''عورت'' کے حوالے سے، مغرب نے اسلام ہی پر سب سے زیادہ ریشہ دوانیاں کیں، مسلمان عورت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ وہ اسلامی معاشرے میں، ایک ''مظلوم'' کی حیثیت رکھتی ہے، اس کو وہ حقوق حاصل نہیں ہیں، جن کی وہ مستحق ہے، اسلام نے عورت پر پردہ مسلط کرکے، عورت کو مرد کا اسیر اور غلام بنادیا ہے، اسلام میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات نہیں ہے، لہذا عورت کو چاہیے کہ وہ مغربی معاشرے کی آغوش میں آجائے، جو ان (نام نہاد) برائیوں سے پاک ہے اور عورت کو مرد کے برابر کا درجہ عطا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

خاندان اور معاشرے کی تشکیل میں مرد کا جتنا کردار ہے، اس سے کہیں زیادہ اہم عورت کا کردار ہے، اس لیے اسلامی معاشرے کے وجود کو پارہ پارہ کرنے کے لیے، مغرب نے عورت کے ذریعے اپنے منصوبے نافذ کرنے شروع کیے۔

اس کا اندازا یوں لگایا جاسکتا ہے کہ فرانسیسی استعمار نے ''الجزائر'' کے معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے وہاں کی فوج میں، لادینیت پھیلادی؛ لیکن اس کو اپنے مقصد میں مکمل کامیابی نہیں ملی، چناں چہ فرانس نے معاشریات کے ایک ماہر ''روجیہ مویئیہ'' کا تعاون حاصل کیا، جس نے ''الجزائر'' کے شہر در شہر اور قریہ در قریہ گھومنے اور وہاں کے احوال کا جائزہ لینے کے بعد، حکومت فرانس کو رپورٹ پیش کی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں یہ کہا کہ:

''اگر تم ''الجزائر'' کو ختم کرنا چاہتے ہو، تو عورت ہی ایک راستہ ہے، عورت

اسلامی اقدار کی محافظ ہے، اگر تم اس کو اسلام سے دور کرنے میں کام یاب ہو گئے، تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے۔"(۱)

ماہر معاشریات کی یہ بات صرف فرانس ہی کا دستور نہیں بنی؛ بل کہ پورے مغرب نے اسلام کے خاتمے کے لیے، اس کو اپنی اسٹراٹیجی اور حکمت عملی میں شامل کر لیا، چناں چہ "عورت" کے ہتھیار سے اسلام پر حملہ کرنے اور اسلامی معاشرے کی مضبوط عمارت کو منہدم کرنے کے لیے، مغرب نے تین طریقے اختیار کیے:

(الف) یورپ وامریکہ کی جانب سے خواتین کی مقامی، سوشل اور سیکولر تنظیموں اور اداروں کو مالی امداد کی فراہمی کی گئی، جس کا مقصد مادّی وسائل کو بروے کار لا کر، عورت کو گمراہ کرنا اور راہِ راست سے ہٹانا ہے، چناں چہ مغرب نے اس قسم کے اداروں اور تنظیموں کی زبردست امداد کی ۱۹۹۴ء میں قاہرہ میں، آبادی کانفرنس منعقد ہونے کے بعد مصر، اردن اور تونس میں، خواتین کی مختلف تنظیمیں قائم ہوئیں، جنھوں نے عورت کی آزادی کا نعرہ بلند کیا، ان تنظیموں کو اپنے پروگرام چلانے کے لیے، اقوام متحدہ کی جانب سے ۲۰۰ ملین ڈالر ملے،(۲) فلسطین میں (جہاں کی اقتصادی حالت تباہی کا شکار ہے) بے کاری عام ہے اور لوگوں کے پاس کھانے پینے تک کے لیے کچھ نہیں ہے، وہ ظلم وستم سے کراہ رہے ہے، اس ملک کی اقتصادیات کا مکمل دار ومدار،

(۱) مقالہ: ۲۰۰ مليون دولار لمخاطر الانحلال الأخلاقي، رسالہ: الشقائق، عدد۲۸، صفر۱۴۲۴ھ۔
(۲) ایضاً۔

غیر ملکی امداد پر ہے ایسی صورت حال میں صرف ''مغربی پٹی'' کے علاقے، میں خواتین کی انجمنوں کو مغرب کی جانب سے، ۷۰ ملین ڈالر سالانہ دیے جا رہے ہیں (صنعتی اور زراعتی میدان میں دی جانے والی مدد کا بھی دوگنا) اس علاقے میں ۱۸۰۰ سرکاری ادارے، تنظیمیں اور دفاتر ہیں، ان میں صرف خواتین کی فعّال انجمنوں کی تعداد ۱۲۰۰ ہے۔(۱)

سیاسی واقتصادی بحران سے دوچار اس مسلم ملک میں، مغرب کی جانب سے خواتین کی انجمنوں کو زبردست مالی امداد، اس شک کو یقین میں بدل دیتی ہے کہ مغرب معاشرتی گلوبلائزیشن کی ترویج واشاعت کے لیے، معاشرے کے اہم ستون کو مادّیت کے جال میں پھنسا کر، منہدم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کوشش میں بہت حد تک کام یاب بھی ہے، چناں چہ اس زبردست مالی امداد کا اثر، ۱۹۹۵ء میں ''بکین'' میں منعقد ہونے والی خواتین کی کانفرنس میں رونما ہوا، جس میں مسلم خواتین کی زبردست نمایندگی تھی، اس کانفرنس کی سفارشات کے مطالعے سے، یہ اندازا ہو جاتا ہے کہ مغرب نے معاشرے کو، کس خطرناک راہ پر ڈال دیا ہے، چناں چہ کانفرنس کی قراردادوں میں سے ایک قرارداد یہ بھی ہے کہ:

> ''لڑکی جب بالغ ہو جائے، تو اس کو جنسی عمل کے ارتکاب کی مکمل آزادی ہے، والدین کو یا کسی دیگر ولی اور ذمے دار کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس عمل سے لڑکی کو روکے۔''(۲)

---

(۱) ایضاً۔
(۲) ایضاً۔

(ب) انسانی حقوق کی حفاظت اور عورت کے خلاف، ہر طرح کے امتیاز کو زائل کرنے سے متعلق عالمی معاہدے کرانا، وہ دوسرا طریقۂ کار ہے، جس کے ذریعے مغرب نے عورت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، مسلم ممالک کو ان کے قرضے معاف کردینے کا لالچ دے کر، اس بات کا پابند بنایا گیا کہ وہ ان معاہدوں پر دستخط کریں اور ان کو اپنے یہاں نافذ کریں، بہ صورت دیگر ان ممالک کو، حقوق انسانی کی خلاف ورزی کرنے والا قرار دے دیا جائے گا اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق، حقوق انسانی کی خلاف ورزی کرنے والے ممالک کے خلاف، سزا کے طور پر اقتصادی پابندی بھی عائد کی جاسکتی ہے۔(۱) ان معاہدوں کے ذریعے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی، مسلمان عورت کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے اور ان معاہدوں سے اس پر ہونے والے ظلم و ستم کا خاتمہ کردیا جائے گا، اقوام متحدہ عورت کو معاشرتی قیود سے آزاد کرادے گی، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ، جو کہ گلوبلائزیشن کا آلۂ کار ادارہ ہے، عورت اور اس کے معاشرے کو تباہ کرنے کے درپے ہے، ان معاہدوں کے ذریعے عورت سے ظلم و ستم کا خاتمہ ہونے کے بجائے، اس کی عفت و عظمت کو گھن لگ جائے گا اور اس کی پاکیزگی و شرافت کا خاتمہ ہوجائے گا۔

(ج) اقوام متحدہ کے نام پر منعقد ہونے والی خواتین کی کانفرنسیں، تیسرا ذریعہ ہیں، جن کا مقصد انسانی اور خصوصاً اسلامی معاشروں کو منہدم کرنا ہے،

---

(۱) العولمۃ، از ڈاکٹر صالح الرقب ص:۳۴۔

بعض اسلامی ممالک میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں، جو مقالے پیش کیے گئے، ان کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان کانفرنسوں کا مقصد، مسلمان عورت کو اسلام کے اس معاشرتی نظام سے نکال دینا ہے، جس کی بنیاد عورت کی فطرت اور اس کی شرافت ہے، اقوام متحدہ نے عورت کے مسئلے پر اتنی توجہ دی ہے کہ اس سلسلے میں، اس نے اپنے بہت سے ذیلی ادارے قائم کر دیے، جن کے مقاصد میں، مختلف ممالک میں کانفرنسیں منعقد کرانا اور معاشرتی گلوبلائزیشن کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنا ہے؛ لیکن چوں کہ ان مقاصد کے حصول کے طریقے مختلف ہیں، اس لیے ہر راہ اور ہر طریقے پر مکمل توجہ کے ساتھ کام کرنے کے لیے، اقوام متحدہ نے مستقل کمیٹیاں اور ادارے قائم کر دیے۔

خواتین سے متعلق اقوام متحدہ کے ادارے

ذیل میں اقوام متحدہ کے چند ایسے اداروں کے نام دیے جا رہے ہیں، جو مختلف ممالک میں خواتین سے متعلق کانفرنسیں منعقد کراتے ہیں اور اس سلسلے میں فضا ہموار کرتے ہیں، ایسے اداروں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

(الف) اقوام متحدہ کی کونسل برائے خواتین.

(ب) اقوام متحدہ فنڈ برائے آبادی.(۱)

---

(۱) اس فنڈ کو ۱۹۶۶ء میں مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے قائم کیا گیا:
(الف) صحت سے متعلق پروگراموں کی ترتیب میں معاونت، جس میں فیملی پلاننگ اور جنسی صحت بھی شامل ہے (جنسی صحت کا مطلب ہے طبی اعتبار سے محفوظ جنسی آزادی کی دعوت دینا) (ب) تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے درپیش مسائل کا حل. (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(ج) اقوام متحدہ ترقی فنڈ برائے خواتین۔

(د) اقوام متحدہ ترقی پروگرام۔

(ھ) عالمی ریسرچ اینڈ ٹریننگ سینٹر برائے ترقی خواتین۔

(و) لیگ آف یونائیٹڈ نیشنز۔

(ز) اقوام متحدہ کا ریسرچ سینٹر برائے معاشرتی ترقی۔

(ح) عورت کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے سے متعلق کمیٹی۔

(ط) تنظیم اقوام متحدہ برائے اطفال۔

(ی) اقوام متحدہ برائے انسانی آبادیات۔

(ک) اقوام متحدہ کمیٹی برائے پناہ گزیں۔

(ل) تنظیم اقوام متحدہ برائے علم وتربیت اور ثقافت۔

یہی آخری تنظیم ہے، جو''یونیسکو'' کے نام سے مشہور ہے۔ خواتین سے متعلق کانفرنسوں کی تیاری اور ماحول سازی میں، اس تنظیم کا زبردست رول رہا ہے، ۱۹۹۵ء میں خواتین سے متعلق منعقد ہونے والی، مشہور چوتھی ''بکین کانفرنس'' سے پہلے، اس تنظیم کے جنرل سکریٹری نے باقاعدہ ایک مشاورتی بورڈ تشکیل دیا اور اس کو یہ ذمے داری سپرد کی، کہ وہ ''بکین کانفرنس'' کو ہر محاذ پر کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے، چناں چہ کانفرنس میں اس تنظیم کی

(گزشتہ صفحہ کا) (ج) آبادی سے متعلق مسائل کے حل کے سلسلے میں، ترقی پذیر ممالک کی مدد۔ (د) اچھی صحت کو فروغ دینا۔ (ھ) عورت ومرد کے درمیان مساوات کے نظریے کو فروغ دینا۔ یہ فنڈ آبادی سے متعلق عالمی کانفرنسوں کی تیاری کی نگرانی کرتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اس فنڈ کی ویب سائٹ

http: //www.unfpa.org

مندرجہ ذیل مقاصد کے پیش نظر بھرپور شرکت اور نمایندگی رہی:

(۱) کانفرنس کے تینوں موضوع: مساوات، ترقی اور امن کے میدان میں، ''یونیسکو'' کی فعال شرکت اور تینوں موضوعات کی پوری دنیا میں تشہیر۔

(۲) لڑکیوں اور خواتین کو دی جانے والی ہر سطح اور ہر طرح کی تعلیم کی، اہمیت کو اجاگر کرنا۔

(۳) عورت سے متعلق مثبت پہلوؤں کی اشاعت، جس سے اس کی صلاحیتیں، اس کے تجربات اور معاشرتی تبدیلی میں نمایاں کردار ادا کرنے والی حیثیت سے، اس کی فعال شرکت لوگوں کے سامنے عیاں ہو۔

(۴) تربیت، انفارمیشن، سائنس، ثقافت اور عورت کے خلاف تشدد وامتیاز کا مقابلہ کرنے جیسے میدانوں میں، عورت کو تجاویز پاس کرنے اور ان پر عمل کرانے کا اہل بنانا۔(۱)

یہ وہ ادارے اور تنظیمیں ہیں، جنھوں نے معاشرتی گلوبلائزیشن کے مقصد کی حصول یابی کے لیے، مختلف ممالک میں کانفرنسیں منعقد کیں اور عورت کے سلسلے میں، پوری دنیا کی نظریہ سازی کی، نیز عورت کو سب سے زیادہ مظلوم ذی روح بنا کر پیش کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ عورت کو اگر اپنا فطری مقام اور طبعی حقوق حاصل کرنے ہیں، تو اسے مغربی معاشرے کے سایے میں آنا ہوگا، اسی نظریے کو عام کرنے اور عورت کو نام نہاد آزادی عطا کرنے کے لیے،

---

(۱) مقالہ: العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة، از فواد عبدالکریم آل عبدالکریم، مجلة البیان عدد ۱۷۰، ص: ۳۴ و ص: ۳۵۔

اقوام متحدہ کے تابع ان اداروں اور تنظیموں نے، مختلف ممالک میں کانفرنسیں منعقد کیں، ذیل میں ہم ان کانفرنسوں کی تاریخ پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں۔

خواتین سے متعلق کانفرنسوں کی مختصر تاریخ

۱۹۴۶ء میں سب سے پہلے اقوام متحدہ نے عورت کے مسئلے پر توجہ دی اور اسی وقت خواتین سے متعلق پہلی تنظیم ''کونسل برائے خواتین'' قائم کی، جس میں ۴۵ ممبران ممالک شریک تھے، جو ہر سال معاشرے میں عورت کے مقام سے متعلق، سفارشات اور تجاویز پاس کرتے اور ماضی میں پیش کردہ رپورٹوں پر عمل یقینی بناتے۔ دراصل اقوام متحدہ نے اپنے قیام کے بعد ہی سے اس میدان میں کام کرنا شروع کر دیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ اپنے اس مقصد میں ۵۵ سال بعد، بہت حد تک کام یاب ہے، چناں چہ ۲۶ جون ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کا دستور اور چارٹر تیار ہوا، جس میں جنسیت کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان عدم تفریق پر زور دیا گیا اور عورت مرد کو برابر کے حقوق عطا کیے جانے کی اپیل کی گئی۔ (۱)

مغرب نے عورت اور مرد کے درمیان ایسی مساوات کا مفہوم پیش کیا ہے، جس کی بنیاد مماثلت پر ہے، یعنی جو حقوق مرد کو حاصل ہیں، بعینہٖ وہی حقوق عورت کو بھی حاصل ہیں اور ان حقوق میں ان دونوں جنسوں کے درمیان، کوئی

---

(۱) یہ دستور اقوام متحدہ کی اس ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے:

www.un.org/arabic/aboutun/charter

فرق نہیں ہے، حال آں کہ خود مغربی ماہرین اپنی تحقیقات، میں عورت اور مرد کے درمیان اس قسم کے فرق کا اعتراف کر چکے ہیں، جس کو وہ ''سائکالوجیکل'' اور ''بایولوجیکل ڈفرنس'' سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ اسلام میں مرد اور عورت کے درمیان جو مساوات ہے، اس کی بنیاد تکامل ہے، یعنی ہر ایک جنس دوسری جنس کو مکمل کرتی ہے اور ایک دوسری کے بغیر ادھوری ہے، جہاں تک خصوصیات کا تعلق ہے، تو ہر ایک جنس کی خصوصیات الگ الگ ہیں اور انھی خصوصیات کے اعتبار سے حقوق بھی الگ الگ ہیں۔ (۱)

اقوام متحدہ نے اسی مغربی مفہوم کے اعتبار سے، عورت اور مرد کے درمیان مساوات پر زور دیا اور زندگی، سیاست، معاشرت اور ثقافت جیسے میدانوں میں، عورت کے مغربی نمونے کی عالم کاری کرنے پر، اپنی تمام تر قوت صرف کردی، اپنے دستوروں اور چارٹروں میں اس نظریے کو جگہ دی اور اس کے مطابق عمل کرانے میں، کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، اقوام متحدہ کے میثاق کی شق نمبر ۸ میں اسی مغربی مفہوم کے اعتبار سے: مساوات کی صراحت ملتی ہے کہ: ''اقوام متحدہ ایسی پابندیاں لاگو نہیں کرے گی، جس سے عورت و مرد کے درمیان مساوات کا کوئی بھی پہلو متاثر ہو۔'' (۲)

۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جانب سے، انسانی حقوق کے سلسلے میں ایک عالمی منشور جاری ہوا، جس میں انسان کے شہری، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور

---

(۱) العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة: رسالہ: البیان عدد ۱۷۰۔
(۲) المرأة في الإسلام: از سامیہ منیسی ص: ۱۶۵۔

ثقافتی حقوق کا تذکرہ تھا اور یہ زور دیا گیا تھا کہ معاشرے کا ہر فرد، خواہ مرد ہو یا عورت، یہ حقوق حاصل کرسکتا ہے، اس منشور کی دوسری شق میں ہے کہ:

''ہر انسان کو کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر، منشور میں ذکر کردہ حقوق اور آزادی حاصل کرنے کا حق ہے، اقوام متحدہ کسی بھی قسم کے امتیاز کو درست قرار نہیں دیتی، خصوصاً جب کہ یہ امتیاز عنصر، رنگ، جنس (مرد اور عورت) زبان، دین، سیاسی یا غیر سیاسی رائے، قومیت، معاشرہ یا جائے پیدائش وغیرہ کی وجہ سے ہو۔''(۱)

پھر ۱۹۵۲ء میں عورت سے متعلق خصوصی کمیٹی کی سفارش پر، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے، عورت کے سیاسی حقوق سے متعلق ایک قرارداد پاس کی، اس کے بعد اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی حقوق سے متعلق ایک عالمی معاہدہ ہوا، جس کو اقوام متحدہ کی طرف سے ۱۹۶۶ء میں منظر عام پر لایا گیا، یہ معاہدہ قرارداد نمبر ۲۲۰۰ کے نام سے مشہور ہوا، اس قرارداد کے تیسرے پیراگراف میں صراحت ہے کہ:

''معاہدے میں شریک ممالک، تمام اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق میں، مرد وعورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کا عہد کرتے ہیں۔''(۲)

اسی طرح اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں، ۱۹۶۶ء میں شہری وسیاسی حقوق سے متعلق، ایک متفقہ قرارداد پاس ہوئی، جس کے تیسرے پیراگراف میں کہا گیا ہے کہ:

---

(۱) حقوق الانسان في الإسلام: از محمد الزحیلی ص:۳۹۲۔

(۲) حقوق الانسان: از محمود بسیونی، ج۱، ص:۲۳۔

''معاہدے میں شریک تمام ممالک، شہری وسیاسی حقوق میں مردوزن کے درمیان، مساوات قائم کرنے کا عہد کرتے ہیں۔''(۱)

پھر ۱۹۶۷ء میں عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کے مکمل خاتمے کے سلسلے میں، اقوام متحدہ کی طرف سے ایک منشور جاری ہوا، جس میں اقوام متحدہ نے مساوات کے نظریے کو فروغ دینے کے سلسلے میں، اپنے تمام تر وسائل بہ روے کار لانے کا اقرار کیا اور حکومتوں، غیر سرکاری تنظیموں اور افراد سے امتیازی سلوک کے خاتمے کی اپیل کی، اس اعلان میں یہ صراحت کی گئی کہ ووٹ ڈالنا، عورت کا دستوری حق ہے، قانون کے سامنے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، شادی، تعلیم، اقتصادی اور معاشرتی زندگی جیسے میدانوں میں، مرد اور عورت کے درمیان مکمل مساوات ہے۔(۲)

اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی، تہران میں ''انسانی حقوق'' کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس کو (تہران منشور ۱۹۶۸ء) کا نام دیا گیا، اس کانفرنس میں جو منشور جاری کیا گیا، اس کی شق نمبر ۱۵ میں کہا گیا ہے کہ:

''دنیا کے بہت سے علاقوں میں، عورت جس امتیازی سلوک کا شکار ہے، یہ کانفرنس اس کے مکمل خاتمے پر زور دیتی ہے، کیوں کہ عورت اور مرد کو الگ الگ مقام دینا، اقوام متحدہ کے چارٹر اور انسانی حقوق کے عالمی منشور کے احکام کے خلاف ہے، انسانی ترقی کے لیے عورت کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک

---

(۱) ایضاً۔

(۲) ایضاً۔

کو، جڑ سے اکھاڑ پھینکنا از حد ضروری ہے۔"(۱)

۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک، اقوام متحدہ نے مختلف قراردادیں پاس کیں اور ممبران ممالک کے درمیان معاہدے کرائے اور اس طرح پوری دنیا میں مرد وزن کے درمیان، مساوات کے مغربی مفہوم کی خوب نشر واشاعت کی اور اس نظریے کو لوگوں میں مقبول بنانے کی راہ ہموار کی، اس سلسلے میں پاس کی جانے والی قراردادوں میں، دلوں کو چھو لینے والے الفاظ استعمال کیے گئے، کبھی بھی کھل کر ان حقوق کی وضاحت نہیں کی گئی جن میں مغرب، خواتین کو شامل کرنا چاہتا تھا پھر اقوام متحدہ نے قراردادوں اور معاہدوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر، انسانی حقوق کے عنوان پر "تہران کانفرنس" منعقد کی، جس کا اصل مقصد خواتین سے متعلق مغربی نظریے کو فروغ دینا تھا، جس کے لیے انسانی حقوق کو آڑ بنایا گیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مرد وعورت کے درمیان کسی بھی قسم کی تفریق، پوری انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے۔ جب نام نہاد مساوات کے ان علم برداروں کو یہ اطمینان ہو گیا، کہ اب دنیا کے بیشتر حصوں میں راہ ہموار ہو چکی ہے، تو اقوام متحدہ نے خصوصی طور سے خواتین کے موضوع پر، کانفرنس منعقد کرانے کا فیصلہ کیا، اس سلسلے میں سب سے پہلی کانفرنس ۱۹۷۵ء میں عورت، مساوات اور امن کے موضوع پر "میکسیکو" میں منعقد ہوئی، جس میں ۱۳۳ ممالک کے نمایندوں نے شرکت کی، اس کانفرنس میں سیاسی اور معاشرتی میدانوں اور حکومتی وغیر حکومتی سطح پر، عورت کی صورت حال سے متعلق

---

(۱) ایضاً۔

سب سے پہلا منصوبہ تیار ہوا، جس میں عورت کی ٹریننگ اور فیملی پلاننگ جیسے موضوعات شامل تھے، اسی طرح اس کانفرنس میں، مستقبل میں مساوات کے نظریے کو فروغ دینے کے لیے لائحۂ عمل تیار کیا گیا۔(۱)

پھر ۱۹۷۹ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے، ''عورت کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کا خاتمہ'' کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں کانفرنس سے مندوبین کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا، اس قسم کے معاہدے کو پہلی مرتبہ قانونی شکل دی گئی اور ہر ممبر ملک کو، اس معاہدے کے تسلیم کرنے کا پابند بنایا گیا، جو ممالک پہلے اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کر چکے تھے، ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس معاہدے کی تصدیق کریں اور جن ممالک نے بعد میں رکنیت حاصل کی، ان کے لیے اس معاہدے پر دستخط کرنا رکنیت کی شرائط میں داخل تھا۔ اس طرح ۱۹۹۵ء کی مشہور ''بکین'' کانفرنس تک، اس معاہدے میں شامل ممبران ممالک کی تعداد ۱۳۳ ہوگئی، آیئے دیکھتے ہیں کہ سالہا سال کی محنت اور ماحول سازی کے بعد، ''عورت'' سے متعلق دوسری کانفرنس میں ہونے والے معاہدے میں، ممبران ممالک کو کن امور کا پابند بنایا گیا؟ ذیل میں اس معاہدے کی چند شقیں دی جا رہی ہیں۔

(الف) سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی میدان میں، عورت کی ازدواجی حالت سے صرف نظر کرتے ہوئے، مرد و زن کے درمیان مساوات قائم کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة، رسالہ: البیان عدد ۱۷۰، ص: ۳۷۔

(ب) ایسے تمام قوانین، نظام اور رسوم ورواج (جن سے عورت کے خلاف امتیازی سلوک کی بو آتی ہے) کے خاتمے کے لیے، ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی ضروری ہے۔

(ج) ہر ملک کو چاہیے کہ وہ مخلوط تعلیم کی حوصلہ افزائی کرے، تاکہ تعلیم کے تمام میدانوں میں مرد وعورت کے درمیان، کسی بھی قسم کا فرق باقی نہ رہے۔

(د) ممبران ممالک کو چاہیے کہ وہ شہری حقوق میں عورت کو وہی قانونی اہلیت عطا کریں، جو مرد کو دیتے ہیں، ساتھ ہی اس اہلیت کا مظاہرہ کرنے کا موقع بھی فراہم کریں۔

(ھ) عورت کو بھی اپنے بچوں کی تعداد اور دو بچوں کے درمیان فاصلے کے سلسلے میں، مرد کے برابر حق اور آزادی ملنی چاہیے۔

(و) جس طرح ایک مرد کو بچے کا ذمے دار اور ولی تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح عورت کو بھی ذمے دار اور ولیہ تصور کیا جانا چاہیے۔(۱)

پھر ''عورت'' سے متعلق دوسری کانفرنس ۱۹۸۰ء میں ''ڈنمارک'' کی دارالحکومت ''کوپن ہیگن'' میں منعقد ہوئی اس کانفرنس کا ایک مقصد تو یہ تھا، کہ ۱۹۷۵ء میں اقوام متحدہ کی پہلی عالمی ''میکسیکو کانفرنس'' برائے خواتین میں، جو سفارشات پیش کی گئی تھیں، ان کے نفاذ کے سلسلے میں جو کچھ پیش رفت ہوئی، اس کا جائزہ لیا جائے، دوسرا مقصد یہ تھا کہ عورت سے متعلق اقوام متحدہ کے ذریعے کرائے گئے معاہدے کے کچھ اجزا میں ترمیم کی جائے۔

---

(۱) حقوق الانسان: از محمود بسیونی، ج۱، ص: ۹۷۔

اس کے بعد اقوام متحدہ نے ''ڈنمارک'' سے ''نیروبی'' کارخ کیا اور سابقہ کانفرنسوں میں پاس کردہ قراردادوں کے نتائج کا جائزہ لینے کے لیے، ۱۹۸۵ء میں وہاں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام، خواتین سے متعلق تیسری کانفرنس ہوئی، جو ''نیروبی کی مجوزہ حکمت عملی برائے ترقی خواتین'' کے نام سے مشہور ہوئی اور اس میں ۱۵۷ ممالک نے حصہ لیا، اجلاس کے دوران کانفرنس کے اہداف ومقاصد پر روشنی ڈالی گئی اور مستقبل میں ان مقاصد کے سودمند ہونے پر زور دیا گیا، نیز ۱۹۸۶ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک ان مقاصد کو بہ روے کار لانے کی راہ میں آڑے آنے والی ہر قسم کی رکاوٹ پر، غلبہ پانے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں اقوام متحدہ نے ''خواتین'' سے متعلق چوتھی کانفرنس منعقد کی، اس مرتبہ یہ کانفرنس ''بکین'' میں منعقد ہوئی اور بکین کانفرنس ہی کے نام سے مشہور ہوئی، اس کانفرنس کا مقصد ''نیروبی'' کے اجتماع میں پیش کردہ مقاصد کو، حقیقت کا جامہ پہنانے کے سلسلے میں، کوششیں تیز کرنے کی اپیل کرنا تھا؛ تاکہ اکیسویں صدی کے آخر تک، مغرب نے عورت کے سلسلے میں جو منصوبے تیار کر رکھے ہیں، وہ روبہ عمل ہو جائیں، لیکن صدی کے اختتام میں صرف پانچ سال کا عرصہ باقی تھا اور مغرب ابھی اپنے مقاصد سے بہت دور کھڑا تھا، اس لیے صدی کے اواخر تک اپنے خواب کو تعبیر عطا کرنے کا، یہ آخری موقع تھا جسے مغربی طاقتیں گنوانا نہیں چاہتی تھیں، اس لحاظ سے یہ کانفرنس اقوام متحدہ کی سابقہ کانفرنسوں سے کچھ مختلف تھی، مغربی معاشرے کی عالم کاری کا

خواب دیکھنے والوں نے، اس کانفرنس میں پہلی بار کھلم کھلا ایسے اعلانات کر دیے، جو اسلامی شریعت؛ بل کہ انسانی فطرت کے خلاف تھے۔

''بکین کانفرنس'' میں مکمل آزادی اور (اسلام مخالف مفہوم کے اعتبار سے) مساوات کی اپیل کی گئی، آسمانی شریعتوں کے مقرر کردہ اصولوں، فطرت کے تقاضوں اور عورت کے مزاج کے برخلاف، مرد وزن کے درمیان ہر قسم کے فرق کو کچل دینے کا عزم کیا گیا، شرعی طور پر حرام جنسی تعلقات کا دروازہ کھولنے پر ابھارا گیا، اس کانفرنس میں جن چیزوں پر زور دیا گیا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جنسی آزادی کی اجازت.

(۲) آغاز جوانی میں شادی سے نفرت.

(۳) مانع حمل ذرائع اور وسائل کا فروغ.

(۴) آپریشن وغیرہ کے ذریعے مرد کی صلاحیت کو ختم کرنا.

(۵) محدود اولاد.

(۶) محفوظ طریقے سے اسقاط حمل کی اجازت.

(۷) مرد وزن کے درمیان مخلوط تعلیم.

(۸) نوعمری میں ہی لڑکے لڑکیوں کو جنسی ثقافت کی تعلیم.

(۹) ان مقاصد کے حصول کے لیے میڈیا کا استعمال.

اسی طرح اس کانفرنس میں، یہ اعلان کیا گیا کہ اب معاشرہ ہر قسم کی قیود سے پاک ہو کر، اباحیت کی راہ پر گامزن ہوگا، کسی بھی مذہب کو اور خصوصاً اسلام کو

اس ترقی یافتہ معاشرے کی سمت تبدیل کرنے کا، کوئی حق نہیں ہوگا، والدین کی بچوں پر کوئی ذمے داری نہیں ہوگی، جب کہ مرد عورت کا ذمے دار نہیں ہوگا۔ (۱)

ان کانفرنسوں میں پاس کردہ تجاویز اور قراردادوں سے، بہ خوبی اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے اجتماعات کا مقصد صرف، اور صرف مغربی معاشرے اور اس کی غیر فطری اقدار کو، پوری دنیا میں عام کرنا ہے، عالم گیریت کے علم بردار اداروں اور حکومتوں نے، معاشرتی عالم گیریت میں بڑی پلاننگ کے ساتھ، تدریجی راہ اختیار کی ہے، ابتدا میں ان عالم گیریوں نے خواتین کو مظلوم بنا کر پیش کیا اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی، کہ مساوات ہی اس ظلم کو ختم کرسکتی ہے، اس طرح مساوات کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی اور آخر کار پچاس سال کا سفر طے کرنے کے بعد، ''بکین'' کانفرنس میں مغرب کے غیر فطری، غیر طبعی اور غیر اسلامی اقدار، پوری دنیا پر تھوپ دیے گئے اور ان قراردادوں کو مسترد کرنے والے ممالک کو، حقوق انسانی کی خلاف ورزی کرنے والا قرار دیا گیا۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ مغرب، جہاں اقتصادیات، سیاسیات اور ثقافت جیسے میدانوں میں، گلوبلائزیشن کا خواب دیکھ رہا تھا، وہیں ان استعماری طاقتوں کی یہ دیرینہ تمنا بھی تھی کہ ان کا معاشرہ ہی، مثالی اور قابل تقلید معاشرہ ہو؛ تاکہ ہر قوم آنکھ بند کرکے اس کو اپنی زندگیوں میں رچا بسا لے۔ اس کے لیے انھوں نے معاشرے کے اہم ستون ''عورت'' کا

---

(۱) العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة، مجلّة البيان، ص:۳۸ عدد ۱۷۰۔

انتخاب کیا، جس کے ذریعے انھیں امید تھی کہ وہ، اپنے اس مقصد کے حصول میں کام یابی سے ہم کنار ہوں گے، یہی وجہ تھی کہ ''عورت کے مسائل'' ان کے دل ودماغ پر چھائے ہوئے تھے، یہی موضوع ہر کانفرنس کی زینت بنا ہوا تھا۔ اقوام متحدہ نے خواتین سے متعلق کانفرنسیں منعقد کرانے ہی پر اکتفا نہیں کیا؛ بل کہ دیگر موضوعات پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی، ''خواتین کے مسائل'' سرفہرست رکھے اور اس سلسلے میں کافی اہم تجاویز پاس کیں، چناں چہ ''آبادی'' کے موضوع پر اقوام متحدہ کے زیرانتظام، بہت سی کانفرنسیں مختلف ممالک میں منعقد ہوئیں؛ لیکن ان میں بھی عورت کے مسائل پر بحث ومباحثہ ہوا، آیئے ذیل میں ایسی ہی چند کانفرنسوں کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۹۷۴ء میں آبادی سے متعلق ''رومانیا'' میں پہلی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں ایک عالمی ''پلان'' تیار کیا گیا، جس میں یہ اپیل کی گئی کہ معاشرے میں عورت کے کردار کو، بہتر بنایا جائے اور اس کو معاشرے کا جزء لاینفک سمجھا جائے، فیملی پلاننگ کو فروغ دیا جائے؛ تاکہ ہر خاندان نہایت محدود نسل پر اکتفا کرے، اس کے لیے خواتین کو ابھارا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ، دو بچے ہونے کے بعد حمل کی صلاحیت کو ختم کرادیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں، میکسیکو میں آبادی کے موضوع پر عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل امور کی اپیل کی گئی۔

(الف) زندگی کے ہر میدان میں، عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینا۔

(ب) شادی میں تاخیر کرنا اور حمل میں جلدی نہ کرنا۔

(ج) باپ کو گھر کے کاموں میں شریک کرنا، جب کہ عورت کو خارجی ذمے داریوں میں شریک کرنا۔

(د) نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کو جنسی تعلیم سے آراستہ کرنا۔

(ھ) خاندان کے دائرے سے باہر، جنسی تعلقات کو فروغ دینا۔

(و) زانی مردوں اور عورتوں کو مالی امداد فراہم کرنا اور ان کو رہائش کے لیے مناسب جگہ دینا۔(۱)

پھر ۵ تا ۱۳ ستمبر ۱۹۹۴ء میں اسلامی تہذیب کے سابقہ گہوارے: مصر کی دارالحکومت، قاہرہ میں آبادی اور ترقی کے موضوع پر، عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا، اگرچہ اس کانفرنس کا تعلق ''آبادی'' سے تھا؛ لیکن اس میں خواتین کے مسائل چھائے رہے اور بیجنگ کانفرنس سے ملتی جلتی؛ بل کہ اس سے بھی زیادہ خطرناک قراردادیں پاس ہوئیں، اگر یہ کانفرنس کسی مغربی ملک میں منعقد ہوتی، تو بھی معاملے کی اہمیت کم نہ ہوتی؛ لیکن اس قسم کے اجتماع کا عالم اسلام میں منعقد ہونا، بہت زیادہ باعث تشویش ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مغربی طاقتوں نے قاہرہ میں، یہ کانفرنس منعقد کر کے، عالم اسلام کے منھ پر طمانچہ مارا ہے۔

قاہرہ کانفرنس میں جو دستور تیار ہوا، ذیل میں ہم اس کے حوالے سے چند باتیں ذکر کر رہے ہیں:

(۱) فرد ہی اصل بنیاد ہے، اس کے مفادات اور اس کی خواہشات ہی معیار ہیں، دین، قوم، خاندان، رسوم ورواج اور عرف وعادات معیار نہیں

(۱) ایضاً۔

ہیں، لہٰذا فرد کا یہ حق ہے کہ وہ ان رسمی چیزوں کی جانب سے، عائد کردہ پابندیوں سے چھٹکارا حاصل کر لے۔

(۲) دستور میں لکھا ہے کہ عقد نکاح کے بغیر ہی جنسیت کا عمل ہونا چاہیے، اسی طرح ہم جنس پرستی کو بری نگاہ سے دیکھنے کے بجائے، اس کو فروغ دینا چاہیے، البتہ اس بات کی طرف پوری توجہ رہے کہ یہ عمل، کسی مرض میں مبتلا نہ کردے، اس لیے نوعمروں کو جنس پرستی اور منع حمل سے متعلق معلومات فراہم کی جائیں اور اس سلسلے میں ان کو مکمل رازداری کا یقین دلایا جائے اور ان کی کارکردگیوں کے حوالے سے، ان کے حقوق کا احترام کیا جائے۔

(۳) یہ دستور جلدی شادی کو نہایت غلط تصور کرتا ہے، اس لیے کہ یہ شرح پیدائش میں اضافے کا سبب ہے۔

(۴) یہ دستور اسقاط حمل کی مذمت نہیں کرتا، اگرچہ اس عمل میں ماں کی صحت کو ہی خطرہ کیوں نہ ہو؛ البتہ اتنی توجہ ضرور دی جانی چاہیے کہ ماں کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

(۵) اس دستور میں جلد ماں بننے کو بھی غلط تصور کیا گیا ہے، اس بات سے قطع نظر، کہ عورت جائز طریقے سے ماں بنی ہے یا ناجائز طریقے سے، کیوں کہ جلد ماں بننے سے شرح پیدائش میں اضافہ ہوتا ہے اور عورت مرد کے شانہ بہ شانہ، خارجی کاموں میں شرکت نہیں کر پاتی۔

(۶) قاہرہ کانفرنس کے اس دستور میں، مرد وعورت کے لیے ''زوجین'' کے بجائے، ''ساتھیوں'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، کیوں کہ دستور سازوں کی نظر

میں یہ ایک غیر جانب دار لفظ ہے، جس سے متعینہ قانونی تعلقات کی طرف اشارہ نہیں ہوتا؛ بل کہ یہ لفظ بغیر نکاح کے، جنسی بے راہ روی اور جسمانی تعلقات قابل قبول اور جائز ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔

(۷) عورت و مرد کے درمیان مساوات:

اس دستور میں مرد وزن کے درمیان مکمل مساوات اپنانے کی اپیل کی گئی ہے اور عورت کو اس بات پر ابھارا گیا ہے، کہ وہ اپنے اور مرد کے درمیان پائے جانے والے ہر قسم کے فطری فرق کو ختم کر دے، لہذا مرد تو عورتوں کی طرح، گھر کے کاموں میں حصہ لے اور بچوں کو پالے، جب کہ عورت باہر کے کاموں میں مرد کا ہاتھ بٹائے۔(۱)

عالم اسلام کے لیے یہ بات نہایت شرم ناک ہے کہ اسلامی دور کے حسین محور، قاہرہ میں اتنے بڑے پیمانے پر کانفرنس کا انعقاد ہوا اور اس میں ان لغویات کو دستور قرار دیا گیا، جب کہ اقوام متحدہ کے ممبران ممالک کو تاکید کی گئی کہ وہ اس دستور کو اپنے یہاں نافذ کریں، حال آں کہ لغویات سے پُر یہ دستور، اسلام ہی کیا، کسی بھی آسمانی مذہب کی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا، کیوں کہ روے زمین میں پایا جانے والا کوئی بھی آسمانی مذہب، جنسی بے راہ روی کی کھلی اجازت نہیں دے سکتا؛ جب کہ اس دستور کی مکمل بنیاد ہی جنس پرستی ہے۔ اگر ان قراردادوں کا بہ غور مطالعہ کیا جائے، تو اندازا ہوگا کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں، جو ان میں بار بار استعمال ہوے ہیں، جیسے: جنسی صحت، جنسی کارکردگی، جنس پرستی،

(۱) الإسلام والعولمة، ص:۱۲۱ و ص:۱۲۲۔

عملِ تولید، شخصی آزادی وغیرہ وغیرہ، یہ الفاظ اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ قاہرہ کانفرنس ''آبادی'' کے موضوع پر نہیں؛ بل کہ ''جنسی امور'' کے موضوع پر منعقد ہوئی تھی، جس میں اس گناہ عظیم کو فروغ دینے کے، لیے نت نئے طریقے پیش کیے گئے تھے، حتی کہ ایک امریکی تنظیم نے بھی، ان قراردادوں کی وجہ سے لاحق خطرات سے خبردار کیا ہے، ایک فرانسیسی مسلم مفکر ''رجاء الجارودی'' نے مصری اخبار، ''الشعب'' میں (۱۲/۹/۱۹۹۶ء) لکھا ہے کہ:

''حیرت کی بات یہ ہے کہ امریکن نوعمر ماؤں کی تنظیم کی صدر نے، قاہرہ کانفرنس میں مسلمانوں کو امریکنائزیشن کے خطرے سے خبردار کیا ہے، اس نے کہا ہے کہ ان لوگوں نے، امریکی معاشرے کو تباہ کردیا اور اب یہ اپنے افکار وخیالات لے کر، اسلامی معاشروں کی طرف بڑھ رہے ہیں، تاکہ ان کو بھی تباہ وبرباد کرڈالیں اور ان کے ساتھ ساتھ مسلمان عورت اور معاشرے میں اس کے کردار کو بھی تارتار کردیں۔''(۱)

دیگر موضوعات پر منعقد ہونے والی چند کانفرنسیں

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ اجتماعی عالم کاری کے لیے مغرب کا سب سے بڑا ہتھیار، ''عورت'' ہے، جس کو اس استعماری جنگ میں استعمال کرکے، عالم گیری اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرسکتے ہیں، اس لیے ''عورت'' (بہ حیثیت ایک اہم ہتھیار کے) ان کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہے، اس کے

(۱) سقوط الحضارة الغربية – روية من الداخل – از احمد منصور، دارالقلم دمشق طبع اول ۱۹۹۸ء۔

ذریعے اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، انھوں نے خواتین کے موضوع پر بہت سی کانفرنسیں منعقد کیں، اسی طرح آبادی کے موضوع پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی، عورت ہی کے مسائل سرفہرست رہے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں؛ لیکن مغرب نے ان ہی چند اجتماعات پر بس نہیں کیا؛ بل کہ آبادی اور خواتین کے موضوع سے ہٹ کر، دیگر موضوعات پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی، ''خواتین کے مسائل'' کو کافی اہمیت حاصل رہی یا کم از کم خواتین کا نام لیے بغیر، معاشرے کو بگاڑنے کی ناپاک کوشش کی گئی، خواہ وہ بچوں کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے، ذیل میں ہم چند ایسی ہی کانفرنسوں پر مختصراً روشنی ڈال رہے ہیں:

۱۹۹۰ء تھائی لینڈ میں، تعلیم کے موضوع پر عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں معاشرے کے ہر فرد کے لیے تعلیم مہیا کرانے پر زور دیا گیا اور مخلوط تعلیم پر ابھارا گیا، جب کہ مخلوط تعلیم کی مخالفت کرنے والے ممالک کی مذمت کی گئی۔

۱۹۹۰ء میں اطفال کے موضوع پر، نیویارک میں عالمی چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ذریعے ۱۹۸۹ء میں پاس کردہ قراردادوں ہی کو دہرایا گیا، ان قراردادوں میں کہا گیا تھا کہ بچوں کو دینی، فکری اور شعوری اعتبار سے آزادی کا حق ہے (بہ الفاظ دیگر وہ، جو دین چاہیں اختیار کریں، خواہ ان کو اس دین کی اچھائی اور برائی تک کا شعور نہ ہو، والدین ان کو مجبور نہیں کر سکتے۔ ان کو ہر چیز کا مکمل اختیار ہے، وہ اپنی زندگی کے خود مالک ہیں، وہ خود فیصلہ کرنے والے ہیں کہ اپنی زندگی کو کس راہ پر لے

چلیں، والدین اگر اصلاح کی نیت سے ان کو سمجھائیں، تو یہ دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کے مرادف ہوگا۔) بل کہ قراردادوں میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ والدین کو، اپنی اولاد پر کسی قسم کی کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر قراردادیں، یورپ وامریکہ کے معاشرے کی واضح طور پر عکاسی کرتی ہیں، کہ وہ کس قدر زبردست اخلاقی خرابیوں کا شکار ہو چکا ہے، اس معاشرے میں والدین اپنے بچوں کو پالتے تو ہیں؛ لیکن انھیں اس کا یقین بھی رہتا ہے کہ کل ضرورت پڑنے پر بھی، ان کی یہ اولاد ان کے کام آنے والی نہیں ہے، اسی لیے وہ اپنی جوانی میں ہی، اپنے بڑھاپے کا سامان تیار کر لیتے ہیں، پوری زندگی پیسہ کما کر، اتنا بنک بیلنس ہو جاتا ہے کہ بڑھاپے میں، جب ان کے پاس کسی قسم کا سہارا نہیں ہوگا، تو جوانی میں کمائی ہوئی یہی دولت ہوگی، جو ان کو عزت سے زندگی گزارنے میں مدد دے گی اور آخرکار جب وہ مر جاتے ہیں، تو اپنی یہی دولت اپنی اولاد کے بجائے، اپنے ''کتوں'' کے نام کر جاتے ہیں، جو اپنی فطری وفاداری کی وجہ سے، اولاد سے زیادہ ان بزرگ مردوں اور عورتوں کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی گندے معاشرے کی عالم کاری کرنے اور اس کو پوری دنیا میں فروغ دینے؛ بل کہ اسی کو ہر قوم اور ہر ملک کا معاشرہ بنانے کے مقصد سے، عالم گیری اس طرح کی کانفرنسیں کرتے چلے آئے ہیں؛ بل کہ کانفرنسوں کے موضوع سے قطع نظر، ان میں پاس ہونے والی قراردادوں میں عورت کے مسائل ہی اٹھائے گئے ہیں یا کم از کم ایسے مسائل کو ہوا دی گئی ہے، جن کے ذریعے مغرب کو اپنے مقاصد کی حصول یابی کی امید ہے۔

اسی طرح کی ایک کانفرنس ۱۹۹۲ء میں ''ماحول اور ترقی'' کے موضوع پر ''برازیل'' میں منعقد ہوئی، اس کانفرنس کی قرارداد میں بھی یہی کہا گیا کہ بچے کی ولادت کے سلسلے میں، عورت کو مکمل اختیار حاصل ہے، مرد کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے، عورت خود فیصلہ کرے کہ کون سا وقت اس کے لیے بہتر ہے اور وہ کتنے بچے جنم دے، قرارداد میں محدود نسل کی بھی پرزور وکالت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ خواتین کی معاشرتی اور اقتصادی حالت میں بہتری لائی جائے اور مرد وزن کے درمیان، مساوات کی راہ میں حائل تمام قانونی، دستوری، انتظامی، ثقافتی، معاشرتی اور اقتصادی رکاوٹوں کا خاتمہ کرنے کے لیے، ہر ملک ایک منظم لائحۂ عمل تیار کرے۔

۱۹۹۳ء میں حقوق انسانی کے موضوع پر ''آسٹریا'' میں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی؛ لیکن اس میں موضوع سے ہٹ کر، صرف خواتین کے حقوق پر بحث ہوئی اور مرد وزن کے درمیان، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی میدانوں میں مغربی طرز کی مساوات قائم کرنے پر زور دیا گیا اور ہر ملک کو اس بات کا پابند بنایا گیا کہ عورت کے خلاف امتیازی سلوک مٹانا ہی، ان کی حکومتوں کی اوّلین ترجیحات میں شامل ہو، تاکہ ہر میدان میں عورت، مرد کے شانہ بہ شانہ ہو اور اس کے خلاف پوشیدہ یا علانیہ طور پر ہونے والے ہر قسم کے امتیازی سلوک کا خاتمہ ہو، اس کانفرنس نے، اجتماع میں شریک تمام ممالک کے لیے ۲۰۰۰ء تک کا وقت مقرر کیا، تاکہ اس مدت میں وہ کانفرنس کے تمام مقاصد کو عملی جامہ پہنادیں، اس سلسلے میں ۱۹۹۳ء میں ہی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی

کے ذریعے پاس ہونے والے ایک منشور کو پیش نظر رکھا گیا، جس کا تعلق ''خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے'' سے تھا۔

۱۹۹۵ء میں ''معاشرتی ترقی'' کے موضوع پر، عالمی چوٹی کانفرنس ''کوپن ہیگن'' میں منعقد ہوئی، جس میں اس بات پر بحث ومباحثہ ہوا کہ ایک خاندان اپنی پرانی روش سے ہٹ کر، کس طرز پر زندگی گزار سکتا ہے؟ مرد وعورت کے درمیان مساوات کس حد تک ضروری ہے؟ اور خاندان میں عورت پر مرد کی بالادستی کیوں کر ختم کی جانی چاہیے؟ اس کانفرنس میں بھی اس بات پر زور دیا گیا کہ مرد گھریلو ذمہ داریاں بھی انجام دے، جب کہ عورت خارجی امور میں بھرپور شرکت کرے، اسی طرح ہر ملک کو چاہیے کہ وہ وراثت کے سلسلے میں، عورت پر عائد تمام قیود وضوابط مسترد کردے اور انصاف پر مبنی وراثت کے قانون نافذ کرے۔

۱۹۹۶ء میں ''انسانی کالونیوں'' کے موضوع پر، ترکی میں اقوام متحدہ کے اسٹیج پر، ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں سیاسی اقتصادی اور معاشرتی زندگی میں مرد وعورت کے درمیان، مساوات اور خواتین کی فعّال شرکت پر زور دیا گیا، تاکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی انسانی کالونیوں کی ترقی کی راہ میں مرد وعورت، دونوں شانہ بہ شانہ مل کر کام کریں، اس کانفرنس میں مساوات کے مقصد کی حصول یابی کے لیے، عالمی پیمانے پر کچھ قانونی اور انتظامی اصلاحات کی بھی اپیل کی گئی، جن میں وراثت سے متعلق قوانین سرفہرست ہیں۔

۲۰۰۰ء میں، ''اکیسویں صدی میں مساوات، ترقی اور امن'' کے موضوع پر، نیویارک میں اقوام متحدہ کی زیرسرپرستی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں پاس کردہ دستور کی چند شقیں ملاحظہ فرمائیں!

(الف) نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے لیے، اباحیت اور جنسی آزادی کی اپیل کی جائے اور ان کو ترغیب دی جائے کہ وہ نوعمری میں ہی جنسی عمل انجام دیں، جب کہ شادی تاخیر سے کریں۔

(ب) خاندانی دائرے سے باہر، مرد و عورت کے درمیان ہر قسم کے جنسی تعلقات کی حوصلہ افزائی کی جائے اور خاندان کی تعمیر میں شادی کے کردار کو ختم کر دیا جائے۔

(ج) اسقاطِ حمل کو قانونی بنایا جائے۔

(د) خاندان کا مغربی مفہوم رائج کیا جائے: کہ ایک فیملی دو انسانوں سے مل کر بنتی ہے، خواہ وہ ایک ہی جنس کے کیوں نہ ہوں (یعنی مرد+مرد اور عورت+عورت)

(ھ) گھریلو کام کاج نہ کرنے پر عورت کی حوصلہ افزائی کی جائے، کیوں کہ گھر کے کاموں پر اجرت نہیں ملتی۔

(و) ایسی خاندانی عدالتیں قائم کی جائیں، جہاں شوہر پر اپنی بیوی کے حقوق غصب کرنے کا مقدمہ چل سکے اور اس کو مناسب سزا دی جا سکے۔

(ز) لواطت کو مباح قرار دیا جائے؛ بل کہ ایسے قوانین توڑنے پر ابھارا جائے، جن کی رو سے جنسی عمل جرم قرار پاتا ہو۔

(ح) مطلق مساوات کے مغربی مفہوم کو نافذ کیا جائے اور مرد و زن کے

درمیان مکمل مماثلت قائم کی جائے، دونوں کو کام کاج، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو کام اور وراثت وغیرہ میں برابر کا شریک مانا جائے۔

(ط) بکین کانفرنس کے دستور پر، بعض مسلم ممالک کی جانب سے کی گئی احتیاط کی اپیل کو بالکلیہ مسترد کردیا جائے۔

اس کانفرنس کا اصل مقصد دراصل ان ممالک کو آخری مرتبہ وارننگ دینا تھا، جنھوں نے ابھی تک سابقہ کانفرنسوں کی قراردادوں اور ایجنڈوں پر عمل نہیں کیا تھا، اسی لیے اس کانفرنس میں ایسے ممالک کے باشندوں سے، اپنے ملکوں کے قوانین توڑنے کی اپیل کی گئی اور ان ممالک کے لیے ''ڈیڈ لائن'' بھی مقرر کی گئی، اس اجتماع کی اہمیت کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے انعقاد سے پہلے، بہت سی تمہیدی کانفرنسیں بھی مختلف ممالک میں منعقد ہوئیں، تاکہ وہاں سے پاس ہونے والی قراردادوں کو اس کانفرنس کے دستور کا جزو بنایا جاسکے۔

چناں چہ ۲۰۰۰ء میں بکین کانفرنس کے شعار (بکین + ۵) کے تحت، نیویارک میں ایک اجتماع ہوا، اس شعار کے ذریعے بکین کانفرنس کی پانچویں سال گرہ کی جانب اشارہ کیا گیا، اس اجتماع میں ''بکین کانفرنس'' کے دستور میں کچھ ترمیم کرنے کی کوشش کی گئی۔

مارچ کے مہینے میں ''مواقع، رکاوٹیں اور مطلوبہ کردار'' کے موضوع پر ''بحرین'' میں خلیجی خواتین کی کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس کا انعقاد، بحرین کی ''گرلز ایسوسی ایشن'' نے کیا، اس میں تقریباً سبھی خلیجی ملکوں سے خواتین اور

مردوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

۱۹۹۶ء میں تونس میں "کانفرنس برائے خواتینِ مغربِ عربی" منعقد ہوئی، جب کہ اسی سال افریقی خواتین کی چھٹی کانفرنس، "عدلیس ابابا" میں منعقد ہوئی، اس کانفرنس کا انعقاد اقوام متحدہ کی اقتصادی کمیٹی کی شاخ، "افریقی سینٹر" نے کیا تھا، اسی سال "اقتصادی و معاشرتی کمیٹی برائے مغربی ایشیا" کے زیر انتظام "اردن" کی دارالحکومت "عمان" اور "بیروت" میں دو الگ الگ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔(۱)

اقوام متحدہ کے قیام سے لے کر گزشتہ صدی کے اختتام تک، ۵۵ سالوں کے اس عرصے میں، دسیوں بیسیوں کانفرنسیں منعقد ہوئیں، جن کے ذریعے گلوبلائزیشن کے پالیسی سازوں نے یہ کوششیں کی ہیں، کہ وہ مغربی معاشرے اور اس کے ناپاک اقدار کی عالم کاری کریں، ہر قوم اور ہر ملک کے معاشرے کو ختم کر کے، اپنا ہی معاشرہ پوری دنیا پر تھوپ دیں، اس بحث سے قطع نظر کہ یہ معاشرہ قابل تقلید بننے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ یہ معاشرہ دنیا میں پھیلی ہوئی بدامنی، زبوں حالی اور لاقانونیت کا خاتمہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مغربی معاشرہ قابل تقلید ہونے کے بجائے، قابل تردید ہے، اس سے ہر طرف پھیلی ہوئی خرابیوں میں کمی ہونے کے بجائے، زیادتی ہی ہوگی، اس سے ہر گھر میں فساد برپا ہوگا، ذہنی سکون غارت ہوگا، فکر کے دریچوں کو زنگ لگے گا اور اس معاشرے سے متأثر ہونے والی پوری قوم

---

(۱) العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة، رسالہ: البیان عدد ۱۷۰۔

اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جائے گی، ان سب مفاسد کے باوجود، عالم گیریوں کو اصرار ہے کہ وہ اپنے گندے معاشرے کو، پوری دنیا پر مسلط کر دیں گے، اسی مقصد کے لیے انھوں نے مختلف ممالک میں اجتماعات بلائے، قراردادیں پاس کیں اور دستور بنائے، جن کے ذریعے عورت کو سب سے زیادہ مظلوم ہستی قرار دیا اور اپنے معاشرے کو عورت کی پریشانیوں اور اس پر ہونے والے مظالم سے نجات دہندہ ثابت کیا، اس نظریے کی اتنی تشہیر کی گئی کہ ہر خاص وعام، اسی سُر میں گانا گانے لگا جو سُر ان کانفرنس ہالوں سے نکل رہا تھا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ سُر کتنا زیادہ بھدا اور مکروہ ہے۔ اس شیطانی رقص میں ناچنے والوں کے درمیان، وہ عرب لیڈر بھی تھے، جنھوں نے اجتماعات کی قراردادوں اور معاہدوں پر دستخط کر کے، اپنے دین اور مذہب کے خلاف محاذ آرائی کی اور مغربی فراعنہ کا ساتھ دیا، چند باضمیر لوگوں نے ان کانفرنسوں کے مفاسد اور خرابیوں پر لب کشائی کی ہمت کی؛ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، حال آں کہ کانفرنسوں کی یہ قراردادیں اسلامی نظام سے مکمل مزاحم ہیں، ان قراردادوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے کا مطلب، اسلامی قوانین کو مسترد کرنا ہے: بل کہ یہ اعلان کر دینا ہے کہ اسلام نے چودہ سو سال تک معاشرے کو سنوارنے کا تجربہ کر لیا ہے، لیکن وہ اصلاح میں ناکام و نامراد رہا ہے، اب ان (گندے معاشرے کی پیداوار) لوگوں کو بھی، اصلاح معاشرہ کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔ تُف ہے ایسے مسلم قائدین کی عقلوں پر، جنھوں نے ان قراردادوں کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا اور ان کے دلوں میں یہ خیال تک نہ

آیا کہ ان قراردادوں اور معاہدوں سے اخلاقی، معاشرتی، صحتی اور سیاسی اعتبار سے کیا، کچھ خرابیاں اور نقصانات رونما ہوں گے، آیئے اجمالی طور پر تمام کانفرنسوں کی قراردادوں کی روشنی میں، چند مفاسد کی نشان دہی کی جائے۔

کانفرنسوں کے کچھ منفی پہلوؤں پر ایک تنقیدی نظر

ان مذکورہ اجتماعات کے ذریعے، سب سے پہلے معاشرے اور اخلاق پر نہایت برا اثر مرتب ہوتا ہے، اس لیے کہ ایسی بہت سے قراردادیں ہیں، جن کا مقصد صرف یہی ہے کہ معاشرے میں زنا اور جنسی بے راہ روی عام ہو، لوگ اخلاقی اعتبار سے اتنے پست ہو جائیں کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کو ہی، وہ اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھیں، لہذا عالم گیریت کے پالیسی سازوں نے، اس راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو ختم کرنے کی کوشش شروع کردی، ذیل میں ذکر کی جانے والی چند قراردادیں اسی کوشش کی غماز ہیں۔

(الف) حرام جنسی تعلقات کی آزادی، عورت کے بنیادی حقوق میں شامل ہے:

اس قرارداد کا مقصد یہی ہے کہ پورا معاشرہ گندہ اور ملوث ہو جائے، مغربی باشندوں کی طرح باغیرت قوموں کے افراد کو بھی، اپنے آبا و اجداد کا علم نہ ہو اور وہ یہ جان ہی نہ سکیں کہ کس ماں نے ان کو جنا ہے اور کس باپ کی طرف وہ منسوب ہیں۔

(ب) عورت کو جنسی صحت کے لیے سہولیات فراہم کی جائیں:

ظاہر ہے کہ جب ''عورت'' کو بازار میں بٹھا دیا جائے گا اور جنسی عمل

کی کھلے عام اجازت ہوگی، تو ہر طرف طرح طرح کی بیماریاں بھی جنم لیں گی، لہٰذا ان مصلحین عالم نے جڑ کاٹنے کے بجائے، اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریوں کی فکر کی اور یہ اپیل کی کہ جنسی صحت کے لیے سہولیات فراہم کی جائیں، تاکہ جنسی عمل پر بھی کوئی فرق نہ پڑے اور بیماری بھی نہ پھیلے۔

(ج) مختلف قسموں کے مانع حمل وسائل عام کیے جائیں:

تاکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بے فکری کے ساتھ، اس غیر انسانی عمل میں ملوّث رہیں اور آزادی کے ساتھ اس گھناؤنی حرکت کا ارتکاب کرتے رہیں، ورنہ اولاد کی وجہ سے ان کی فکروں میں اضافہ ہوگا اور ان کا ذہن اپنی اولاد کو پالنے پوسنے میں لگ جائے گا، وہ معاشی پریشانیوں کا شکار ہو جائیں گے، لہٰذا مقصد بھی پورا ہوتا رہے اور کوئی رکاوٹ بھی پیش نہ آئے۔ مانعِ حمل وسائل پوری دنیا میں عام کیے جائیں، تاکہ بے راہ روی کے شکار ہر شخص کی ان وسائل تک پہنچ ہو۔

(د) محدود نسل کے نظریے کو فروغ دیا جائے:

بڑھتی آبادی مغربی طاقتوں کے لیے دردِ سر اور وبالِ جان ہے، جنسی عمل کے فروغ کی وجہ سے، آبادی بڑی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے، اس لیے مغربی سامراجیوں نے، ''محدود نسل'' کا فارمولہ پیش کیا اور لوگوں کو یہ ذہن نشین کرا دیا کہ انھیں اگر اقتصادی اعتبار سے مضبوط رہنا ہے، تو فیملی پلاننگ کرنی ہوگی اور کم بچوں پر ہی اکتفا کرنا ہوگا۔ اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ مغربی عوام نے اس نظریے کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کیا، کیوں کہ

انھیں بھی اس بات کا یقین ہے کہ اپنی اولاد سے انھیں، مستقبل میں کوئی سہارا ملنے والا نہیں ہے؛ بل کہ انھیں اپنے بڑھاپے میں کتوں اور دیگر پالتو جانوروں کا ہی سہارا لینا پڑے گا، اس لیے ''محدود نسل'' کا یہ نظریہ ان کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں۔

(ھ) زانی مرد اور عورتوں کے حقوق کا اعتراف کیا جائے۔

مغربی دماغوں نے زانیوں کے اس طبقے کو تو قانونی چھوٹ دے دی؛ لیکن باشعور اور باضمیر قوموں کا معاشرہ اس طبقے کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے، اس لیے مغرب کے یہ مخلوط النسب لوگ، اپنے ''ہم نوالہ و ہم پیالہ'' لوگوں کو اخلاقی سطح پر قابل قبول بنانے کے لیے، میدان میں آئے اور مختلف معاشروں میں ان کی حق سلبی پر ماتم کناں ہوئے۔

(و) ہم جنسی پرستی کو مانا جائے:

مرد و زن کے درمیان آزادانہ اختلاط کے نتیجے میں ہونے والی تباہیاں کیا کچھ کم تھیں، کہ قوم لوط کے ان حقیقی وارثوں نے قدیم عہد کی تاریخ دہرانے کی کوشش کی ہے؟ کسی بھی باہوش اور ذی شعور انسان پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی ہے کہ مغرب کا مقصد، اس قرارداد سے بھی اسلام اور دیگر آسمانی مذاہب کی پاکیزہ تعلیم پر حملہ کرنا ہے اور مختلف معاشروں کو اس حد تک گندا کر دینا ہے کہ وہ مغرب زدہ بن جائیں۔

(ز) جلد نکاح کو باعث نفرت تصور کیا جائے اور اس کے خلاف قوانین بنائے جائیں:

کیوں کہ معاشروں کو مکدّر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عورت کو ''نکاح'' کے طوق سے آزاد کرادیا جائے، اس لیے کہ غیرت مند معاشروں میں جنسی عمل، نکاح سے پہلے تو کسی حد تک ممکن ہے؛ لیکن نکاح کے بعد یہ امکان بھی ختم ہوجاتا ہے، اس لیے تصورِ نکاح ہی کو نشانہ بنایا جائے، لہٰذا مغرب نے یہ پالیسی اپنائی کہ جب مرد وزن اپنی خواہشات کی پیاس بجھالیں تو اب اپنے بڑھاپے کا سہارا تلاش کرنے کے لیے عقدِ زواج کے بارے میں سوچیں۔

(ح) عورتوں پر مردوں کو جو بھی ولایت حاصل ہے، اس کو ختم کردیا جائے، نیز بچوں پر سے بھی والدین کی ولایت کو مسترد کردیا جائے:

تاکہ پورے خاندان میں شوہر سمیت عورت کو روکنے والا نہ اس کا باپ ہو اور نہ اس کا بھائی؛ بل کہ وہ آزادانہ طور پر بدکاری میں ملوّث ہوجائے، یہی حال اولاد کا ہو کہ ان کو بے راہ روی سے روکنے والا کوئی نہ ہو۔

تعلیم اور کانفرنسوں کے مضر اثرات

عالم گیریوں کا مقصد چوں کہ مغربی معاشرے کو پوری دنیا میں رواج دینا اور اسے قابل تقلید بنانا ہے، اس لیے انھوں نے ہر ایسے میدان کا انتخاب کیا، جہاں سے وہ اس مقصد تک راہ یاب ہوسکتے ہیں، انھوں نے زندگی کے ہر ایسے گوشے کو نشانہ بنایا، جو منزل مقصود تک پہنچنے والی راہ کی رکاوٹ بن سکتا تھا، زندگی کے ایسے ہی چند ناگزیر گوشوں اور میدانوں میں، تعلیمی میدان بھی ہے، یہ ایک ایسا گوشۂ حیات ہے، جو کسی بھی نظریے کو بڑی قوت سے پھیلنے کی صلاحیت

رکھتا ہے، اسی سے فکر کی آب یاری اور دماغ کی تطہیر ہوتی ہے، یہیں سے سوچ کو ایک رخ ملتا ہے اور قوتِ تدبّر کو ایک راہ۔ اس لیے استعماری طاقتوں نے اس میدان کو بھی ناپاک کرنے سے گریز نہیں کیا؛ بل کہ اس کو اپنے مذموم مقاصد کی حصول یابی کا ایک ذریعہ بنا دیا، تاکہ جو نسل تعلیم حاصل کر رہی ہے، کل جب اس کے کاندھوں پر معاشرے کی تعمیر کی ذمے داری پڑے، تو اس کے ذریعے بنائے گئے معاشرے کی بنیاد، مغربی اقدار پر مبنی ہو اور یوں مغربی معاشرہ خود بہ خود وجود میں آ جائے، لہٰذا اقوام متحدہ کی سرپرستی میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں جو قراردادیں پاس ہوئیں، ان میں سے چند کا تعلق تعلیم سے بھی تھا، عالم گیریوں نے ان کانفرنسوں میں اس بات پر زور دیا کہ:

(الف) مخلوط تعلیم کو فروغ دیا جائے۔

(ب) نصاب تعلیم میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے۔

(نصاب کی کتابوں میں مرد و زن کے درمیان کسی بھی قسم کی تفریق نہ ہو؛ بل کہ ان کتابوں کو پڑھ کر مساوات کے نظریے کو فروغ ملے)

(ج) جنسی تعلیم و تربیت بھی دی جائے۔

ان قراردادوں سے بھی مغرب کا مقصد، معاشرے کو تباہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ مخلوط تعلیم کے ذریعے جو خرابیاں معاشرہ میں پھیلتی ہیں اور پھیل رہی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، ''مخلوط تعلیم'' جنسی عمل کی راہ تک لے جانے والا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس نظام کے نتیجے میں بدکاریوں کا جو سلسلہ اسکول سے شروع ہوتا ہے، وہ کالج اور یونیورسٹی تک نہیں تھمتا، پھر

یہ ناممکن ہے کہ جس طالب علم نے اپنی تعلیمی زندگی کا ایک بڑا حصہ ان تباہیوں اور خرابیوں کی نذر کردیا ہو، ان کے اثرات اس کی عملی زندگی تک ممتد نہ ہوں؛ بل کہ اس مخلوط تعلیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مفاسد ان طلبہ کی زندگی کا لازمی حصہ بن جاتے ہیں، جو اس نظام کے پروردہ ہوتے ہیں۔

گلوبلائزیشن کے پالیسی ساز اپنی اس اسٹریٹیجی میں بھی کام یاب ہیں، انھوں نے پروپیگنڈے کے ذریعے مخلوط تعلیم کو، ترقی اور اعلی تہذیب وتمدن کی علامت، جب کہ غیر مخلوط تعلیم کو قدامت پرستی اور دقیانوسیت کی دلیل قرار دیا ہے، چناں چہ سعودی عرب کے چند تعلیمی اداروں کو چھوڑ کر، دنیا میں شاید ہی کوئی عصری تعلیم گاہ ایسی ہو، جہاں مخلوط تعلیم کا رواج نہ ہو، ترقی کی علامت بننے کی وجہ سے، اس نظام کے بے شمار مفاسد پر پردہ پڑ چکا ہے اور دنیا بسر وچشم اس شیطانی نظام کو قبول کررہی ہے؛ لیکن جب یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس راہ پر عالم اسلام کی وہ یونیورسٹیاں اور ادارے بھی چل پڑے ہیں، جن کے قیام کا مقصد اسلامی علوم کی ترویج واشاعت ہے، تو عقل ماتم کناں ہوجاتی ہے۔

ملیشیا کی ''انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی'' اس کی جیتی جاگتی مثال ہے، کچھ باغیرت عرب رؤسا نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے یہ اصرار کیا کہ ''مخلوط تعلیمی نظام'' کو ختم کرکے، غیر مخلوط نظام رائج کیا جائے اور لڑکیوں کے لیے تمام سہولیات سے آراستہ، علیحدہ عمارتیں تعمیر کی جائیں، اس پروجیکٹ پر جتنی بھی لاگت آئے گی، وہ ہم برداشت کریں گے؛ لیکن یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے ان کی اس تجویز کو رد کردیا، اس نے بھرے مجمع میں ان باغیرت

عربوں کو جو جواب دیا، اسے سن کر کلیجہ منھ کو آتا ہے، اخلاقی بگاڑ اور مغربیت سے اس حد تک متاثر ہونے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، وائس چانسلر نے اپنی اسلامی غیرت اور حمیت کو بالائے طاق رکھتے ہوے کہا کہ

> ''مخلوط تعلیمی نظام کو ختم کر کے، غیر مخلوط نظام اپنانے سے ہم پر بنیاد پرستی اور قدامت پسندی کا الزام لگ سکتا ہے، جس سے ہماری یونیورسٹی کے وقار کو نقصان پہنچے گا، اس لیے لڑکیوں کی تعلیم کسی بھی صورت میں علیحدہ نہیں کی جاسکتی۔''

اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاشرے کو تباہی کے دہانے پر لے جانے والے ان لوگوں نے، اپنے مذموم مقاصد کی حصول یابی کے لیے کیا کیا طریقۂ کار نہ اپنائے ہوں گے؟ اپنے نظریات اور افکار وخیالات کو تہذیب وترقی کا مظہر قرار دینے اور ان کے مقابلے میں دیگر نظریات کو فرسودہ اور گھٹیا ثابت کرنے میں، انھوں نے کیسے کیسے پروپیگنڈوں کا سہارا نہ لیا ہوگا؟ یقیناً مختلف ذرائع اور وسائل کو بہ روے کار لاکر، کیے جانے والے انھی پروپیگنڈوں کا نتیجہ ہے، کہ ایک مسلم ملک (جس سے مغربی طاقتیں ہمیشہ خائف رہی ہیں، کیوں کہ اس نے مغرب کی اقتصادی غلامی نامنظور کردی تھی، جس سے متاثر ہوکر ذرائع ابلاغ کے باشعور طبقے نے، اس کو ایشین ٹائیگر کا لقب دیا ہے) کی اسلامی یونیورسٹی کا وائس چانسلر، اسلامی نظریات وتعلیمات کو فرسودہ اور دقیانوسی قرار دیے بغیر نہ رہا اور مغرب کی طرف سے بڑھتے ہوے پروپیگنڈے کے سیلاب میں بہ پڑا۔

صحت پر پڑنے والے برے اثرات

فطرت خداوندی کے خلاف کوئی بھی کام ہوتا ہے، تو اس کے برے اثرات یقینی طور پر، رونما ہوتے ہیں اور فرد ومعاشرہ دونوں ہی پر اثر انداز ہوتے ہیں، مغربی معاشرہ دراصل خلاف فطرت امور سے عبارت ہے، اس معاشرے میں جو طریقہ، آسمانی مذاہب اور عقل دونوں ہی کے موافق ہے، وہ ناپسندیدہ اور قدامت پرستی کی دلیل سمجھا جاتا ہے، جب کہ عقل وخرد کے خلاف کیے جانے والے تمام کام، اس معاشرے کے پروردہ لوگوں کے نزدیک، سب سے مرغوب اور دل پسند ہیں، گلوبلائزیشن کو مطمح نظر بنا کر منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں، جو مذموم قرار دادیں پاس ہوئیں، ان کا مقصد مغربی معاشرے کی عالم کاری کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، اسی لیے ان قرار دادوں کا پورا زور، اس بات پر تھا کہ "عورت" کو اس کے محفوظ گھر سے نکال کر، سڑک پر بٹھا دیا جائے اور اس کو بازار کے ایک سامان کی سی حیثیت دے دی جائے اور یہ سب اس کے حقوق کے نام پر کیا جائے، تاکہ اس مقام تک آنے میں وہ کسی قسم کے تردّد کا شکار نہ ہو، نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی معاشرے میں عورت، مردوں کی حیوانیت مٹانے کا ایک ذریعہ بن کر رہ گئی، رشتوں ناطوں کا کوئی وجود نہ رہا، بغیر کسی عقد نکاح کے مرد وعورت کا ساتھ رہنا ایک عام سی بات بن گئی۔

اسی مغربی معاشرے کی آج عالم کاری ہو رہی ہے اور عالم گیری آج دنیا سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں، کہ وہ اس "غیر مہذب" معاشرے کے لیے

اپنے دروازے کھول دے، حال آں کہ اسی مغربی معاشرے کا یہ نتیجہ ہے، کہ دنیا کی خطرناک ترین بیماریوں میں سے ایک، ''ایڈز'' تیزی کے ساتھ پھیلتا جارہا ہے، ہر سال لاکھوں لوگ اس مرض میں مبتلا ہوکر، لقمۂ اجل ہو رہے ہیں، اس بیماری کا سب سے بڑا سبب، وہی ناجائز اختلاط ہے، جس کا مغرب سب سے بڑا علم بردار اور داعی ہے؛ لیکن ان کانفرنسوں میں اس خطرناک مرض کی اصل اور جڑ کے بارے میں، غور وخوض کرنے کے بجائے، کچھ اس طرح کی قراردادیں پاس، ہوئیں جو ایڈز کی روک تھام میں شاید ہی کوئی کردار ادا کرسکیں، ان قراردادوں میں کہا گیا کہ:

''مرد وزن کے درمیان، محفوظ جنسی تعلق ہونا چاہیے، تاکہ کوئی خطرناک مرض پیدا نہ ہو، نیز تمام صحتی مراکز میں، جنسی تعلقات کی وجہ سے پیدا ہونے والے امراض کے علاج کے لیے، خصوصی انتظامات ہوں اور ان امراض کا شکار نوجوان لڑکے ولڑکیوں کا علاج، رازداری کے ساتھ ہو۔''

''امراض سے بچانے والے ذرائع ووسائل کو، بڑے پیمانے پر سستے داموں میں فروغ دیا جائے، تاکہ جنسی عمل کے دوران ان کا استعمال کرکے، امراض سے حفاظت ہوسکے۔''

ظاہر ہے کہ یہ چند جملے وبا کی شکل اختیار کرنے والے ایک خطرناک مرض پر، قابو پانے میں کوئی کام نہیں آسکتے، مغربی خواہش پرستوں کی تمام تر تدبیروں کے باوجود، یہ مرض اس وقت سب سے زیادہ مہلک اور سرعت کے ساتھ پھیلنے والا بن گیا ہے، اس لیے ایڈز کے شکار لوگوں کے غم اور دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے، ان ''کانفرنسیوں'' کے منھ سے مزید چند جملے نکلے مثلاً:

”ایڈز کا شکار لوگوں کے خلاف کسی بھی قسم کا امتیازی سلوک نہ برتا جائے“
”ایڈز زدہ مردوں اور عورتوں کے ساتھ، ہمدردی اور اپنائیت کے احساس کے ساتھ پیش آیا جائے“

لیکن مغرب کی طرف سے اپنے معاشرے کی عالم کاری کرنے کے شوق کی بنا پر، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعے اس گندے نظریے کی زبردست اشاعت کی جارہی ہے، اس لیے ناجائز جنسی تعلقات کے نتیجے میں، پیدا ہونے والے امراض میں، کسی بھی طرح کی کمی نظر نہیں آرہی ہے؛ بل کہ ایڈز کے علاوہ اور بھی امراض روز بروز بڑھتے جارہے ہیں؛ جب کہ بے نکاحی عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات کے رجحانات میں، زبردست اضافہ ہورہا ہے۔ یورپ وامریکہ میں ۲۰ اور ۲۵ سال کی عمر کے لوگ، بغیر شادی کے جنسی عمل کرتے ہیں اور اس زندگی کو پسند کرتے ہیں، شمالی یورپ میں ایسے لوگوں کا تناسب ۴۰ تا ۹۰ فی صدی ہے، یعنی ایک ہزار میں صرف ۳۶ لوگ شادی کرتے ہیں۔ (۱)

اتنے بڑے پیمانے پر، ناجائز جنسی عمل کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ مغربی ممالک کی آبادی میں زبردست اضافہ ہوتا، جو کہ اس وقت اقوام متحدہ کے لیے سب سے بڑا دردِ سر ہے، اس لیے آبادی پر کنٹرول کرنے کے لیے، عالم گیریوں نے اسقاط حمل کے نظریے کو عام کرنا شروع کیا، اس کے فوائد بتلائے اور پوری قوم کو حرام کاری میں مبتلا کرکے، قتل نفس پر ابھارا؛ بل کہ اس کو بھی عورت کا بنیادی حق قرار دیا، چناں چہ اسقاط حمل سے متعلق قرار دادوں

(۱) مغربی میڈیا اور اس کے اثرات اضافہ شدہ ایڈیشن ص: ۳۵۔

میں کہا گیا ہے کہ:

''ایسے قوانین، جو اسقاط حمل کو غیر قانونی ٹھہراتے ہیں، ان کو سختی سے مسترد کر دیا جائے''

''اسقاط حمل عورت کا ایک بنیادی حق ہے اور اسے یہ حق بہ سہولت حاصل ہونا چاہیے''

''اسقاط حمل کے لیے خصوصی ہسپتالوں کا قیام عمل میں لایا جائے''

خواہش کے 'بندوں کو اور کیا چاہیے تھا، ان قراردادوں کے پاس ہونے کے بعد، اسقاط حمل، بہ الفاظ دیگر قتل نفس کے رجحانات میں زبردست اضافہ ہو گیا، ۱۹۹۶ء کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۵ فی صد غیر شادی شدہ لڑکیاں، اسقاط حمل کراتی ہیں، حکومت ۲ لاکھ قانونی اسقاط کرنے والیوں پر ۵۵ ملین ڈالر خرچ کرتی ہے، ۷۵ فی صد شادی شدہ عورتیں اسقاط کراتی ہیں، دو تہائی سفید فام عورتیں اسقاط کراتی ہیں، ان میں دو تہائی کی عمر ۱۵ اور ۲۴ کے درمیان ہوتی ہے۔ (۱)

گندگی میں ڈوبا ہوا اور خطرناک امراض کا شکار، یہ وہ مغربی معاشرہ ہے، جسے عالم گیری قابل تقلید سمجھتے ہیں اور اس کو پوری دنیا اور خصوصاً عالم اسلام پر تھوپنا چاہتے ہیں، جس کے لیے انھوں نے اپنے ٹی وی اسٹوڈیو 'ہالی وڈ'' کو وقف کر رکھا ہے، جہاں سے عریاں فلمیں بڑی تعداد میں بن کر، پورے عالم خصوصاً عالم عرب میں پھیل رہی ہیں؛ بل کہ عرب ممالک میں ہی ''ہالی وڈ'' کے

---

(۱) ایضاً۔

نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، بڑے پیمانے پر عریاں فلمیں بنائی جارہی ہیں، جن کو دیکھ کر لڑکوں اور لڑکیوں میں بے راہ روی کا وجود، ایک عام بات ہو چکی ہے! اور مغربی ممالک کی طرح عالم عرب میں بھی، خاص کر مصر میں ناجائز جنسی تعلقات کے رجحانات میں اضافہ ہو رہا ہے اور اسقاط حمل کے معاملات بھی باعث تشویش حد تک سامنے آرہے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ نصف جزیرۃ العرب میں قانونی طور پر اور پورے جزیرے، میں غیر قانونی طور پر مغربی معاشرہ چھا چکا ہے اور اجتماعی گلوبلائزیشن کے مذموم خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جا چکا ہے، تو غلط نہ ہوگا۔

اقتصادی امور پر مرتب ہونے والے برے اثرات

عورت کو اس کا حقیقی مقام، کھویا ہوا وقار اور غصب شدہ حقوق واپس دلانے کے نام پر، مغرب نے جو اجتماعات منعقد کیے، ان کا منفی اثر صرف معاشرے، اخلاق اور تعلیم وصحت کے میدانوں ہی پر نہیں پڑا؛ بل کہ مغربی عورت کو پوری دنیا کے لیے قابل تقلید بنانے کے نظریے نے، سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں بھی غلط اثرات مرتب کیے، اُس مغربی معاشرے میں، جہاں عورت کو اس کے ''محفوظ'' گھر سے دھکیل کر، سڑک چھاپ بنا دیا گیا ہو اور بازار میں فروخت ہونے والے ایک عام سامان سے زائد اس کی حیثیت نہ رہی ہو، کوئی عجوبے کی بات نہیں ہے کہ عورت ''مساوات'' کا نعرہ لگاتے ہوئے، مرد کے شانہ بہ شانہ دفتروں میں ملازمت کرے اور گھر گرہستی کی ذمے داری اپنے

ساتھی یا شوہر پر ڈال دے، اس لیے کہ مغربی طاقتیں، جو عورت کو حقوق کے نام پر بے لباس اور "فری سروس" بنانے کے درپے ہیں، اتنا ضرور جانتی ہیں کہ جس مساوات کو بنیاد بنا کر، عورت کو بازاری بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں بھی، مرد و عورت کے درمیان مساوات ہو اور عورت مرد کے شانہ بہ شانہ کام کرے؛ لیکن چوں کہ مغرب کا اصل مقصد عورت سے عفت و پاک دامنی اور پاکیزگی کے لباس کو اتار پھینکنا ہے، لہٰذا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے، اقتصادی میدان میں بھی عورت کا استحصال کیا جانے لگا، خواتین کو دو کانوں کے کاؤنٹروں پر کھڑا کر دیا گیا، تا کہ تجارت میں نفع ہو؛ بل کہ یورپ و امریکہ اور مغرب پرست ممالک میں تو، اس ملازمت کو صرف خواتین ہی کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے، جہازوں میں "ایر ہوسٹس" کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے، کہ جہازوں کی ایجاد سے پہلے ہی یہ ملازمت خواتین کے لیے لکھ دی گئی تھی، مغربی ممالک کی "ایر لائنز" تو کجا، عرب ممالک کی ایر لائنز کا یہی حال ہے، حتی کہ سعودی عرب بھی جہاں بہ ظاہر پردے کا ابھی تک قانونی طور پر اہتمام ہے، اپنی "ایر لائنز" میں خواتین کو ایر ہوسٹس بنائے بغیر نہ رہ سکا، مغرب اپنے اس حربے میں ۱۰۰ فی صد کامیاب ہے، اس لیے کہ کوئی ایسا ملک شاید ہی بچا ہو، جس کی "ایر لائنز" میں خواتین خدمات انجام نہ دے رہی ہوں۔

گھر کے کام سے نکال کر عورت کو باہر کے کام میں لگانے کے لیے مغرب نے جو حربے استعمال کیے ہیں ان کی کامیابی میں مذکورہ بالا کانفرنسوں

کی قراردادوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے، کیوں کہ ان اجتماعات کے بعد، نسبتاً کم آزاد خیال ممالک بھی، ایسے قوانین بنانے پر مجبور ہو گئے، جن میں عورت کو خارجی ذمے داری سنبھالنے کی اجازت ہو۔ اسلام عورت کے گھر سے باہر کام کرنے کے مخالف ہرگز نہیں ہے، جب کہ شریعت کی حدود کی رعایت رکھی گئی ہو، بہ صورت دیگر عورت کے لیے گھر سے باہر کام کرنا اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہے؛ لیکن مغربی معاشرے نے عورت کو ایسی جگہوں پر لا کر بٹھا دیا، جہاں حدود و شریعت کی رعایت کرنا محال ہے۔

افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ نظریۂ مساوات کے مقابلے میں، مسلم خواتین کی نظر میں حدود شریعت کی کوئی اہمیت نہیں رہی، بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ برِ صغیر کے چند مسلم علاقے ہی باقی رہ گئے ہوں گے، جہاں اس نظریے کو قبولیت عامّہ حاصل نہیں ہوئی؛ ورنہ جزیرۃ العرب سمیت شاید ہی کوئی مسلم ملک ایسا ہو، جہاں نظریۂ مساوات کا جادو سر چڑھ کر نہ بول رہا ہو اور ان قراردادوں کے الفاظ نے اپنا اثر نہ دکھلایا ہو، جن میں عورت کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ:

''وہ گھر کے کام کاج میں کمی لائے، کیوں کہ اس کام پر اس کو کوئی اجرت نہیں ملتی اور عورت کی اقتصادی حالت درست نہیں رہ پاتی، اس لیے عورت گھر سے باہر نکلے اور اتنی ہی دیر باہر گزارے جتنی دیر مرد گزارتا ہے، اس سلسلے میں حکومتیں بھی ایسی قانونی اور انتظامی اصلاحات کریں جن کی بنا پر عورت کو حصول ملازمت میں کوئی پریشانی نہ ہو۔''(۱)

---

(۱) العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة ، البيان عدد ۱۷۰۔

کانفرنسوں کے کچھ مثبت پہلو

ماقبل میں ہم نے ''حقوق نسواں'' کے سلسلے میں، اقوام متحدہ کے پرچم تلے منعقد ہونے والی، کانفرنسوں کی قراردادوں کے ذریعے، ہونے والے منفی اثرات کا جائزہ لیا، یہ منفی پہلو کسی خاص میدان تک محدود نہیں ہیں؛ بل کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر میدان تک ان کا اثر ممتد ہے؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان قراردادوں کے کچھ مثبت نتائج بھی مرتب ہوئے ہیں، اگرچہ ان کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر ہے؛ لیکن ذیل میں ہم اُن چند مثبت پہلوؤں کا بھی جائزہ لیتے ہیں، کیوں کہ انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا، اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى.(۱)

ترجمہ: اور کسی خاص قوم کی عدوات تمہارے لیے، اس کا باعث نہ ہوجائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

بہ ہر حال کانفرنسوں کی قراردادوں سے چند مندرجہ ذیل مثبت پہلو سامنے آئے ہیں۔

(الف) عورت کو تعلیم سے آراستہ کرنے اور اس سے جہالت دور کرنے کی کوشش.

(ب) خواتین بالخصوص نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے، مخصوص

---

(۱) سورۂ مائدہ آیت:۸۔

امراض کے خاتمے کی کوشش.

(ج) چند بین الاقوامی گروہوں کے ذریعے ہونے والی عورتوں اور بچوں کی تجارت اور جنسی طور پر ان کے استحصال پر، مکمل پابندی؛ بل کہ اس کا شمار عالمی جرائم میں کیا جانا.

(د) عورت کے ادنی درجے کی مخلوق ہونے اور جنسی بازار میں ایک سامان ہونے کی حیثیت سے، منظرکشی نہ کرنے پر ذرائع ابلاغ کی حوصلہ افزائی.

(ھ) ایک جیسا کام کرنے پر مرد وعورت کی تنخواہوں کے درمیان مساوات.

(و) کام کرنے والی خاتون کو دوران حمل چھٹی دینے کی پرزور وکالت.

(ز) مرد کی طرف سے عورت کے خلاف، اپنائی جانے والی جنسی بربریت کا مقابلہ.

(ح) والدین کو اولاد کے درمیان امتیاز نہ برتنے کی تلقین.

(ط) پناہ گزیں خواتین کے حالات اور ان کی غربت سے، فائدہ اٹھا کر ان کا استحصال کرنے پر پابندی.

(ی) لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے پر مکمل پابندی.

یہ چند مثبت پہلو ہیں، جو قراردادوں کی روشنی میں سامنے آئے ہیں، اگرچہ منفی پہلوؤں کے مقابلے ان کی تعداد اور ان کے اثرات بہت محدود ہیں؛ بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ کانفرنسوں میں پاس ہونے والی قراردادیں اور تجاویز، وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا کا مصداق بن سکتی ہیں، تو غلط نہ ہوگا۔

عالم اسلام میں کانفرنسوں کے کچھ منفی ومثبت اثرات

کیوں کہ اسلامی معاشرہ مغربی معاشرے کی عالم کاری کرنے کی راہ میں، سب سے بڑا کانٹا ہے، اس لیے مغرب نے ساری توانائی اس کانٹے کو راہ سے ہٹانے پر صرف کردی، مغرب کی سب سے زیادہ کوشش یہ رہی ہے، کہ کسی طرح عالم اسلام مغربیت کے سیلاب سے متأثر ہو جائے، اس مقصد کے حصول کے لیے، عالم کاریوں نے چند کانفرنسیں اسلامی ممالک میں بھی منعقد کیں، جس زمانے میں یہ کانفرنسیں منعقد ہوئیں، اس وقت عالم اسلام کی منفی اور مثبت دونوں ہی طرح کی صورت حال سامنے آئی، منفی صورت حال کا جائزہ لینے سے افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا؛ بل کہ یہ اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے کہ معاشرتی گلوبلائزیشن، اپنی منزل مقصود کے بہت قریب ہے، شاید بہت جلد عالم اسلام سے اسلامی معاشرہ رخصت ہو جائے گا اور اس کی جگہ، اخلاق وتہذیب سے عاری معاشرہ لے لیگا۔

چناں چہ کانفرنسوں کے انعقاد کے وقت، عالم اسلام میں خواتین کی ایسی بھی کچھ انجمنیں منصۂ شہود پر آئیں، جنھوں نے اسلامی ثقافت ومعاشرے کو نیست ونابود کرنے کے مقصد سے، ہونے والی کانفرنسوں کی تیاری میں بھرپور شرکت کی اور ان اجتماعات کو کام یاب بنانے کی پوری کوشش کی، حتی کہ بدنام ترین ''بیکنگ'' کانفرنس کی تیاری کے سلسلے میں، کچھ نشستیں اور میٹنگیں خواتین تنظیموں کے زیر اہتمام ''اردن'' میں منعقد ہوئیں، خواتین

کی اسی فعّال شرکت کا نتیجہ تھا، کہ عرب خواتین میں مغربی رجحانات، تشویش ناک حد تک بڑھے اور مغرب پرستی میں زبردست اضافہ ہوا، بہت سی خواتین اس غلط فہمی کا شکار ہوگئیں کہ اسلام ان کے حقوق کے سلسلے میں خاموش ہے اور اس کی آغوش میں رہ کر، وہ اپنے حقوق حاصل نہیں کرسکتیں، جب کہ مغرب ان کانفرنسوں کے ذریعے ان کے حقوق کے سلسلے میں سنجیدہ ہے۔

اسی طرح عالم اسلام کی خواتین تنظیموں، نیز عورتوں اور خاندانی امور سے متعلق اداروں کے لیے، غیر ملکی امداد میں اضافہ ہوا، غیر ممالک سے یہ امداد اسی صورت میں مل سکتی ہے، جب کہ مذکورہ تنظیمیں اور ادارے مغربی افکار وخیالات کی ترویج واشاعت میں نمایاں حصہ لیں، چناں چہ ان تنظیموں کی محنت ہی کا نتیجہ تھا، کہ عالم اسلام میں خواتین اور خاندان سے متعلق قوانین میں ترمیم اور نظر ثانی کا مطالبہ زور پکڑ گیا؛ بل کہ مصر میں تو یہ تحریک کی شکل اختیار کر گیا، یہ تحریک اس وقت ٹھنڈی پڑی، جب مغربی اقدار کی عکاسی کرنے والے قوانین مصر میں نافذ کر دیے گئے۔

اس منفی صورت حال کے مقابلے میں، اگر ہم اس دور کی مثبت صورت حال کا جائزہ لیں، تو امید کی ایک کرن نظر آتی ہے کہ شاید اسلامی تہذیب وتمدن کے نام لیوا اور اسلامی معاشرے کے پروردہ، اس مغربی معاشرے کے سیلاب کا مقابلہ کرسکیں جو گلوبلائزیشن کا علم لیے بڑی سرعت کے ساتھ، عالم اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے اور حالت یہاں تک بگڑ چکی ہے کہ اگر فوری طور پر مؤثر اور اجتماعی تدابیر اختیار نہ کی گئیں، تو وسیع تر رقبے میں پھیلے ہوئے

عالم اسلام کو، فتح کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی، لیکن مثبت صورت حال سے دل میں یہ احساس ضرور پیدا ہوا ہے، کہ اس سیلاب کو روکنا اور اس پر بند لگانا مسلمانوں کے بس سے باہر نہیں ہے؛ بل کہ مغرب سے چلے اس معاشرتی طوفان کو روکا جاسکتا ہے، صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں، میں اپنے خلاف کی جانے والی سازشوں کا ادراک اور شعور پیدا ہوجائے اور وہ مغرب کاری کے، وسیع پیمانے پر کیے جانے والے عمل سے متاثر نہ ہوں، قاہرہ اور بکین کانفرنس کے بعد، مسلم حلقوں میں کچھ اس طرح کا ردّ عمل بھی دیکھنے میں آیا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ ان مخصوص حلقوں میں، عالم اسلام کو کانفرنسوں کے ذریعے لاحق ہونے والے خطرات سے واقفیت ہے۔

چناں چہ کچھ اسلامی تنظیموں، بالخصوص سعودی عرب کے چوٹی کے علما پر مشتمل کمیٹی اور علماے ازہر نے، قاہرہ اور بکین کانفرنس کے دساتیر پر شدید تنقید کی اور عوام سے اپیل کی کہ مغرب کی جانب سے چلائے جانے والے ان پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوں، علما کی انھی اپیلوں کا نتیجہ تھا، کہ عام لوگوں کی بہت بڑی تعداد، مغربی سازشوں سے روشناس ہوگئی؛ بل کہ خواتین کے بعض حلقوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر، عالمی انجمنیں قائم کیں اور اقوام متحدہ کی کانفرنسوں کے طرز پر، خود بھی اجتماعات منعقد کیے اور خواتین واطفال کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات سے، امت کو روشناس کرایا، چناں چہ ''خرطوم'' میں ''انٹرنیشنل یونین فار وومن'' (عالمی تنظیم برائے خواتین) کی ۱۹۹۶ء میں بنیاد پڑی، جس کا مقصد دین، انسانی شرافت اور خواتین کے خلاف کی جانے والی

ظالمانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنا تھا، اس یونین نے عالمی پیمانے پر، سب سے پہلی کانفرنس ۲۵/ تا ۲۷/ فروری ۲۰۰۰ء میں منعقد کی۔ اسی طرح ''الندوۃ العالمیۃ للشباب الإسلامي'' کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر مانع حماد الجہنی مرحوم نے بھی، اپنی تنظیم کے پلیٹ فارم سے اقوام متحدہ کی کانفرنسوں کے ذریعے کی جانے والی سازشوں کو آشکارا کیا، اس کے علاوہ بھی بہت سے اداروں اور تنظیموں نے، شدید ردعمل کا اظہار کیا، جس سے اتنا اندازا تو ہو جاتا ہے کہ امت مسلمہ کے مردہ جسم میں ابھی تھوڑی سی رمق باقی ہے۔

ان اجتماعات کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

معاشرتی گلوبلائزیشن کے مقصد سے منعقد ہونے والی کانفرنسیں اپنا اثر دکھلاتی رہیں گی، مستقبل میں بھی مغربی طاقتوں کی طرف سے اس طرح کے اجتماعات منعقد ہوتے رہیں گے، جن کا مقصد زندہ قوموں کو، مردہ قوموں کا مقلّد بنانا اور باضمیر افراد کو، بے ضمیر لوگوں کا غلام بنانا ہوگا، ان اجتماعات سے روحانیت کو ختم کر کے، مادّیت پرستی کے فروغ کا کام لیا جائے گا اور مغربی معاشرے کو قابل تقلید بنانے کے شوق میں بااخلاق قوموں کو اخلاقی انحطاط کی پہنائیوں میں دھکیل دیا جائے گا؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کانفرنسوں کی شکل میں کی جانے والی اس سازش کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ کس طرح اُن میں پاس ہونے والے قراردادوں کے اثرات کو کم کیا جائے؟ اور اس سے پہلے کہ مزید برے نتائج سامنے آئیں، ان کے سدِّ باب کے لیے کون سا طریقہ کار اختیار کیا جائے؟

ڈاکٹر ''فواد بن عبدالکریم آل عبدالکریم'' ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے چند تجاویز لکھتے ہیں، جن پر عمل کر کے اس سازش کا جواب دیا جاسکتا ہے، انھوں نے اپنی پیش کردہ سفارشات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) نظریاتی موقف (۲) عملی موقف

نظریاتی موقف

(۱) امت مسلمہ کو ان کانفرنسوں میں پائی جانے والی خرابیوں اور برائیوں سے، نیز ان کے غیر اسلامی؛ بل کہ اسلام مخالف مقاصد سے آگاہ کیا جائے، عوام کو یہ بتلایا جائے کہ یہ اجتماعات، عالم گیریت (جو کہ استعمار کا ایک نیا رخ ہے) کے لیے راہ ہموار کرنے کا ایک ذریعہ ہیں، اس کام کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو استعمال میں لایا جائے، نیز عالموں، مبلغوں، دانش وروں اور صحافیوں کی جانب سے، منعقد ہونے والے سیمیناروں اور اُن میں پیش کیے جانے والے لیکچروں کا موضوع اسی کو بنایا جائے۔

(۲) مسلم ممالک کی وزارتیں، سرکاری وغیر سرکاری اسلامی ادارے اور تنظیمیں، بالخصوص ہر مسلم ملک کی وزارت خارجہ، وزارت برائے اسلامی امور اور وزارت برائے معاشرتی امور، نیز رابطۂ عالم اسلامی تنظیم، اسلامی کانفرنس اور ہر جگہ کے دارالافتا اس سازش کا جواب دینے میں اہم کردار ادا کریں، اس قسم کی کانفرنسوں اور ان کے ناپاک عزائم کے خلاف، مذمتی بیانات بڑے پیمانے پر شائع کریں تاکہ عوام ان سے متاثر نہ ہوں۔

(۳) اسلامی ادارے مسلمانوں میں پائے جانے والے مغرب پرست رجحانات کی سرکوبی کے لیے، کمربستہ ہوجائیں اور اسلام کو ایک آئیڈیل اور قابل تقلید مذہب بنا کر پیش کریں۔

(۴) مسلم تنظیمیں بالخصوص خواتین کے اداروں کی جانب سے، ''مسلم فیملی'' سے متعلق ایسا مواد شائع ہو، جس میں عورت سے متعلق اسلام کا نظریہ اور اسلام میں عورت کے حقوق کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور مغربی معاشرے، میں عورت کے درجے سے مسلم خواتین کو روشناس کرایا جائے۔

(۵) نہایت سنجیدگی کے ساتھ، عالمی اور ملکی سطح پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں پر نگاہ رکھی جائے، نیز ماضی میں خواتین سے متعلق منعقد ہونے والے اجتماعات کی سفارشات کے نفاذ کے سلسلے میں، کیے جانے والے عملی اقدامات کا جائزہ لیا جائے۔

(٦) اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ثقافتی ہفتے منائے جائیں اوران کے ذریعے یہ ثابت کیا جائے، کہ اقوام متحدہ کی سرپرستی میں ہونے والی یہ کانفرنسیں اسلام مخالف ہیں۔

(۷) کانفرنسوں کی کوریج کرنے والے میڈیا کے حلقوں پر، عوامی دباؤ بڑھایا جائے، تاکہ غیر اخلاقی قراردادیں بڑے پیمانے پر عوام کے سامنے نہ آسکیں اور وہ ان کے مذموم اثرات سے محفوظ رہیں۔

(۸) لڑکے اور لڑکیوں کے سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکولوں کے نصاب تعلیم میں، ایسے مضامین کا اضافہ کیا جائے، جن میں ''خاندان کی اہمیت''

''اسلام میں عورت کا مقام''، ''مرد و عورت کے درمیان تعلقات کا شرعی مفہوم''، ''ازدواجی حقوق''، ''بچوں کی تربیت میں موثر ذرائع''، جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہو اور فطرت مخالف افکار واقدار کا جائزہ لیا گیا ہو، نیز خاندان اور مسلمان عورت کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لے جانے اور معاشرتی زندگی کی عالم کاری کے لیے، عالمی کانفرنسوں کے ذریعے بین الاقوامی کوششوں کو بے نقاب کیا گیا ہو اور ان کانفرنسوں کے مذموم مقاصد کو آشکارا کیا گیا ہو۔

(۹) ائمہ اور خطبا بھی اس سلسلے میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں، وہ اپنی تقریروں اور خطبوں میں، دینی راہ نمائی کے ساتھ ساتھ کانفرنسوں پر اور ان کی سفارشات پر بھی، کڑی تنقید کریں، تاکہ نوجوان نسل مغرب کے دامِ فریب سے محفوظ رہ سکے۔

عملی موقف

(۱) ان مخرب اخلاق کانفرنسوں اور اجتماعات میں، بااثر انداز میں شرکت کی جائے اور معاشرتی موضوعات پر اسلام کے پیش کردہ حل، دنیا کے سامنے لائے جائیں، جب کہ مغربی طرز زندگی میں مضمر خرابیوں سے، لوگوں کو آگاہ کیا جائے، اس لیے کہ اگر ان اجتماعات کا بائیکاٹ کر دیا جائے تو، یہ چنداں موثر نہیں ہوگا، اس لیے کہ کم زور اگر طاقت ور کا مقاطعہ کر دے، تو اس سے طاقت ور پر کوئی خاص فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہی مقاطعہ طاقت وقوت کے ساتھ کیا جائے، تو فریق ثانی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے،

اس کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، امریکہ نے اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم ''یونیسکو'' کا بائیکاٹ کردیا، جس کی بنا پر دنیا کی سب سے بڑی غیر سرکاری عالمی تنظیم، اپنے آخری ایام گننے پر مجبور ہوگئی۔

آج اگر مسلمان ان اجتماعات کا مقاطعہ کریں، تو اس سے کچھ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا، اس کے بجائے اگر مسلمان کانفرنسوں میں شرکت کریں اور اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلام کے معاشرتی نظام کو پوری قوت اور طاقت کے ساتھ، عالم گیریوں کے سامنے پیش کریں، تو اس سے مثبت نتیجہ نکلنے کی امید کی جاسکتی ہے؛ بل کہ ماضی میں ایسا دیکھنے میں بھی آیا ہے، چناں چہ ۱۹۹۴ء کی ''قاہرہ کانفرنس'' اور ۱۹۹۵ء کی ''بکین کانفرنس'' میں اسلامی اداروں اور ان کے وفود نے، بڑے پیمانے پر شرکت کی اور ان دونوں کانفرنسوں کی بعض سفارشات کو مسترد کرنے یا ان میں ترمیم کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۲) مسلم ممالک میں بڑھتے ہوئے مغربی رجحانات کا جائزہ لینے اور ان کے ازالے کے مقصد سے، لائحۂ عمل تیار کرنے کے لیے، باضابطہ مراکز قائم کیے جائیں، جہاں معاشرتی موضوعات پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں کے بارے میں، پوری معلومات بھی موجود ہوں، نیز ان مراکز کا ایسے محققوں اور دانش وروں سے رابطہ رہے، جو اپنے دلوں میں مغربی افکار وخیالات کی سرکوبی کا جذبہ رکھتے ہیں، تاکہ یہ مراکز ایسے افراد کی اس مہم میں معاونت کرسکیں۔(۱)

اس تفصیل کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ گلوبلائزیشن پر کام کرنے والے

---

(۱) العولمة الاجتماعية للمرأة والأسرة، رسالہ: البيان عدد۱۷۰۔

اداروں نے، معاشرے کی عالم کاری کرنے اور مغربی معاشرے ہی کو قابلِ تقلید بنانے کی خاطر، مختلف ممالک میں عالمی سطح پر کانفرنسیں منعقد کیں اور مخرب اخلاق قراردادیں پاس کیں، جن کے ذریعے ''عورت'' کو اپنے شیشے میں اتارا اور زندہ قوموں کے معاشرے کو تباہ و برباد کرنے کے لیے، اس کو بہ طور ہتھیار استعمال کیا، مغربی معاشرہ (جس کے ایک ایک عنصر میں جنس پرستی پائی جاتی ہے، جس کے زیر سایہ پرورش پانے والی نوجوان نسل کی منزل یہی ہے، کہ اس کی خواہش کی پیاس بجھ جائے اور ایک غیر انسانی و غیر فطری عمل کو وہ محبوب ترین کام سمجھ کر اختیار کرتی رہے، ایسا معاشرہ جہاں بے حیائی، عریانیت اور فحاشی، ترقی پسندی اور تجدد کی علامت ہیں، جب کہ حیا، پاک دامنی اور پاکیزگی، قدامت پرستی اور دقیانوسیت کی دلیل ہیں، جہاں ایک باضمیر اور غیرت مند انسان کے لیے، راہ چلتے نظر اٹھانا ''جوئے شیر لانے'' سے کم نہیں ہے) آج مشرق کی طرف بڑھ رہا ہے؛ بل کہ اپنے پیر جما چکا ہے، جن مناظر کا تصور کبھی صرف مغربی ممالک میں کیا جا سکتا تھا، آج وہ مشرقی ممالک میں بہ کثرت دیکھنے کو ملتے ہیں، مغرب کی طرح مشرق میں بھی جنسی بے راہ روی اور عریانیت و فحاشی ایک عام بات ہے، ہر بڑے شہر میں بازار حسن و جمال لگتا ہے، جہاں پر کوئی بھی شخص آزادی کے ساتھ، نفسانی خواہشات پوری کر سکتا ہے۔

لیکن صرف جنس پرستی ہی ایک ایسا مرض نہیں ہے، جو مغرب کی طرف سے متعدی ہو کر مشرق میں بھی وبا کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے؛ بل کہ معاشرتی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں، جو بلند اور با اخلاق

طرز زندگی کے لیے ''کینسر'' سے کم نہیں ہیں، آیئے ذیل میں اس مغربی معاشرے کے پیدا کردہ، چند مخرّب اخلاق مسائل کا جائزہ لیتے ہیں، جس کی عالم کاری کرنے کی منصوبہ بندی بڑے زور وشور سے جاری ہے۔

معاشرتی گلوبلائزیشن کے کچھ اثرات

معاشرتی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں، ترقی یافتہ وغیر ترقی یافتہ تمام ممالک میں، جرائم کے تناسب میں زبردست اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے، جرمن قلم کار ''ہینس پیٹر مارٹین'' اور ''ہیرالڈشومین'' اپنی کتاب ''فخ العولمة'' (عربی ترجمہ) میں لکھتے ہیں کہ:

''اقتصادیات پر لگی قانونی پابندیوں کے ختم ہو جانے سے، ایسے جرائم پیشہ عناصر کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے، جن کا نیٹ ورک کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے، پولیس اور کرائم کنٹرول اداروں میں، یہ بات باعث تشویش ہے کہ صنعتی ممالک میں، منظم جرائم کے تناسب میں حیرت ناک حد تک اضافہ ہوا ہے، عالمی پولیس (انٹرپول) کے ایک آفیسر نے، اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا ہے کہ:

''جن چیزوں کو آج ہم آزاد تجارت کے مفاد میں سمجھتے ہیں، وہی چیزیں جرائم پیشہ عناصر کے مفاد میں جاتی ہیں۔''

واقعتاً گلوبلائزیشن کے یہ نتائج خوف ناک ہیں، ماہرین کے مطابق، گلوبلائزیشن سے اقتصادی سیکٹرس میں اتنا اضافہ نہیں ہوا، جتنا منظم عالمی جرائم

میں اضافہ ہوا ہے، اسمگلنگ میں ملوث ایسے افراد، ہر سال ۵۰۰ ملین ڈالر نفع کماتے ہیں، حال آں کہ زیادہ تر وہ لوگ، صرف دو چیزوں کا لین دین کرتے ہیں: ہیروئن اور کوکین۔ ایک اندازے کے مطابق صرف ۱۹۹۰ء میں جتنی ہیروئن ان ''خفیہ ہاتھوں'' نے اسمگل کی، اتنی پچھلے ۲۰ سالوں میں بھی نہیں ہوئی تھی، کوکین کی تجارت میں بھی ۵۰ گنا اضافہ ہوا ہے۔''(۱)

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی مقدار میں کوکین اور ہیروئن کی ایسے ہی معاشرے میں کھپت ہوتی ہے، جس کے افراد نائٹ کلبوں میں جانے، جام سے جام ٹکرانے اور اس طرح کی خرمستیوں ہی کو، اعلیٰ طرز زندگی شمار کرتے ہوں، یوروپی وامریکی معاشرے میں نشلی ادویات کا حصول، کوئی مشکل کام نہیں ہے پھر اسکول وکالج میں پڑھنے والی نوجوان نسل کے لیے، تو گویا صرف ان نشہ آور چیزوں کی خواہش ہی کافی ہے کیوں کہ وہ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوتی ہیں، اسی لیے نوجوان نسل میں نشلی ڈرگس کا استعمال، عار کا باعث ہونے کے بجائے معمولاتِ زندگی میں شامل ہے، نشے میں مست ہو کر اور عقل وخرد کو بالائے طاق رکھ کر جب یہ قوم اپنے گھروں سے باہر نکلتی ہے، تو حیوانیت وانسانیت میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ تہذیب وشائستگی سے عاری ان لوگوں کو انسان نما جانور کہا جائے یا جانور نما انسان؟

منظم جرائم بھی مغربی معاشرے کی ایک دین ہے، اگرچہ جرائم سے اس وقت دنیا کا کوئی خطہ بھی پاک نہیں ہے؛ لیکن تہذیب کا قلعہ سمجھے جانے والے

---

(۱) فخ العولمة ص:۳۶۷۔

ملک: امریکہ میں، جرائم بل کہ منظم جرائم نے، ایک وبا کی سی شکل اختیار کر لی ہے، امریکی صوبے ''کیلی فورنیا'' (جو تن تنہا عالمی اقتصادی طاقتوں میں، ساتویں نمبر پر ہے) میں تعلیم کے لیے مختص ٹوٹل بجٹ سے زیادہ، جیلوں کی دیکھ ریکھ اور ان میں بند قیدیوں پر خرچ ہوتا ہے، ۲۸ ملین امریکی شہری (یعنی آبادی کا دسواں حصہ) اپنے آپ کو انتہائی نگہ داشت والی عمارتوں اور محلّوں میں محبوس رکھنے پر مجبور ہیں، یہی وجہ ہے کہ امریکی حکومت، پولیس پر جتنا سالانہ خرچ کرتی ہے، اس سے دوگنا امریکی شہری اپنے علاقوں کے مسلح گارڈس پر خرچ کرتے ہیں۔ (۱)

صرف ۱۹۶۵ء میں ہی پورے امریکہ میں، ۵ ملین جرائم ہوئے پھر بڑھتی ہوئی آبادی کی رفتار سے دس گنا زیادہ تیزی کے ساتھ، خطرناک جرائم میں اضافہ ہوتا رہا (یعنی ہر سال آبادی میں اضافے کا تناسب ۱۳ فی صدی ہے، جب کہ بڑھتے ہوئے جرائم کا تناسب ۱۸۷٪ فی صدی ہے) لہٰذا حالت اتنی ابتر ہو چکی ہے کہ امریکہ میں ہر ۱۲ بارہ سیکنڈ میں، ایک خطرناک جرم ہوتا ہے، ہر گھنٹے میں کسی کا قتل ہوتا ہے، ہر ۲۵ منٹ میں کسی کی عصمت دری کی جاتی ہے (حال آں کہ امریکی معاشرے میں جنسی عمل معیوب نہیں ہے، امریکی معاشرے میں اس ابتلائے عام کا نتیجہ ہے کہ ایسے شخص پر بڑی حیرت کا اظہار کیا جاتا ہے، جس نے بغیر نکاح کے ناجائز جنسی تعلقات قائم نہ کیے ہوں) ہر ۵ منٹ میں چوری کی واردات ہوتی ہے اور ہر منٹ میں کوئی گاڑی چوری ہوتی ہے۔ (۲)

(۱) العولمة : الحقيقة والأبعاد، بہ حوالہ فخ العولمة ص: ۳۶۷ و ص: ۳۶۸۔

(۲) الإسلام بين الشرق والغرب، از ڈاکٹر علی عزت بیگوویچ ص: ۱۱۷، طبع اوّل ۱۹۹۴ء۔

یہ اعداد وشمار ۱۹۹۴ء کے ہیں۔ جس تیزی کے ساتھ امریکی معاشرے میں جرائم پھیلتے جارہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ۱۹۹۴ء کے بعد سے لے کر، اب تک ان نو سالوں میں شاید امریکہ میں ہونے والے جرائم کا ریکارڈ رکھنا بھی تقریباً ناممکن ہو گیا ہوگا، کیوں کہ بے شمار ایسے بھی جرائم ہوں گے، جو پولیس کے ریکارڈ میں درج نہیں ہوے، اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ترقی پذیر ممالک، جیسے ہندوستان وپاکستان وغیرہ میں، اس سے زیادہ جرائم نہیں ہوتے؛ لیکن ان ممالک میں خطرناک جرائم کا وقوع اتنا زیادہ حیرت ناک نہیں ہے، کیوں کہ پولیس اور سکیورٹی اداروں کے ہونے کے باوجود، حکومت اپنے عوام کا تحفظ کرنے سے قاصر ہے؛ بل کہ ترقی پذیر ممالک کی حکومتیں خود بعض مرتبہ، اندرونی جرائم میں ملوث ہوتی ہیں؛ لیکن امریکہ جو اپنے آپ کو ایک مہذّب ملک کہتا ہے، جہاں کے باشندے اپنی تہذیب وثقافت کے معیاری ہونے کا دعوی کرتے نہیں تھکتے اور جہاں کی ٹکنالوجی اور سائنسی ترقی کو دیکھ کر، کچھ بھی مستبعد نظر نہیں آتا، ایسے ملک میں اتنے بڑے پیمانے پر جرائم کا وقوع، صرف باعث حیرت ہی نہیں؛ بل کہ ان تمام دعووں کی قلعی کھول دینے کے لیے کافی ہے جو وہ رات دن کرتے رہتے ہیں۔

اگر ان جرائم کے اسباب پر غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ ''ہالی وڈ'' کی فلموں کے ذریعے پورا معاشرہ جرائم میں ملوث ہو رہا ہے، ان فلموں کو دیکھ کر نوجوان نسل جرائم کے نئے نئے طریقے سیکھ رہی ہے، اس کا اعتراف خود سابق امریکی صدر ''نکسن'' نے بھی کیا ہے، انھوں نے ہالی وڈ پر الزام لگایا کہ

وہ جنسی اباحیت پر مبنی اور خطرناک جرائم کو فروغ دینے والی فلمیں بنا کر، امریکی معاشرے کو تباہ کر رہا ہے، دوسرے سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے ''ہالی وڈ'' کے چار سو فلم سازوں کو خطاب کرتے ہوئے، ان سے امریکی معاشرے پر رحم کھانے کی درخواست کی اور ان سے اپیل کی کہ وہ جنسی اباحیت کو بڑھاوا دینے والی فلموں کے پروڈکشن سے گریز کریں۔(۱)

اسی طرح معاشرتی گلوبلائزیشن کے نتیجہ میں، غربت اور بے روزگاری کے تناسب میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے، جدید ترقی اور مشینی زندگی کے باعث، بے شمار افراد بے روزگار ہو گئے، کیوں کہ ان کی جگہ اب نو ایجاد مشینوں نے لے لی ہے، ایک اندازے کے مطابق اگر یہی حال رہا، تو معاشرے کا ایک حصہ کام کے لائق رہے گا، جب کہ چار حصے بے کاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے، حال ہی میں اقوام متحدہ کی جانب سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ گلوبلائزیشن نے اگرچہ بہت سے ممالک اور وہاں کے باشندوں کو فائدہ پہنچایا ہے، لیکن وہیں اس کی وجہ سے بہت سے ممالک میں غربت و بے روزگاری کی فی صد شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے، کام کرنے کے مواقع ختم ہوتے جا رہے ہیں اور ایسی تنظیمیں بھی کم زور پڑتی جا رہی ہیں، جو غریبوں کی معاشرتی امداد کرتی ہیں۔(۲)

یہ تھی مغربی معاشرے کی ایک ہلکی سی جھلک، جس کی عالم کاری کرنے

---

(۱) وثيقة مؤتمر السكان والتنمية، روية شرعية : از ڈاکٹر حسینی سلمان الجاص:۷۱۔

(۲) ماہنامہ المشاهد السياسي عدد ۱۰۸، ۱۹۹۸ء ص:۳۶۔

کے لیے آج مغرب کے شیطانی دماغ طرح طرح کی سازشیں کر رہے ہیں؛ بل کہ ہر ایسے طریقۂ کار پر عمل پیرا ہیں، جس کے ذریعے دوسری قوموں کے معاشروں کو بدلا جا سکتا ہے، اس کے لیے بنیادی طور پر انھوں نے عورت ذات کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی اور مساوات کے سنہرے خواب دکھلا کر، اس کی پاکیزگی وعفت پر حملہ کر دیا، عورت جو کسی بھی خاندان کا بنیادی عنصر ہوتی ہے، جب اس پر حملہ ہوگا، تو خاندان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور خاندان کے متاثر ہونے سے، معاشرے کا بگاڑ لازمی امر ہے پھر چوں کہ ہر بگڑا ہوا معاشرہ ہی مغربی معاشرہ کہلاتا ہے، اس لیے معاشرتی گلوبلائزیشن کے خواب کی تعبیر پا لینے میں، زیادہ وقت لگنے کی امید نہیں ہے، الّا یہ کہ مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہوں، اپنے جمود و تعطل کو توڑیں، اپنے اندر حرکت پیدا کریں، اپنے مذہب کو آئیڈیل سمجھتے ہوئے، اس کے پیغام کو خود اپنا کر، عام کرنے کی کوشش کریں اور مغربی تقلید کے سلسلے میں اپنے اندر پائے جانے والے نرم گوشوں کو ختم کر دیں، اسی وقت ہم معاشرتی گلوبلائزیشن کے حملے کے سامنے، ''بنیانِ مرصوص'' کا مصداق بن سکیں گے اور اس سیلاب کی بلاخیزی پر بندش لگانے میں مؤثر کردار ادا کر سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

چھٹا باب
گلوبلائزیشن اسلام کی نظر میں

اسلام کی عالمیت اور عالم گیریت

اسلام ابتدائے آفرینش سے عالمی مذہب

گلوبلائزیشن اسلام مخالف

اسلام کا اقتصادی نظام

اسلامی اقتصادیات کی خصوصیات

اسلامی وغیر اسلامی اقتصادی نظاموں کے درمیان فرق

گلوبلائزیشن زمانۂ جاہلیت کا نمونہ

اسلام کی عالمیّت اور عالم گیریت

یوں تو دنیا میں بہت سے ادیان و مذاہب پائے جاتے ہیں، جن میں کچھ آسمانی ہیں اور کچھ انسانی دماغ کی اختراع؛ لیکن اسلام کا امتیاز، آسمانی اور سچا مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے، کہ وہ ایک عالمی اور آفاقی دین ہے، وہ کسی مخصوص قوم اور قبیلے کے لیے نہیں ہے؛ بل کہ روے زمین پر بسنے والے ہر انسان کے لیے ہے، اس نے اپنی طرف بلانے کے لیے کسی خاص قوم کو ہی خطاب نہیں کیا؛ بل کہ پوری بنی نوع انسان کو اپنا مخاطب بنایا، اس کی دعوت نسلی، قومی یا جغرافیائی حدود میں مقید نہیں رہی؛ بل کہ دنیا کے جس چپے پر انسان نے قدم رکھا، دعوت اسلامی بھی وہاں پہنچی اور اپنی بلند تعلیمات اور اعلی اقدار سے لوگوں کو اپنی آغوش میں لے لیا، امتیازی سلوک کے شکار اور معاشرے سے دھتکارے ہوے لوگوں کے سامنے، مساوات کا وہ درس پیش کیا کہ بندہ اور بندہ نواز میں کوئی فرق نہیں رہ گیا، اسلام کی انھی بلند تعلیمات

اعلیٰ وارفع اقدار اور بے نظیر و بے مثال عدل وانصاف کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی آغوش میں آنے والے بادشاہ بھی تھے اور عوام بھی، عرب بھی تھے اور عجم بھی، سفید بھی تھے اور سیاہ بھی، غرض یہ کہ ہر طبقے کے لوگ اسلام سے متاثر ہوئے اور اس کے سایۂ رحمت میں آئے، یقیناً انھوں نے اسلام قبول کر کے، وہ دولت پالی، جو انھیں کبھی نصیب نہ ہو سکتی تھی۔

اس جہان رنگ وبو کے ہر طبقے کا اسلام کے زیر سایہ آنا ہی، اس کے عالمی اور آفاقی مذہب ہونے کی دلیل ہے، اگر اسلام کسی قوم یا نسل کے ساتھ خاص ہوتا، تو اس مذہب کے پیروکار ہر قوم و نسل سے تعلق رکھنے والے نہ ہوتے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے بھی جا بجا اسلام کے عالمی مذہب ہونے کا اعلان کیا ہے، قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، قرآن کریم کی دعوت اور اسلام کا پیغام، ہر انسان کے لیے ہے۔

ارشاد باری ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (۱)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا، مگر دنیا جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً، وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

---

(۱) الأنبياء: ۱۰۷۔

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ. (۱)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر) خوش خبری سنانے والا (اور نہ لانے پر) ڈرانے والا؛ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (۲)

ترجمہ: اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی، جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی، جو تم سے پہلے گزرے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین پر۔

قرآن کریم کی ان آیات سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ اسلام ایک عالمی مذہب ہے اور اس کی دعوت آفاقی ہے؛ لیکن اس کے باوجود اسلام نے

(۱) سبا: ۲۸۔
(۲) البقرۃ: ۲۱۔
(۳) الأعراف: ۱۵۷۔

اپنی تہذیب دوسروں پر مسلط نہیں کی؛ بل کہ اسلامی تہذیب دراصل تمام عالمی تہذیبوں کا قدر مشترک ہے، اسلام نے دوسری تہذیبوں کی اچھی بات کو قبول کیا ہے اور اپنے سے نہ ٹکرانے والی عادتوں کو باقی رکھا ہے، اس مذہب نے جنس، دین اور زبان کے اختلاف کو، بنی نوع انسان کی فطری عادت قرار دیا ہے، اپنی زبان اور ثقافت کو کسی قوم پر مسلط نہیں کیا ہے اور یہی فرق ہے عالمیت اسلام اور گلوبلائزیشن میں، اسلام عالمی ہے؛ لیکن اپنے آپ کو دوسروں پر مسلّط نہیں کرتا؛ بل کہ قوموں کی خصوصیات کا احترام کرتا ہے اور مقامی ثقافتوں اور تہذیبوں کی بقا کا داعی ہے، جب کہ عالم گیریت اقوامِ عالم کی تہذیبوں اور ثقافتوں کا خاتمہ کر کے، چند طاقت ور ممالک کی تہذیب کو مسلط کرنا چاہتی ہے، اس کا مقصد اقتصادیات کے حوالے سے، پوری انسانیت کو فائدہ پہنچانا نہیں ہے؛ بل کہ ایک مخصوص جماعت کو عالمی دولت وثروت کا مالک بنادینا ہے۔(۱)

جامعہ بغداد کے شعبۂ تربیت کے استاذ ڈاکٹر محسن عبدالحمید لکھتے ہیں کہ:

”روئے زمین پر مختلف اقوام، قبیلوں اور ملکوں سے تعلق رکھنے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے لوگ آباد ہیں، اس لیے خطۂ ارض کی بھلائی اسی میں ہے، کہ لوگ آپس میں مفاہمت پیدا کریں اور مل جل کر زندگی بسر کریں، ایک قوم اگر دوسری قوم کے رسوم ورواج بہ رضا ورغبت قبول کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن کسی قوم کا اپنی عادات واقدار، اپنے رسوم ورواج اور اپنی زبان وتہذیب دوسروں پر زبردستی تھوپنا، بہ ہر حال ایک غیر اخلاقی جرم ہے۔“

(۱) مفهوم العولمة: از عمر عبدالکریم، http://www.islamway.com

اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا، جس سے پتا چلتا ہو کہ مسلمانوں نے، دیگر اقوام کے لیے کوئی راستہ مقرر کیا ہو، ان کو کسی ایک رخ پر چلایا ہو، یا کسی خاص نظام کے تابع کیا ہو؛ بل کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مختلف مذاہب، زبانوں اور قومیتوں کا اعتراف کیا ہے اور غیروں کے ساتھ اپنوں جیسا معاملہ کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یورپ وافریقہ سے ایشیا تک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی حکومت میں، یہودی، عیسائی، مجوسی اور مختلف مذاہب کے پیروکار امن وسلامتی کے ساتھ رہے، مسلمانوں نے ہمیشہ ارشاد خداوندی کو پیش نظر رکھا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ.(۱)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

لیکن عالم گیریت نے یہ کوشش کی کہ پوری دنیا کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا جائے، پوری انسانیت کو ایک ہی رخ پر چلایا جائے اور لوگوں کو مجبور کردیا جائے کہ وہ ایک ہی تہذیب وثقافت کو اپنی زندگی میں جگہ دیں۔ (۲)

---

(۱) الحجرات: ۱۳۔

(۲) العولمة من منظور إسلامي http://www.islamway.com

مذکورہ بالا سطور سے اسلام اور عالم گیریت کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے، گلوبلائزیشن اور اسلام کا مطالعہ کرنے والا یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ اسلامی کی بنیاد عدل وانصاف اور مساوات پر ہے، وہ ظلم وستم کو جائز نہیں ٹھہراتا؛ بل کہ ظالم کے ظلم کو ختم کرنے کی ترغیب دیتا ہے، وہ دوسروں کے حقوق کو تسلیم کرتا ہے اور ''اکراہ فی الدین'' کو حرام قرار دیتا ہے، جب کہ گلوبلائزیشن کی بنیاد محض ظلم ہے، اس میں انصاف کا کوئی وجود نہیں ہے، اس کا مقصد مغربی تفوق اور بالادستی قائم کرنا ہے، اس میں غریب اقوام اور ممالک کے حقوق کی رعایت نہیں کی جاتی، وہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے طاقت استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، عالم گیریت میں صرف سرمایہ داروں کے حقوق کی رعایت کی جاتی ہے، خواہ اس کے نتیجے میں انسانی حقوق ہی کیوں نہ پامال ہوں۔

اس کی شہادت ایک فرانسیسی مفکر ان الفاظ میں دیتا ہے کہ:

''عالم گیریت کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام میں جتنی تیزی کے ساتھ پھیلاؤ ہوگا، اتنی ہی سرعت کے ساتھ قبیلے، قوم اور دین کے نام پر جنگوں میں اضافہ ہوگا، جوں جوں مواصلات کے میدان میں ترقی ہوتی رہے گی، لوگ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے رہیں گے، اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا، خاندان، قبیلے اور وطن کی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے، خوف ودہشت میں اضافہ ہوگا، معیار زندگی میں جس رفتار سے بلندی آتی جائے گی، اسی رفتار سے ظلم وبربریت اور جرائم بھی بڑھتے رہیں گے۔'' (۱)

(۱) رسالہ: البیان، عرب امارات ۲/ رمضان ۱۴۲۳ھ مقالہ: العولمة و عالمية الإسلام.

عالمیت اسلام اور عالم گیریت میں یہی بنیادی فرق ہے، کہ اوّل الذکر میں خیر ہی خیر ہے اور ساری انسانیت کے لیے بھلائی ہے، جب کہ ثانی الذکر میں شر ہی شر ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ضرر ہے۔ اسلام جہاں پہنچا، اس نے اپنی تعلیمات سے لوگوں کو متاثر کیا اور یوں چہار دانگ عالم میں پھیل گیا؛ لیکن مغرب نے پوری دنیا پر جو یورش کی ہے، اس کا مقصد سامراجی اور اقتصادی مفادات کا حصول ہے، اس کی بنیاد نسلی تعصب پر ہے اور اس کا سبب مادّیت پرستی اور دولت و ثروت کا بے انتہا لالچ ہے۔

اسلام ابتدائے آفرینش سے عالمی مذہب

اسلام کی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے نہیں ہے، جو رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے؛ بل کہ جب سے دنیا قائم ہے اس وقت سے ان تعلیمات کا وجود ہے، ہر نبی اور ہر رسول، اللہ کی جانب سے وہی پیغام لے کر آیا ہے، جس کی تجدید آپ ﷺ نے فرمائی، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر خاتم المرسلین ﷺ تک، ہر نبی نے اسلام کی دعوت دی ہے، تو غلط نہ ہوگا؛ بل کہ قرآن وسنت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ، وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ. (۱)

ترجمہ: سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالی نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، جو کہ خوشی سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں، اس غرض سے کہ اللہ تعالی لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمادیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ملتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت نوح اور آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا فاصلہ ہے، اس عرصے میں سبھی لوگ ایک ہی مذہب پر عمل پیرا تھے۔'' (۲)

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد، انبیاء بنو اسرائیل نے بھی اسی اسلام کی دعوت دی، جس کی دعوت ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت نوح سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام دے چکے تھے۔

ارشاد ربانی ہے: وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ. (۳)

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے، کسی اور کی عبادت مت کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، تو آپ ﷺ نے بھی اسی دعوت کی تجدید فرمائی اور اسی اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا، جس کی طرف آپ ﷺ

(۱) البقرۃ: ۲۱۳۔
(۲) تفسیر ابن کثیر ج۱، ص: ۲۵۱۔
(۳) الاسراء: ۲۳۔

سے پہلے تمام انبیا پوری انسانیت کو بلا چکے تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ.(۱)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا، جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو، کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری (ہی) عبادت کیا کرو۔

ان آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی دعوت کوئی نئی نہیں ہے؛ بل کہ روے زمین پر آنے والے ہر نبی نے، اسی اسلام کی دعوت دی ہے، جس کی تجدید کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور یہ اسلام چوں کہ ایک آفاقی اور عالمی مذہب ہے، اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ اسلام اسی روز سے عالمی ہے، جب سے یہ عالم قائم ہے اور یہ اسی وقت سے ہمہ گیر ہے، جب سے یہ کون ومکان سجایا گیا ہے۔

گلوبلائزیشن اسلام مخالف

عالم گیریت محض سیاسی یا اقتصادی تحریک ہی کا نام نہیں ہے؛ بل کہ یہ براہ راست اسلام پر بھی حملہ ہے، اس لیے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے، جو اپنی صفت عالمیت کی وجہ سے گلوبلائزیشن کے فتنے کا مقابلہ کرسکتا ہے، ورنہ

---

(۱) الأنبياء: ۲۵۔

آج کے دور میں کوئی مذہب اور کوئی تحریک ایسی نظر نہیں آتی، جو اس کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہو سکے، لہذا عالم گیریت کے پالیسی ساز اداروں کے منصوبوں میں، جہاں سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی میدانوں میں اپنے مقاصد اور مفادات کا حصول شامل ہے، وہیں اسلام کو کم زور کرنا اور اس پر یورش کرنا بھی ان کی اوّلین ترجیحات میں داخل ہے، گلوبلائزیشن اسلام کے خلاف علی الاعلان، جو سازش کرر ہا ہے، آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

(۱) عالم گیریت کی یہ کوشش ہے کہ مسلمانوں کے دینی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے جائیں، تا کہ مسلمان اپنے مذہب کا سہارا نہ لے سکیں، جو در اصل ان کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

(۲) مغربی مادّیت پرست اور ملحدانہ افکار وخیالات کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کے مقصد سے، مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو مغربی طاقتوں کے زیر اثر کر دیا جائے، تا کہ مسلمانوں کے پاس کوئی مرکز نہ رہے۔

(۳) ہر ملک میں اسلامی عقیدے کی جگہ مادّی فلسفے کو مسلط کر دیا جائے، تا کہ مسلمان اسلامی عقائد سے کوئی روشنی نہ پا سکیں۔

(۴) اسلام کو حکومت اور سیاست سے بے دخل کر دیا جائے اور مغربی اقدار پر مبنی ''سیکولر'' فلسفے کی بنیاد پر، حکومتوں کی تشکیل کی جائے۔(۱)

آج ہر مسلم ملک میں ایسی تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں، جو آزادی، جمہوریت اور حقوق انسانی کے نام پر، اسلامی شریعت کے خلاف محاذ آرائی

---

(۱) العولمة أمام عالمية الشريعة الإسلامية: از ڈاکٹر عمر الحاجی طبع اول، دار المکتبی دمشق ص:۵۱۔

میں مصروف ہیں، ان اداروں کو فکری اور مادّی طور پر مغرب کی حمایت حاصل ہے، ان کا مقصد اسلامی تہذیب وثقافت کی مخالفت کرنا، اسلامی قوانین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، مرد وعورت کے درمیان تعلق اور مسلم عورت کے مسائل کے حوالے سے، اسلام پر نکتہ چینی کرنا ہے، بعض مسلم ممالک میں تو اس قسم کے اداروں نے حکومتوں سے علی الاعلان یہ اپیل بھی کی ہے، کہ انسانی حقوق کے سلسلے میں، اقوام متحدہ کی پاس کردہ قرارداد کی روشنی میں قوانین بنائے جائیں اور اسلامی شریعت کو اس طرح کے قوانین سے دور رکھا جائے۔ لیکن ان سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ گلوبلائزیشن کے قائدین، براہ راست اسلامی اصولوں پر حملہ کر رہے ہیں، ان کی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف ہو رہی ہیں کہ کسی طرح اسلام کے مسلّمہ عقائد کا وجود ہی ختم کر دیا جائے؛ حتی کہ روئے زمین ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل پیرا ہونے والوں سے خالی ہو جائے، اسی لیے ایسے حساس موضوع پر جو بھی منفی انداز میں قلم اٹھاتا ہے، اس کو مغرب کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے۔ حال ہی میں عالم عرب سے تعلق رکھنے والے تین ملحد قلم کار ابھرے ہیں، ان میں سے ایک ''محمد شحرور'' سوریا (شام) سے، ''محمد سعید العشماوی'' مصر سے، اور ''محمد ارکون'' الجزائر سے تعلق رکھتے ہیں، ان تینوں نے اسلامی اصولوں اور قوانین میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، انھوں نے اسلامی عقائد، حدود، میراث اور خاندانی قوانین کو، زمانۂ جاہلیت کا ردِّ عمل ثابت کرنے کی مذموم سعی کی ہے، ان کا مقصد لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانا ہے، کہ یہ قوانین جدید دور سے ہم آہنگ نہیں

ہیں، ان تینوں مصنفین کی کتابوں کے منظر عام پر آ جانے کے بعد، انھیں مغرب کی پناہ حاصل ہوگئی، حتی کہ سابق امریکی انتظامیہ کی وزارت خارجہ کے ترجمان ''بیللٹر ڈ'' نے تینوں کی خوب مدح سرائی کی اور انھیں روشن خیالی کا تمغہ عطا کیا، (۱) دراصل عالم گیریت کے قائدین کو یہ معلوم ہے کہ اسلام میں، چوں کہ اس کا نعم البدل بننے اور ہر سطح پر اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اس لیے اسلام کو محض ایسا مذہب بنا دیا جائے، جو چند ارکان کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہو، عملی زندگی میں اس کا کوئی کردار نہ ہو۔

اسلام کا اقتصادی نظام

دیگر اقوام چوں کہ اپنی دینی رسومات کی حد تک اپنے مذہب اور دین کی پابند ہیں، معاشی یا معاشرتی اور عائلی زندگی میں ان کا دین ان کی راہ نمائی سے قاصر ہے، اس لیے انھیں جدید عالمی نظام کو قبول کرنے میں زیادہ تأمل نہیں ہوگا؛ لیکن اسلام ہر میدان میں لوگوں کے لیے راہ نما ہے، زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہوکر، وہ ہر ماحول میں ہدایت کا پیامبر ہے، اس کا اپنا معاشی، معاشرتی اور عائلی نظام ہے، اس کی ایک مخصوص تہذیب اور منفرد ثقافت ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اسلام کے سچے پیروکار، اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر گلوبلائزیشن کے پیش کردہ نظام کو اپنا لیں، بنا بریں یہ کہنا درست ہے کہ عالم گیریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، اسلام ہے۔

---

(۱) ایضاً۔

جہاں تک گلوبلائزیشن کے سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی پہلوؤں کا تعلق ہے، تو ان میں گلوبلائزیشن کا کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہے؛ بلکہ کچھ حکمت عملیاں اور منصوبے ہیں، جن پر ہم تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں، البتہ اقتصادی میدان میں عالم گیریت باقاعدہ ایک نظام پر مبنی ہے، جس کو سرمایہ دارانہ نظام سے جانا جاتا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام (جو عالم گیری نظام سے زیادہ بہتر ہے) کے اقتصادی نظام پر بھی کچھ گفتگو کی جائے، جو درحقیقت اخوت، مساوات اور یگانگت جیسے اصولوں پر مبنی ہے، جو زندگی کو امن وسکون عطا کرتا ہے اور معاشرتی طبقات کے درمیان قائم خلیج کو ختم کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی نے اسلامی اقتصادیات کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:

"یہ عام اقتصادی اصولوں کا ایک مجموعہ ہے، جس کی ہم ہر زمانے اور ماحول کے اعتبار سے، قرآن وسنت سے تخریج کرتے ہیں۔"(۱)

جب ہم اسلام کے اقتصادی اصولوں پر غور کرتے ہیں، تو اندازا ہوتا ہے کہ ان اصولوں کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں پختگی کے ساتھ ساتھ، لچک بھی ہے اور یہی سب سے بڑا سبب ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام، ہر زمانے میں قابل عمل ہے، البتہ ان اصولوں میں چند ایسے بھی ہیں، جو ناقابل تغیر ہیں اور زمان ومکان کی تبدیلی ان کے لیے غیر مؤثر ہے، جیسے زکاۃ وفئی کے مصارف، مالِ غنیمت کا خمس حصہ، سود، قمار بازی اور چوری کی حرمت

(۱) النظام الاقتصادي في الإسلام مبادئه وأهدافه ص:۱۵ طبع قاہرہ۔

اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانا وغیرہ، ان اصولوں میں جو پختگی ہے، اسی نے مال داروں، امرا و روٴسا اور بالخصوص حکام کو، من چاہے انداز سے زندگی گزارنے سے باز رکھا ہے اور انھیں اس بات سے روکا ہے کہ وہ مادّیت کی ہوس کا شکار ہوں۔ جب کہ دوسری طرف اسلام نے سربراہِ مملکت کو اجازت دی ہے کہ وہ زمانے کے مطابق، اقتصادی نظام کو چلائے اور بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا پیغام عام کرے۔

اسلامی اقتصادیات کی خصوصیات

اسلامی اقتصادیات ایسی بہت سی خصوصیات پر مشتمل ہے، جو دنیا کے دیگر اقتصادی نظاموں میں موجود نہیں ہیں مثلاً:

(۱) اقتصادیات کا اسلام سے شرعی و اخلاقی اور عقیدے کے اعتبار سے ربط:

اسلامی اقتصادی نظام کا اسلامی عقیدے اور شریعت و اخلاق سے جدا کرکے، مطالعہ نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ اسلامی اقتصادی نظام شریعت کا ایک جزو ہے، یہی وجہ ہے کہ جائز مادّی کام میں اگر صحیح نیت کی آمیزش ہو جائے، تو یہ عمل مستحق اجر و ثواب ہوگا۔(۱)

(۲) فرد اور جماعت کے درمیان توازن:

(۱) رسالہ: التربیۃ الإسلامیۃ، عراق عدد۱۱، ص:۳۲۔ مقالہ: الاقتصاد الإسلامي خصائصہ وغایتہ.

سرمایہ دارانہ نظام (جو اقتصادی گلوبلائزیشن کی بنیاد ہے) کی ساری توجہ انفرادی ملکیت پر ہے، اس نظام کی نظر میں فرد ہی تنہا مالک ہے، اس کے نزدیک فرد کا مفاد، جماعت کے مفاد سے بالاتر ہے، اس نظریے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی بڑھتی ہے، جس چیز کی لوگوں کو سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، سرمایہ دار اسی کو ذخیرہ کر لیتے ہیں اور مہنگے داموں میں فروخت کرتے ہیں۔ مزید برآں اس نظام کی وجہ سے بے کاری کے اوسط میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا آج کل اچھی طرح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف کمیونسٹ اقتصادی نظام کی تمام تر توجہات، جماعت کے مفاد پر صرف ہوتی ہیں، اس نظام میں پیداوار کے تمام ذرائع و وسائل جیسے کھیت، باغات اور کارخانے وغیرہ، سب حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں، کوئی فرد ان وسائل کو اپنی ملکیت میں لینے کا حق دار نہیں ہے، وہ صرف اس تنخواہ کا حق دار ہے، جو معاشرے کی خدمت کے عوض اس کو ملے گی۔

اس نظام کی سب سے بڑی خرابی تو یہ ہے کہ اس میں، فطرت خداوندی کی مخالفت ہے، جو مالک بننے کی خواہش کی صورت میں، انسان کے اندر پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ سستی اور پست ہمتی بھی اس نظام کی دین ہے، یہی وجہ ہے کہ سابق ''سوویت یونین روس'' میں، پیداوار کے تناسب میں زبردست کمی دیکھنے میں آئی؛ بل کہ ایسے بھی واقعات رونما ہوے کہ ایک وقت کا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کو سونا چاندی تک فروخت کرنا پڑا۔(۱)

لیکن اسلامی اقتصادیات نے فرد اور جماعت دونوں کے مفاد کی رعایت کی ہے، یہ نظام جہاں ایک فرد کو اس کے فطری اور شخصی حقوق عطا کرتا ہے، وہیں اس کو داخلی اعتبار سے اخلاقی قیود کا اور خارجی اعتبار سے قانونی حدود کا بھی پابند بناتا ہے، اسلامی اقتصادی نظام میں اجتماعی ملکیت بھی پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ذاتی اور اجتماعی مفادات میں ٹکراؤ ہو جائے، تو اسلام اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتا ہے، چناں چہ فقہا نے اجازت دی ہے کہ ضرورت پڑنے پر، ایسے شخص سے غلہ وغیرہ جبراً چھینا جا سکتا ہے، جس نے اس کی ذخیرہ اندوزی کر رکھی ہو۔(۲)

اسلامی اقتصادی نظام کی یہی وہ خصوصیات ہیں، جن کی وجہ سے فرانس کے شعبۂ اقتصادیات کے پروفیسر ''جیک اوسٹروی'' اپنی کتاب ''الإسلام في مواجهة النمو الاقتصادي'' (عربی ترجمہ) میں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

> ''اقتصادی ترقی، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں میں منحصر نہیں ہے؛ بل کہ ایک دوسرا نظام بھی ہے، جو اسلامی اقتصاد کے نام سے جانا جاتا ہے، بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہی مستقبل میں دنیا کی قیادت کرے گا۔(۳)

---

(۱) ایضاً۔

(۲) ایضاً۔

(۳) رسالہ: الوعي الإسلامي مقالہ: الاقتصاد الإسلامي والدور الذی یلعبہ، از محمد شوقی الفنجری، عدد ۱۱۲، ص: ۴۲۔

اسلامی وغیر اسلامی اقتصادی نظاموں کے درمیان فرق

(۱) اسلامی اقتصادیات کے عمومی اصول، اللہ سبحانہ وتعالی کے وضع کردہ ہیں، جو انسان کا خالق ہے اور اس کے لیے بہتر نظام کے بارے میں علم رکھتا ہے، جب کہ دیگر نظاموں کو وجود بخشنے والی انسانوں کی کوتاہ عقلیں ہیں۔ یقیناً اللہ اور بندوں کے نظاموں کے درمیان اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہوسکتا ہے۔

(۲) بشری اقتصادی نظاموں نے صرف مادّی حل پیش کیا ہے، ان کا آخری مقصد زیادہ سے زیادہ مال کمانا ہے، جب کہ اسلام کی نگاہ میں مادّیت محض ایک سبب اور وسیلہ ہے، مقصد نہیں ہے؛ بل کہ اصل مقصد انسان کا اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

(۳) بشری اقتصادی نظاموں میں اخلاق، اعلی کردار اور بلند اقدار کی کوئی اہمیت نہیں ہے؛ بل کہ ان کی ساری توجہات پیداوار کے اضافے پر مرکوز ہیں، خواہ اضافہ کسی بھی طریقے سے ہو، جب کہ اسلامی اقتصادیات، اسلامی اقدار سے مکمل مربوط ہے؛ بل کہ اسلام کے شفّاف چشمے سے بہا ہوا صاف پانی ہے، جو انسان کو ایک دوسرے کی مدد کرنے اور آپس میں محبت واخوت قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔(۱)

اشتراکی اقتصادی نظام کا چند سالوں پہلے جنازہ نکل چکا ہے، اسی کے

(۱) رسالہ: التربیۃ الإسلامیۃ عدد ۱۱، ص: ۳۴۔

مقابلے میں ''سرمایہ دارانہ نظام'' کو مغرب نے بدل کے طور پر پیش کیا ہے، جو آج گلوبلائزیشن کی بنیاد ہے؛ لیکن اس نظام کی مذکورہ بالا خرابیوں کے پیش نظر، یہ کہا جانا صدفی صد درست ہوگا کہ اسلامی اقتصادی نظام ہی ہے، جو پوری دنیا کی قیادت کی اہلیت رکھتا ہے؛ لیکن اسلام کسی قوم کو عالم گیریت کی طرح اس بات کا پابند نہیں بناتا، کہ اس کے ہی نظام کو رائج کیا جائے اور اس کے ہی پیش کردہ اصولوں پر عمل کیا جائے۔

گلوبلائزیشن زمانۂ جاہلیت کا نمونہ

زمانۂ جاہلیت میں جہاں بے شمار خرابیاں پائی جاتی تھیں، وہیں سود خوری، جنس پرستی اور سیاسی انارکی جیسے مسائل بھی جاہلی معاشرے کا حصہ بن چکے تھے، مختلف قسم کی برائیاں لوگوں میں گھر کر چکی تھیں، اگر اس دور کو انسانیت کا تاریک ترین دور کہا جائے، تو غلط نہ ہوگا، چناں چہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کی طرف دیکھا، تو عرب وعجم پر اس کو غصہ آیا، چند اہل کتاب کو چھوڑ کر'' (۱)

آج گلوبلائزیشن جن نظریات کی دعوت دے رہا ہے اور جن افکار و خیالات کو نافذ کرنا چاہتا ہے، وہ انھی جاہلی مفاسد کا عکس ہیں، جو غضب خداوندی کا باعث بنے تھے، جاہلیت کی طرح گلوبلائزیشن نے بھی سود،

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث: ۲۸۶۵۔

اباحیت اور جنس پرستی کو درست ٹھہرایا اور عالمی استحکام کے نام پر، سیاسی انارکی پھیلائی، زمانۂ جاہلیت میں جس طرح مال داروں کے مفادات ہی کو محبوب رکھا جاتا تھا اور غربا کی زندگی کو تنگ سے تنگ تر کر دیا جاتا تھا، عالم گیریت میں بھی چند گنی چنی کمپنیوں کے مالکان اور ان کے ذاتی مفادات کی رعایت کی جاتی ہے اور پہلے ہی سے مفلوک الحال لوگوں کو بھی، لوٹ مار کا نشانہ بنایا جاتا ہے، دور جاہلیت میں جس طرح عورت کی حیثیت ایک سامان سے زائد نہ تھی، اسی طرح عالم گیریت کے دور میں بھی عورت کی قیمت کسی سستے سامان سے زیادہ نہیں ہے، آزادیٔ نسواں کے نام پر اس کا استحصال اسی طرح کیا جا رہا ہے، جس طرح بعثت نبویؐ سے قبل کیا جاتا تھا، تاریخ انسانی کے اس تاریک ترین دور میں، جس طرح اقتدار پر اسی کا قبضہ ہوتا، جو طاقت وقوت کا مالک ہوتا۔ اس نام نہاد مہذب دور میں بھی عالمی اقتدار پر چند طاقتوں کا ہی غلبہ ہے، جو سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے ذریعے، پوری دنیا کو غلام بنائے ہوئے ہیں، اس لیے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ آج کا گلوبلائزیشن زمانۂ جاہلیت کی کھلی تصویر اور اس کا عکاس ہے۔

بنا بریں دور جاہلیت کو جب گوارا نہیں کیا گیا اور تاریخ کے سب سے بڑے انقلاب کے ذریعے، اس دور کا خاتمہ کر دیا گیا، تو اسی طرح آج زمانۂ جاہلیت کے اس نمونے کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی، اسی اسلامی بیداری اور حمیت کی ضرورت ہے، جس کا مظاہرہ، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برگزیدہ جماعت نے کیا تھا اور اپنی ایمانی قوت اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ

جمے رہنے کی بنا پر، تاریخ کے بدترین دور کو بہترین دور میں تبدیل کر دیا تھا۔
عالم گیریت کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں اسلام ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا، اس لیے کہ اسلام ہی میں وہ طاقت ہے، جس کے ذریعے اس عالم گیر فتنے کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، ہمیں کم از کم اپنے دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کے حوالے سے، ہر طرح کی لچک کو پسِ پشت ڈالنا ہوگا نیز اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن پر سختی کے ساتھ عمل کرنا ہوگا، موجودہ صورت حال کے پیش نظر ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے، کہ گلوبلائزیشن کی تاریک رات کا آغاز ہو چکا ہے، اگرچہ اس کی تاریکی نے ابھی تک پوری طرح اس عالم کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا؛ لیکن اگر مسلمان خواب غفلت کا شکار رہے تو وہ وقت بھی دور نہیں، جب عالم گیریت کا مہیب سایہ سارے عالم پر چھا جائے گا اور ہر چیز کو مغرب زدہ کر دے گا۔

البتہ مسلمانوں اور اپنی تہذیب و ثقافت سے محبت کرنے والوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ اگر روئے زمین پر فرعون و نمرود کا وجود ممکن ہے تو موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کا وجود بھی ممکن ہے، اگر ہمیں آج کے فرعون و نمرود کے لیے موسیٰ اور ابراہیمؑ بننا ہے، تو ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہمارے اندر موسیٰ جیسا حوصلہ ہو، ابراہیمؑ جیسی ہمت و حمیت ہو اور اپنے محبوب نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہماری زندگی ہو۔

☆☆☆☆☆☆

(الف) شخصیات

(ب) مقامات...

شخصیات

الف ب

(امام) ابوداؤدؒ ۲۲
(امام اعظم) ابوحنیفہؒ ۴۳
(شیخ الاسلام) ابن تیمیہؒ ۴۳، ۳۰۰
(امام) احمد ابن حنبلؒ ۳۲، ۴۳
اسکندر اعظم ۴۴، ۴۸، ۷۰، ۲۶۷
(ڈاکٹر) اڈورڈ سعید ۴۶
(ڈاکٹر) انور عبدالملک ۴۶
افلاطون ۵۵، ۱۸۰، ۱۸۱
ارسطو ۵۵، ۱۸۱
ابوریحان البیرونی ۵۵
احمد مصطفیٰ عمر ۶۳
آٹو کہبن ۹۱
ایلن ڈلس (سابق CIA ڈائریکٹر) ۹۱
آئزن (سابق امریکی صدر) ۹۱
اسامہ بن لادن ۱۱۵، ۱۴۷، ۱۵۲
الیف ہنری ۱۱۶
اسٹیفن اوسٹین ۱۱۸
اسٹیفن روس فیلڈ ۱۲۷
(ڈاکٹر) اکرم عبدالرزاق المشہدانی ۱۳۱
احمد بشیر بابکر ۱۵۱
اریل شیرون (اسرائیلی وزیراعظم) ۱۵۵، ۱۵۹
ادریس الکنبوری ۲۶۳
ایل گور (سابق امریکی نائب صدر) ۲۷۵
احمد بن محمد الصبیب ۳۰۲
ایڈورڈ اوڈیلی ۳۱۹
ایلیکسی بایر ۳۲۳
احمد منصور ۳۷۳
(حضرت) آدم علیہ السلام ۴۲۱، ۴۲۲
(حضرت) ابراہیم علیہ السلام ۴۳۴
(علامہ) ابن کثیر ۴۲۲
ایڈلائی اسٹیونسن ۹۲
برنارڈ لوئیس (مستشرق) ۴۶
(حضرت) بلال حبشیؓ ۵۴

بطلیموس ۵۵
بل کلنٹن (سابق امریکی صدر)۵۹، ۸۸، ۱۳۴، ۱۴۵، ۲۰۶، ۲۳۵، ۲۷۵، ۳۴۲، ۴۱۱
برجینسکی ۷۳
برن ہارڈ ۸۷
برنارڈ باروخ ۹۱
بائرمانکل ۱۴۱
باب سٹکلف ۲۲۴
بل گیٹس ۲۴۲، ۲۷۶
بل گیزر ۳۴۳
بیللڑو (امریکی وزارت خارجہ کا سابق ترجمان) ۴۲۶

پ ت ٹ ث

پال واربرگ ۹۱
پال فنڈ لے (سابق امریکی کانگریس مین) ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸
پال وول فیٹز ۱۵۵
پال ہیرسٹ ۲۳۰، ۲۳۱
(مولانا مفتی) تقی عثمانی ۱۷۴
(ڈاکٹر) ترکی الحمد ۶۶
تیورد ہرتزل ۷۱، ۱۲۵
(حضرت) ثوبانؓ ۲۲
ٹونی بلیئر (برطانوی وزیراعظم) ۸۹، ۱۵۶
ٹیلر (سابق امریکی صدر) ۱۱۸
ٹروس اسکوٹ (ماہر اقتصادیات) ۲۵۰
ٹاس پین ۲۱۰

ج چ ح

جالینوس ۵۵
جارج بش (سینئر) ۵۸، ۷۷، ۸۸، ۹۲، ۱۰۵، ۱۳۴، ۱۵۸، ۱۶۰
جیمس روزانو ۶۲
جمی کارٹر (سابق امریکی صدر) ۷۳، ۸۸
جودت سعید ۷۵
جوزف رٹنگر ۸۷
جان ڈوئیج ۸۹
جی آر مورگن ۹۱
جان راکفلر ۹۱
جیکب شیف ۹۱
جان فاسٹر ڈلس (سابق امریکی وزیر خارجہ) ۹۱، ۹۲
جاک شیراک (فرانسیسی صدر) ۹۵، ۳۲۵، ۳۴۴
جیمس واربرگ ۱۰۵
جون بوننگ ۱۰۷
جمال قنان ۱۰۹

جارج بش (جونیر) ۱۰۹، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۶۱، ۱۶۲، ۳۱۹

جیکب جیک بورلس ۱۱۷

جیکسن (سابق امریکی صدر) ۱۱۸

جان بیرنجیہ ۱۲۳

جیفرسن (سابق امریکی صدر) ۱۸۱، ۱۲۳

جان بونکر ۱۸۰

جارج واشنگٹن ۱۸۱

جارج سورش ۱۹۲

جوزف ایس نائی ۲۷۵

جان بمرٹن ۲۹۷

(ڈاکٹر) جمال المجاہدہ ۲۹۴

جمال الدین افغانی ۳۰۲

جرجی زیدان ۳۱۶

جیک کوبن (فرانسیسی وزیر انصاف) ۳۴۴

جیک اوسٹروی ۴۳۰

چومے ۱۴۴

(ڈاکٹر) حسن حنفی ۴۹، ۵۰، ۵۲، ۵۵، ۶۸، ۱۷۰، ۲۶۸،

حسن زیات ۵۳

حسن بن ہیثم ۵۵

(ڈاکٹر) حامد فرزات ۱۱۵، ۱۲۱

حسین محمد علی ۱۸۷، ۱۳۳

(ڈاکٹر) الحسینی سلمان الجاد ۴۱۱

د ڈ ر

دانیال بورسٹین (مؤرخ) ۱۲۲

ڈسٹوٹ دوٹراسی ۷۰

ڈونالڈ رمس فیلڈ (امریکی وزیر دفاع) ۱۵۵

ڈیوڈ روشکویف ۳۴۲

رچرڈ سوزرن ۴۵

رونالڈ ریگن (سابق امریکی صدر) ۸۸، ۹۲

روسنکس ۹۱

رہوڈس سیشل ۹۱

روزولٹ (سابق امریکی صدر) ۱۴۳

رچرڈ بیرل ۱۵۴

رابرٹ ریچ (سابق امریکی وزیر محنت) ۲۳۵، ۲۳۶

ریمبو ۲۹۴

روجیہ مونیہ ۳۵۲

رجاء الجارودی ۳۷۳

رچرڈ اسمتھ ۲۳۲

رچرڈ کارڈز ۱۱۰

س ش ص

سید سلیمان ندوی ۳۵

سہیلہ زین العابدین حماد ۴۶

سقراط ۵۵، ۲۷۰
سارا جمیل ۱۱۲
سی کیٹین ۱۳۶
سید دسوقی حسن ۱۹۶
سامیہ منیسی ۳۶۰
(مولانا) شوکت علی صاحب بستوی ۱۸
شولٹز (سابق امریکی وزیر خارجہ) ۷۷
(امام) شافعیؒ ۳۰۰
شیکسپیئر ۳۰۸
(ڈاکٹر) شوقی ضیف ۳۳۲
(ڈاکٹر) صالح الرقب ۵۷، ۵۹، ۶۲، ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۸۴، ۹۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۲۵۲، ۲۴۹، ۳۳۷
(ڈاکٹر) صادق جلال العظم ۶۸، ۷۵، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۸
صموئل هينتنگتن ۷۶، ۱۰۷
صدام حسین (سابق عراقی صدر) ۲۱۱
صلاح الفضلی ۲۵۱

ط ع ف

طٰہ حسین ۲۹۹
(حضرت) عیسیٰ علیہ السلام ۵۸، ۷۰
(ڈاکٹر) عزت السید احمد ۵۸، ۷۰
علی حرب ۶۴
(ڈاکٹر) عبداللہ عبدالمحسن ترکی ۳۱
(ڈاکٹر) عبدالوہاب المسیری ۶۷
عبدالوہاب علوانی ۷۵
عبدسعید عبداسماعیل ۸۱
(ڈاکٹر) عمادالدین خلیل ۱۰۸
عاطف سہیل صدیقی دیوبندی ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۴۷، ۲۵۵
(ڈاکٹر) عبدالفتاح احمد الفاوی ۲۸۸، ۲۹۴، ۳۴۰، ۳۴۳
(ڈاکٹر) عمرالحاجی ۳۴۵، ۴۲۴
علی عزت بیگوویچ ۴۰۹
عمر عبدالکریم ۴۱۸
(حضرت) عبداللہ ابن عباس ۴۲۲
(شہزادہ) عبداللہ بن عبدالعزیز ۱۱۲
فارابی ۵۵
فرانسس فوکویاما ۷۴، ۷۵، ۷۶
فرعون ۱۲۲، ۴۳۴
فورڈ (سابق امریکی صدر) ۱۴۴
فرینکلن (سابق امریکی صدر) ۱۸۱
(ڈاکٹر) فالح عبدالجبار ۲۳۰
فلپ ایف کیلی ۲۵۵
فرانسو برون ۲۷۷
فؤاد عبدالکریم آل عبدالکریم ۳۵۸، ۴۰۲
(شاہ) فیصل ۱۹۶
مولوی فیضان اللہ گونڈوی ۲۰

ک گ ل

کرنل مانڈیل ہاؤس ۷۲، ۹۱، ۱۳۹
کریسٹن ٹیڈ وائٹ (امریکی ریاست کا گورنر) ۸۹
کریسچن ہرٹر ۹۲
کونڈا لیزا رائس ۱۵۵
کولن پاویل (امریکی وزیر خارجہ) ۱۵۹
کینڈی (سابق امریکی صدر) ۱۹۹
کرس اولڈس ۲۵۵
کامل الشریف ۲۹۷
کلاؤڈ بگیج ۳۰۷
کلاؤس ٹوبیفر ۳۲۱
گریس ہالس ۲۷
گورباچیوف (سابق روسی صدر) ۷۷، ۸۲
گل بس بری ۱۱۹
گراہم تھامپسن ۲۳۰، ۲۳۱
لارڈ گیر گلٹن (سابق ناٹو سربراہ) ۸۸
لی وو کوان ۲۴۰
لیون بلوم (سابق فرانسیسی صدر) ۲۸۰

م ن

میر تقی میر ۲۳
(مولانا) مناظر احسن گیلانی ۳۵
(مولانا) مرغوب الرحمٰن ۳۱
(مولوی) محمد اسعد گورکھپوری ۲۰
(مولوی) محمد امجد سہارنپوری ۲۰
(ڈاکٹر) محمود فہمی حجازی ۵۷
(ڈاکٹر) مصطفیٰ رجب ۵۸
مانع حماد الجہنی ۶۰، ۴۰۱
(ڈاکٹر) مصطفیٰ النشار ۶۶
(ڈاکٹر) مصطفیٰ محمود ۶۷
محمد عابد الجابری ۶۷
محمد ابراہیم المبروک ۶۸
مارشل میک ۷۳
مارگریٹ تھیچر (سابقہ برطانوی وزیر اعظم) ۷۷، ۸۸
محمد انیس الرحمٰن ۹۰
(ڈاکٹر) محمد حسن رسمی ۹۴
مہاتر محمد (ملیشیائی وزیر اعظم) ۴۹، ۱۸۹
محمد سماک ۹۵
مائیکل ہکمن ہارڈ ینٹ ۱۲۱، ۱۱۵، ۲۶۴
میل ول ۱۱۹
مک گاوسکی پاویل ۱۳۷
(ملّا) محمد عمر ۱۵۲
محمد سعید ابوزعرور ۱۸۹
(ڈاکٹر) مجدی قرقر ۱۹۳
مکی کینٹر (کلنٹن انتظامیہ کا ترجمان) ۲۰۶

(ڈاکٹر) محمد بن مسعود العصیمی ۲۱۸
مالک بن نبی ۲۶۳،۲۶۴
مسعود طاہر ۲۹۱
مائکل جیکسن ۲۹۴
(ڈاکٹر) محمد عمارہ ۳۰۲
محمد عوض ۳۰۲
(ڈاکٹر) محمد مخزون ۳۳۶
مسٹر اوس ہاب ۳۴۲
مراد ہاف مین (اسلامی مفکر) ۳۴۳
محمد الزحیلی ۳۶۱
محمود بسیونی ۳۶۱،۳۶۵
(ڈاکٹر) محسن عبد الحمید ۴۱۸
محمد شحرور ۴۲۵
محمد سعید العشماوی ۴۲۵
محمد ارکون ۴۲۵
(ڈاکٹر) محمد عبد اللہ العربی ۴۲۷
محمد شوقی الفنجری ۴۳۰
(امام) مسلمؒ ۴۳۲
نورمن دانیال ۴۵
نعیمہ شومان ۶۲
(مولانا) نذر الحفیظ ندوی ۷۲
(مولانا) نور عالم خلیل امینی ۱۹،۲۱،۳۷
نیلسن راکفلر ۹۲
نمرود ۴۳۴،۱۲۲
ناعوم چومسکی (امریکی سائنس داں) ۳۴۲
نکسن (سابق امریکی صدر) ۴۱۰
(حضرت) نوح علیہ السلام ۴۲۲

و ہ ی

ولیم گریڈر ۶۲،۹۵
ولسن (سابق امریکی صدر) ۷۲،۷۳،۹۱، ۱۳۹،۱۴۰،۱۴۱
ولیم استوگٹن ۱۲۲
ولیم بیرڈ ۱۲۲
ولیم بروم فیلڈ (امریکی کانگریس مین) ۱۳۶
ورجینی ڈومرون ۳۰۹
ولیم اسمتھ ۳۱۰
ویسٹر ۵۷،۳۱۰
وائر لیپ مین ۹۱
ہور سیوس ۵۵
ہارون رشید ۷۰
ہینس پیٹر مارٹن ۷۷،۴۰۷
ہیر الڈ شومین ۷۷،۴۰۷
ہنری کیسنجر (سابق امریکی وزیر خارجہ) ۸۸،۱۴۵
ہنری فواڈ ۹۱
ہنری ٹرومین ۱۸۰
(ڈاکٹر) ہیثم بن جواد الحداد ۳۳۵،۳۱۶، ۳۳۱،۳۳۶
یشونت سنہا (ہندوستانی وزیر خارجہ) ۲۲۴

مقامات، ادارے، تنظیمیں اور کمپنیاں

الف

امریکہ ۴۴، ۴۶، ۴۹، ۵۷، ۶۱، ۶۲،
۶۸، ۶۹، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۸۳، ۸۴، ۸۵،
۸۶، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۷، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸،
۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷،
۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۳۲،
۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹،
۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷،
۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۸،
۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۹، ۱۸۴، ۱۸۶،
۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۴،
۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳،
۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۲،
۲۲۳، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳،
۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴،
۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۶۳، ۲۶۹،
۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶،
۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲،
۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۸،
۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱،
۳۱۲، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۵،
۳۲۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۵،
۳۵۳، ۳۵۷، ۳۹۱، ۳۹۴، ۴۰۵، ۴۰۹،
۴۱۰،

اسکندریہ ۴۸

افریقہ ۴۹، ۱۲۰، ۱۵۷، ۱۶۸، ۱۸۶،
۲۳۷، ۳۰۳، ۳۲۱، ۳۳۲، ۴۱۹

اٹلی ۲۳۴، ۲۸۰، ۲۸۵

اسپین ۴۹، ۳۲۵

انڈونیشیا ۴۹، ۱۴۵، ۱۹۱، ۱۹۲، ۳۲۱، ۳۳۱،
۳۴۲

الجزائر ۵۱، ۱۹۱، ۳۴۰، ۳۵۲، ۴۲۵

اردن ۲۸۹، ۳۵۳، ۳۸۰، ۳۹۸، ۵۱

اقوام متحدہ ۵۲، ۷۳، ۸۱، ۸۵، ۹۲، ۱۰۲،
۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۴۲،
۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹،
۱۵۵، ۱۶۳، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۲۱، ۲۲۲، ۳۲۰،
۳۲۱، ۳۲۶، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷،

۳۵۹،۳۶۰،۳۶۱،۳۶۲،۳۶۳،۳۶۴،
۳۶۵،۳۶۶،۳۶۹،۳۷۲،۳۷۴،۳۷۶،
۳۷۷،۳۷۸،۳۸۰،۳۸۶،۳۹۱،۳۹۶،
۴۰۰،۴۰۱،۴۰۳،۴۰۵،۴۱۱،۴۲۵،۴۳۳،
اتحاد الکتاب العرب ۵۸،۱۲۱
ایشیا ۴۹،۶۱،۱۵۷،۱۶۸،۱۸۶،۲۳۲،
۲۳۶،۲۶۷،۳۰۳،۳۲۱،۳۸۰،۴۱۹
اسرائیل ۷۲،۷۳،۷۴،۱۰۱،۱۱۳،۱۱۴،
۱۲۴،۱۳۴،۱۳۵،۱۳۶،۱۴۷،۱۴۸،۱۵۵،
۱۵۷،۱۵۸،۱۵۹،۲۴۷،۴۲۲
امریکی وزارت خارجہ ۷۶،۱۰۶،۱۱۰
اسٹین فورڈ یونیورسٹی ۷۷
آکسفورڈ یونیورسٹی ۷۷
انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ ۸۲،۸۳،۸۵،۱۸۸،
۱۸۹،۱۹۰،۲۱۱،۲۱۳،۲۱۶،۲۱۸،۲۲۱
افغانستان ۸۲،۱۴۴،۱۱۵،۱۲۱،۱۳۵،
۱۴۶،۱۴۷،۱۵۲،۱۶۲،۳۲۰
اوسٹر بیک ۸۷
اسکاٹ لینڈ ۸۹
امریکی کلیسا کی تنظیم ۹۱
امریکی وزارت دفاع ۱۰۵
افریقی اتحاد (افریقی یونین) ۱۰۸،۱۰۹
ایرازونا ۱۱۹

اردو ۴۹
ایران ۱۳۵،۱۵۵،۲۳۷،۲۸۹
ایپک (AIPAC) ۱۳۶،۱۳۷،۱۵۵
آسٹریلیا ۲۷۴،۳۲۲
ایلبوک بریک ۱۵۰
ایف بی آئی (امریکی خفیہ تنظیم) ۱۵۱،۱۵۴
انرون (کمپنی) ۱۵۷
آئی سی سی (جنگی جرائم کی عالمی عدالت)
۱۶۲
ایمنسٹی انٹرنیشنل ۱۶۲
اے بی بی (کمپنی) ۱۸۶
اوروگواوے ۲۱۸
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا ۳۸۷،
۴۲۴
آئی بی ایم (کمپنی) ۲۳۴،۲۳۵،۲۳۶،
۲۷۶
ارجنٹائنا ۲۳۵،۲۳۶
آئرلینڈ ۲۳۷
امریکن ایرلائنز ۲۳۹
اموکو (کمپنی) ۲۴۰
آکسن (کمپنی) ۲۴۰
ابوظبی ۲۴۰
آسٹریا ۲۵۳،۳۷۶

اوپیک ۲۵۴
اندلس ۲۶۷
ایسوسی ایٹڈ پریس ۲۷۲
انٹرنیشنل نیوز سروس ۲۷۳
اے ٹی اینڈ ٹی (AT & T) ۲۷۷
اے ایم سی (AMC) ۲۸۱
اونیفرنس (کمپنی) ۲۸۱
اوک بروکس ۲۸۶
اٹلانٹا (امریکی شہر) ۲۸۷
اساکنٹر (کمپنی) ۲۸۷
انگلش کمپنی ۳۱۶
ایسوسی ایشن آف فرنچ لائزیشن ۳۲۵
امریکی اسپینش ایسوسی ایشن ۳۲۵
ایبریائی اسپینش ایسوسی ایشن ۳۲۵
ایفل ٹاور ۳۴۵
اقوام متحدہ کی کونسل برائے خواتین ۳۵۶
اقوام متحدہ فنڈ برائے آبادی ۳۵۶
اقوام متحدہ ترقی فنڈ برائے خواتین ۳۵۷
اقوام متحدہ ترقی پروگرام ۳۵۷
اقوام متحدہ کا ریسرچ سینٹر برائے معاشرتی ترقی ۳۵۷
اقوام متحدہ کا سینٹر برائے انسانی آبادیات ۳۵۷
اقوام متحدہ کمیٹی برائے پناہ گزیں ۳۵۷
افریقی سینٹر ۳۸۰
ازہر (جامعہ) ۴۰۰
انٹرنیشنل یونین فاروومن ۴۰۰

ب پ

بیروت ۷۵، ۶۸، ۵۰، ۱۱۲، ۲۴۴، ۲۹۴، ۲۹۱، ۳۸۰،
برلن ۴۱، ۸۴، ۲۸۸، ۳۲۷، ۲۸۱
باسل ۷۱، ۱۰۱، ۱۱۳، ۱۲۵
برطانیہ (انگلینڈ) ۷۳، ۸۸، ۸۹، ۱۴۸، ۱۵۷، ۲۰۹، ۲۳۹، ۲۳۷، ۲۴۹، ۲۷۴، ۲۹۸، ۳۱۲، ۳۲۲، ۳۲۷
بلڈربرج (تنظیم) ۸۷، ۸۹، ۹۰
براعظم امریکہ کے ممالک کی تنظیم ۱۰۸
بحراٹلانٹک ۱۱۷، ۳۳۲
بحرالکاہل ۱۷۷
بیت لحم ۱۵۹
برصغیر ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۳۹۵
بریٹن ووڈز (امریکی شہر) ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۸
برازیل ۲۳۵، ۲۸۵، ۳۲۲، ۳۷۶
بیل ساؤتھ (کمپنی) ۲۳۵

بار باڈوس (جزیرہ) ۲۳۷
برٹش ایرویز ۲۳۹
برٹش پٹرولیم ۲۴۰
بروویج موتوڈ انشورنس ۲۴۱
بنک آف مونٹریال ۲۴۱
بی ایم ڈبلیو (B.M.W.) ۲۴۳
بیل اٹلانٹک کارپوریشن ۲۴۴
بیرکشائر ہیتھ وے ۲۴۴
برٹل ہوٹل ۲۴۴
برگ الیکٹرانکس ۳۴۵
بلاک بسٹر انٹرٹینمنٹ ۲۷۷
برموڈا ۲۸۴
برگرکنگ (ریسٹورنٹ) ۲۸۵
بالی ووڈ ۲۸۹، ۲۹۲
برن (سوئس شہر) ۳۰۸
بنگلہ دیش ۳۳۱
چین ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۹، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۵
بحرین ۳۷۹
پیرس ۴۶، ۲۸۱، ۲۸۸
پیرامنٹ ہوٹل ۷۷
پنسلوینیا بنک ۱۰۶

پناما ۱۲۰، ۱۲۱
پورٹاریکا ۱۲۰
پنٹاگن (امریکی دفاعی ادارہ) ۱۲۱، ۱۳۸، ۱۵۴، ۲۷۵
پوما (کمپنی) PUMA ۲۳۴
پاکستان ۲۳۱، ۲۳۷، ۳۱۶، ۴۱۰
پرمونٹ (کمپنی) ۲۷۷
پولینڈ ۲۸۲
پیزاہٹ (ریسٹورنٹ) ۲۸۵

ت ٹ

تندوف ۵۱
تعلقات خارجہ کمیٹی (C.F.R.) ۹۱، ۹۲، ۹۳
تنظیم اسلامی کانفرنس ۱۰۸
تیمور (جزیرہ) ۱۴۵
ترکی ۱۴۴، ۱۸۹، ۲۳۷، ۲۹۸، ۳۷۷
تونس ۲۲۸، ۳۴۰، ۳۵۳، ۳۸۰
تھائی لینڈ ۲۲۸، ۲۳۵، ۲۳۶، ۳۴۲، ۳۷۴
تھری ایم (3M) ۲۳۴
توشیبا (TOSHIBA) ۲۳۴
تنظیم اقوام متحدہ برائے اطفال ۳۵۷

تنظیم اقوام متحدہ برائے علم وتربیت اور ثقافت ۳۵۷
تہران ۳۶۲،۳۶۳
ٹورنٹو یونیورسٹی ۷۳
ٹورن بری ہوٹل ۸۹
ٹوکیو ۱۹۹،۲۰۰
ٹوکیو بنک ۲۴۱
ٹیل ایسک (TELEAESIC) ۲۴۲
ٹی سی آئی (TCI) ۲۷۶
ٹائم وارنر (TIME WARNER) ۲۷۶
ٹکساس (امریکی ریاست) ۱۱۸،۲۸۴

ج چ ح خ

جرمنی ۸۳،۱۴۷،۲۲۸،۲۳۴،۲۳۷، ۲۴۹،۳۱۵،۲۸۰،۲۸۱،۳۰۶،۳۱۴،۳۱۵، ۳۲۳،۳۲۷،۳۲۸،۳۳۴،۳۴۳
جویا ۴۹
جنیوا ۸۲،۸۳
جاپان ۱۱۹،۱۸۵،۱۸۶،۱۸۷،۲۰۰، ۲۳۲،۲۳۳،۲۳۶،۲۳۷،۲۴۱،۲۴۹، ۳۳۴
جی ۸ ۵۲
جمہوریہ ڈومنیکان ۱۲۱
جمائکا ۱۲۱
جی ٹی ای کارپوریشن ۲۴۴
جنرل ری کارپوریشن ۲۴۴
جزیرۃ العرب ۴۵،۱۴۶،۳۹۳،۳۹۵
چاڈ ۵۰
چین ۱۴،۱۰۸،۱۲۰،۱۴۷،۱۵۸،۲۳۲، ۲۶۷،۲۶۸،۲۸۵،۳۱۴،۳۲۸،۳۳۴، ۳۳۶،
حلا بیب ۵۱
خلیج ۵۸،۸۳،۱۵۵،۲۹۶،۳۳۲
خرطوم ۴۰۰

د ڈ ر

دارالعلوم دیوبند ۱۷،۱۸،۲۰،۲۱،۳۱،۳۷
دیوبند ۱۸،۱۷،۲۰،۲۱،۳۱،۳۴،۳۷
دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۲
دمشق ۵۸،۷۵،۱۲۱،۳۴۵،۲۶۴،۳۷۳، ۴۲۴
دارالفکر ۶۸،۵۰،۲۶۴
دارالاندلس الخضراء ۸۱
دارالمکتبی دمشق ۳۴۵،۴۲۴
دارالقلم دمشق ۳۷۳
ڈیموکریٹک پارٹی ۱۳۴،۱۳۵

ڈیٹ روئٹ (امریکی شہر) ۲۳۷
ڈیملر بنز (کمپنی) ۲۴۰
ڈیلس اسٹوڈیو ۲۹۴
ڈنمارک ۳۶۶،۳۶۵
رائل بنک کناڈا ۲۴۱
رولز رائس ۲۴۳
رائٹر نیوز ایجنسی ۳۲۸،۲۷۴
رابطۂ عالم اسلامی ۴۰۲،۳۱،۱۷
روم ۱۳۶،۴۸
روانڈا ۵۰
راکفلر فاؤنڈیشن ۹۱،۹۰
ریڈ کراس ۱۵۵،۱۰۹
ریپبلکن پارٹی ۱۳۴
ریاض ۱۸۵
روتھشیلڈ بنک ۹۱
رباط ۸۳

س ش ص

سوڈان ۳۱۶،۵۰
سعودی عرب ۲۳۷،۱۸۵،۱۵۵،۱۱۲،۵۱، ۴۰۰،۳۹۴،۳۸۷،۳۰۹،۲۹۶،۲۹۵
سوویت یونین روس ۸۵،۸۲،۵۲،۴۱، ۴۲۹،۱۴۸،۱۰۸
سوئٹزرلینڈ ۳۰۸،۲۸۲،۲۳۷،۱۲۵
سان فرانسسکو ۱۴۲،۷۷
سویڈن ۸۷
سی آئی اے (امریکی خفیہ تنظیم) ۸۹،۸۸، ۱۵۴،۱۵۱،۱۲۰،۹۱
سان ڈومنگو ۱۲۰
سنگاپور ۲۳۷،۲۳۶،۲۳۵
سی جیٹ (SEGATE) ۲۳۶
سوئس بنک آف کورب ۲۴۱
سینٹ لوئس (امریکی شہر) ۲۴۵
سلکن گرافکس ۲۷۷
سوربون یونیورسٹی ۳۲۵
شام ۳۴۰،۳۱۶،۲۸۹،۱۳۶،۵۱،۴۸
شلاتین ۵۱
شمالی افریقہ ۱۲۰
شیل (SHELL) ۲۴۰،۲۳۷
صحرائے بوریمی ۵۱

ع غ

عراق ۱۳۵،۱۳۴،۱۲۱،۱۱۴،۱۱۲،۵۰، ۲۱۱،۱۶۲،۱۵۵،۱۴۸،۱۴۷،۱۴۶، ۴۲۸،۳۲۰،۳۱۹،۲۷۵
عسیر ۵۱

عمان ۵۱، ۳۸۰

عالمی بنک ۶۱، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۹۱،
۲۱۴، ۲۲۱

عرب لیگ ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۵۵

عالم المعرفۃ ۲۳۰

عالمی ریسرچ اینڈ ٹریننگ سنٹر برائے ترقی
خواتین ۳۵۷

عورت کے خلاف امتیازی سلوک کے
خاتمے سے متعلق کمیٹی ۳۵۷

عدیس ابابا ۳۸۰

عرب امارات ۴۲۰

غزہ پٹی ۲۵۳

ف ق ک گ

فرانس ۴۶، ۹۵، ۱۲۷، ۱۴۸، ۲۱۰،
۲۳۴، ۲۳۶، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۸۰، ۲۸۱،
۲۸۷، ۳۰۶، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶،
۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۴۴، ۳۴۵،
۳۴۶، ۳۵۲، ۳۵۳، ۴۳۰

فارس ۴۸، ۲۶۸

فلپین (فلپائن) ۴۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۲۲۸،
۳۳۶، ۳۲۲

فلوریڈا ۱۱۷، ۲۸۴

فارن افیئرز کمیٹی ۱۳۶

فولکس فائن ۲۴۳

فیلکس سوئٹ ۲۴۴

فیلکر کلیج ٹرسٹ ۲۴۴، ۲۴۵

فریماٹوم کنکٹرس انٹرنیشنل ۲۴۵

فیکوم ۲۷۶، ۲۷۷

فلسطین ۱۳۶، ۲۸۹، ۳۵۳

قاہرہ ۵۷، ۹۴، ۲۲۷، ۲۹۲، ۳۰۲، ۳۵۳،
۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۴۰۰، ۴۰۵

قاہرہ یونیورسٹی ۹۴

القاعدہ (تنظیم) ۱۱۵، ۱۲۷، ۳۲۲

کراچی ۲۲

کونگو ۵۰، ۱۴۴

کناڈا ۱۳۲، ۲۲۸، ۲۴۱

کوالالمپور ۹۴

کیوبا ۱۱۲، ۱۲۰، ۱۲۱

کیلی فورنیا (امریکی ریاست) ۱۱۹،
۲۳۵، ۲۳۶، ۲۸۴، ۴۰۹

کوریا ۱۲۰، ۲۳۶، ۲۴۰

کمبوڈیا ۱۲۱

کویت ۲۶، ۲۹، ۲۳۰، ۱۳۴، ۲۴۱،
۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۱

کویت یونیورسٹی ۳۱

کیپیٹل ہل ۱۳۶، ۱۳۷
کٹنگا ۱۴۴
کرائسلر (کمپنی) ۲۴۰
کمرشل بنک آف کوریا ۲۴۰
کارپوریشن ڈیجیٹل ۲۴۳
کینیڈی کالج ۲۷۵
کینیا ۳۲۱
کیمرون ۳۲۲
کولمبیا یونیورسٹی ۳۴۲
کوپن ہیگن ۳۶۵، ۳۷۷
گرلز ایسوسی ایشن ۳۷۹
گوام (جزیرہ) ۱۲۰
گواٹی مالا ۱۲۰
گرناڈا (جزیرہ) ۱۲۱
گڈیر (کمپنی GOODYEAR ۲۳۷
گوگل فاؤنڈیشن ۳۱۵

ل م ن

لبنان ۳۴۰، ۵۱، ۱۲۱
لکھنؤ ۱۳۱
لیگ آف نیشنز ۷۲، ۷۳، ۸۱، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۲۱۲
لاہور ۹۰
لیبیا ۱۱۲، ۱۲۱، ۲۸۹
لوزیانا (امریکی ریاست) ۱۱۷
لاطینی ممالک ۱۴۱
لندن ۱۹۲، ۲۳۲، ۲۴۱
لینڈل موتوڈ انشورنس ۲۴۱
لورل اسپیس کمیونکیشن ۲۴۲
لاطینی یونین ۳۲۵
لیگ آف یونائیٹڈ نیشنز ۳۵۷
مسجد رشید ۲۰
مراکش ۵۰، ۵۱، ۸۳، ۳۱۶، ۳۳۱
مصر ۵۰، ۱۸۶، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۹، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۵۳، ۳۷۰، ۳۹۳، ۳۹۹، ۴۲۵
مالی ۵۰
مکہ مکرمہ ۱۷، ۳۱
ملیشیا ۹۴، ۱۸۹، ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۵، ۳۴۲، ۳۸۷
میکسیکو ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۸۹، ۲۳۶، ۳۲۲، ۳۴۵، ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۶۹
مشرق وسطی ۴۹، ۸۴، ۱۱۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۷، ۱۹۵
مشیگن (امریکی ریاست) ۱۳۶

مونٹریال ۲۴۱
میڈیا نیوز کارپوریشن ۲۷۳
ماسٹر کارڈ ۲۹۱
مقدونیا ۳۰۱
موٹرولا (MOTOROLA) ۲۴۲
مکڈانلڈ (ریسٹورنٹ) ۲۸۵، ۳۴۴،۲۸۶
النادي الادبي ۱۸
نوکیا (NOKIA) ۲۴۳
نیویارک ۷۰، ۷۵، ۷۶، ۹۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۲۳۶، ۱۹۲، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۹
نیوجرسی ۸۹
نویڈا ۱۱۹
نیکاراگو ۱۲۰
ناگاساکی ۱۲۰
نیوزی لینڈ ۲۲۸، ۲۷۴
نئی دہلی ۱۶۳
نائجیریا ۳۲۱، ۳۲۶
نیامی ۳۲۶
نیروبی ۳۶۶
الندوة العالمیہ للشباب الاسلامی ۴۰۱
نجران ۵۱

و ہ ی

وادی حمہ ۵۱
وارسو ۸۵
وائٹ ہاؤس ۹۰، ۱۳۵
ویٹیکن ۱۰۹، ۱۵۵
ورجینیا (امریکی ریاست) ۱۰۷
واشنگٹن ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۵۰، ۱۹۷
ویتنام ۱۲۱
ورلڈ ٹریڈ سینٹر ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۴۶
وال مارٹ ۱۸۴
ورلڈ اکنامک فورم ۲۲۴
وریول (WHIRPOOL) ۲۳۶
ونٹیج بکس (VINTAGE BOOKS) ۲۳۶
ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن ۶۰، ۸۳، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۱
وینزویلا ۲۳۷، ۲۴۳
ویزا ۲۹۱
وال اسٹریٹ انسٹی ٹیوٹ ۳۰۹
ہندوستان ۴۹، ۱۵۸، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۸۵، ۳۰۲، ۳۲۲، ۴۱۰
ہالینڈ ۴۹، ۸۷

ہوائی (جزیرہ) ۱۲۰
ہیتی ۱۲۰
ہیروشیما ۱۲۰
ہالی وڈ ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۲، ۳۱۰، ۳۹۲، ۴۱۰، ۴۱۱
ہائیل بنک ۲۴۰
ہاکرز ۲۷۷
ہنگری ۲۸۲
ہیمبرگر یونیورسٹی ۲۸۶
یورپ ۴۵، ۵۲، ۶۱، ۷۰، ۷۱، ۷۳، ۷۵، ۸۳، ۹۰، ۱۲۰، ۱۲۸، ۱۴۶، ۱۶۸، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۳، ۲۳۸، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۳، ۳۰۲، ۳۲۱، ۳۳۳، ۳۵۳، ۳۷۵، ۳۹۱، ۳۹۴، ۴۱۹
یونان ۵۵، ۱۴۴، ۱۸۰، ۲۷۰، ۲۸۵
یمن ۵۱
یہودی مسیحی یونین ۱۰۹، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱
یونین بنک آف سوئٹزرلینڈ ۲۴۱
یونائیٹڈ پریس ۲۷۳
یوایس ویسٹ (USWEST) ۲۷۶
یونیسکو ۳۲۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۴۰۵، ۴۴۰، ۴۴۵

مآخذ و مراجع

کتب

(۱) ماالعولمة؟ دارالفکر، بیروت طبع ثانیہ ۲۰۰۰ء۔

(۲) تاریخ الأدب از حسن زیات۔ پچیسواں ایڈیشن برائے سیکنڈری اسکول مصر۔

(۳) العولمة از صالح الرقب، اتحاد الکتاب العرب دمشق طبع ۲۰۰۱ء۔

(۴) انہیار مزاعم العولمة، از عزت السید احمد، اتحاد الکتاب العرب دمشق طبع ۲۰۰۰ء

(۵) المستقبل العربی از احمد مصطفیٰ عمر، مکتبۃ النیل والفرات بیروت طبع ۱۹۹۹ء۔

(۶) العرب و العولمة از محمد عابد الجابری، مکتبۃ النیل والفرات بیروت۔

(۷) الإسلام و العولمة از محمد ابراہیم المبروک، طبع قاہرہ ۱۹۹۹ء۔

(۸) ما هي العولمة؟ از صادق جلال العظم، طبع بیروت۔

(۹) الإسلام و الغرب و الديمقراطيّة

از جودت سعید و عبدالوہاب علوانی، طبع دمشق ۱۹۹۷ء۔

(۱۰) العولمة و العالم الإسلامي: ارقام و حقائق

از عبد سعید عبد اسماعیل، طبع دار الاندلس الخضراء ۲۰۰۱ء۔

(۱۱) دراسة حول البعد التاريخيّ و المعاصر لمفهوم العولمة

طبع قاہرہ ۲۰۰۰ء

(۱۲) تحدّيات النظام العالميّ الجديد

از عماد الدین خلیل، مکتبۃ النیل والفرات بیروت۔

(۱۳) العولمة الجديدة و المجال الحيويّ للشرق الأوسط

از سیّار الجمیل، طبع اوّل بیروت ۱۹۹۷ء۔

(۱۴) أمريكا المستبدّة، الولايات المتحدة وسياسة السيطرة على العالم
از مائکل بگنن مارڈنٹ، ترجمہ: حامد فرزات، طبع اتحاد الکتاب العرب، دمشق ۲۰۰۱ء۔

(۱۵) العولمة از محمد سعید ابوزعرور، دار القلم دمشق طبع ۲۰۰۲ء۔

(۱۶) ما العولمة؟ از پال ہیرسٹ، گراہم تھامپسن،
ترجمہ: ڈاکٹر فالح عبدالجبار، طبع عالم المعرفۃ کویت ۲۰۰۱ء۔

(۱۷) تأمّلات مشكلات الحضارة
از مالک بن نبی، طبع دار الفکر دمشق پانچواں ایڈیشن۔

(۱۸) الإسلام والأمّة الإسلامية از ڈاکٹر جمال المجاہدۃ طبع قاہر۔

(۱۹) اقتضاء الصراط المستقيم
از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(۲۰) الرسالة للشافعي موسسۃ الرسالۃ بیروت۔

(۲۱) الأعمال الكاملة لجمال الدين الأفغاني از ڈاکٹر محمد عمارۃ طبع قاہرہ۔

(۲۲) اللّغة العربيّة في عصر العولمة
از ڈاکٹر احمد بن محمد الضبیب، طبع دمشق ۲۰۰۰ء۔

(۲۳) العولمة أمام عالميّة الشريعة الإسلامية
از ڈاکٹر عمر الحاجی، طبع اوّل دار المکتبی دمشق۔

(۲۴) سقوط الحضارة الغربيّة– روية من الداخل–
از احمد منصور، دار القلم دمشق طبع اوّل ۱۹۹۸ء۔

(۲۵) الإسلام بين الشرق والغرب از ڈاکٹر علی عزت بیگوویچ، طبع اوّل ۱۹۹۴ء، قاہرہ۔

(۲۶) النظام الاقتصادي في الإسلام مبادئه وأهدافه، طبع قاہرہ۔

(۲۷) مغربی میڈیا اور اس کے اثرات از مولانا نذر الحفیظ ندوی.
(۲۸) مدینے سے وائٹ ہاؤس تک از محمد انیس الرحمن، مطبوعہ لاہور.
(۲۹) شکنجۂ یہود از پال فنڈلے (اردو ترجمہ) ملی پبلی کیشنز، جامعہ نگر نئی دہلی.
(۳۰) اسلام اور جدید معیشت و تجارت
از حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی، دار الاشاعت دیوبند.
(۳۱) New Collegiate Dictionary مطبوعہ لندن.
(۳۲) The International Encyclopadia of Business and management مطبوعہ آکسفورڈ پریس لندن ۱۹۹۶ء.
(۳۳) Globalization from The Perspective of Islam and Modernity از عاطف سہیل صدیقی دیوبندی.
(۳۴) Globalization in Question. دوسرا ایڈیشن، پولٹی پریس لند.
(۳۵) The Work of Nations از رابرٹ ریچ طبع Vintage Books نیویارک.
(۳۶) The Future of English مطبوعہ The English Company لندن.

رسائل واخبارات

(۱) اخبار: العالم الإسلامي
(۲) رسالہ: مجلة الحج والعمرة
(۳) رسالہ: الهلال
(۴) رسالہ: البيان
(۵) اخبار: الرائد

(٦) رسالہ: الإسلام وطن
(٧) اخبار: السفير
(٨) اخبار: الخليج
(٩) رسالہ: المنتدى
(١٠) رسالہ: المستقبل
(١١) رسالہ: التربية الإسلامية
(١٢) اخبار: الأهرام
(١٣) رسالہ: الحوادث
(١٤) رسالہ: المستقبل العربي
(١٥) رسالہ: الإسلام اليوم
(١٦) رسالہ: المجتمع
(١٧) رسالہ: آفاق عربية
(١٨) اخبار: الاتحاد
(١٩) اخبار: الدّيار
(٢٠) اخبار: الحياة
(٢١) اخبار: القبس
(٢٢) رسالہ: الثقافة العالمية
(٢٣) اخبار: الرّأي العام
(٢٤) ماہنامہ: الرسالة
(٢٥) رسالہ: الفكر العربي المعاصر
(٢٦) اخبار: أكتوبر
(٢٧) رسالہ: الأسرة

(۲۸) رسالہ: المنار الجديد
(۲۹) اخبار: عكاظ
(۳۰) رسالہ: المجمع العربي للمحاسبين القانونيين
(۳۱) رسالہ: الشقائق
(۳۲) رسالہ: المشاهد السياسي
(۳۳) رسالہ: البيان (عرب امارات)
(۳۴) رسالہ: الوعي الإسلامي
(۳۵) روزنامہ: راشٹریہ سہارا
(۳۶) Times of India
(۳۷) The Economist
(۳۸) New Left Review
(۳۹) International Herald tirbune
(۴۰) The Globalist

ویب سائٹس

(۱) http://www.ummah.com
(۲) http://www.islamway.com
(۳) http://www.islamweb.net
(۴) http://www.krysstal.com/English.html
(۵) http://www.aljazeerh.net
(۶) http://www.unfpa.org
(۷) http://www.un.org/arabic/aboutun/chorter

''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت کا ایک مقصد اقتصادی میدان میں مقامی حکومتوں کی قوت اور اقتدار کا خاتمہ کر کے عالمی معیشت پر اسلام دشمن بالادستی قائم کرنا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ آزاد تجارت و معیشت کے نام نہاد نعرے کے ذریعے پوری دنیا کی دولت سمیٹ کر چند ہاتھوں میں لے جانا چاہتی ہے۔ یہ اقتصادی اور معاشی استحصال کا وہ عالمگیر ہتھکنڈا ہے جس کے ذریعے چند بالادست با اختیار عالمی طاقتیں دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہیں۔ یہ معاشی استحصال کا عالمگیر ہتھیار اور ظلم و استبداد کا استعماری پیمانہ ہے۔

یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ ''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت محض سیاسی یا اقتصادی تحریک ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ براہ راست اسلام اور مسلم امہ پر حملہ بھی ہے کیونکہ اسلام ہی وہ آفاقی عالمگیر اور ابدی ضابطۂ حیات ہے جو معاشی استحصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور معاشی میدان میں دیانت و امانت کے اصول کو متعارف کرا کر خدمت اور فلاح انسانیت کا ابدی اور عالمگیر اصول عطا کرتا ہے یہ ہر دور کے معاشی استحصال پر مبنی باطل اور ظالمانہ نظام کے سامنے جہاد کا علم بلند کرتا ہے۔

پیش نظر کتاب ''گلوبلائزیشن اور اسلام'' میں علمی اور تاریخی حوالوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے مصنف، فاضل نوجوان، عالم دین اور دینی فراست کے حامل مولانا یاسر ندیم دیوبند کے ایک دینی اور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے آباؤ اجداد دین کی ترویج و اشاعت اور علمی و دینی خدمات کے حوالے سے قابلِ ذکر شہرت کے حامل ہیں۔ مولانا یاسر ندیم خود بھی علمی و تصنیفی ذوق کے حامل ہیں، ان کی یہ کتاب ایک منفرد اسلوب اور اپنے موضوع کے لحاظ سے حد درجہ اہمیت کی حامل ہے۔

COMET CREATIONS : 7767275